انوارِ عثمانی

مکتوبات

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی

رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۂ اسلامیہ
مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کرا

انوارِ عثمانی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے
علمی، سیاسی اور ذاتی مکتوبات اور دیگر علمی افادات کا مجموعہ،
بالخصوص مسئلۂ کشمیر پر مولانا مودودی سے اور سینما بینی پر
مولانا عبدالماجد دریابادی سے مراسلت، مؤتمر مکہ کی علمی
ڈائری، قرارداد مقاصد کی تائیدی تقریر، اور علامہ کی
وفات پر اکابر ممالک کے بیانات اور شعرا کے مرثیے۔

مرتبہ
پروفیسر محمد انوار الحسن صاحب انور شیرکوٹی
۱۸۹-اے پیپلز کالونی - لائل پور

ناشر: مکتبہ اسلامیہ مولوی مسافر خانہ، بندر روڈ کراچی ۱
قیمت مجلد -/۱۵
(مطبوعہ: انجمن پریس کراچی ۳)

اعترافِ خدمت

جناب مولانا انوار الحسن شیر کوٹی پروفیسر لائلپور کالج کو شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے علوم و معارف سے خاص مناسبت بھی ہے اور حضرت شیخ الاسلام مرحوم سے غایت درجہ عقیدت بھی ہے۔ موصوف نے تجلیات عثمانی لکھکر حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے عقیدتمندوں پر عظیم احسان فرمایا ہے اور منتسبین کے دلوں کی تسلی کے لئے سامان تسکین مہیا کر دیا ہے۔

موصوف نے "مکاتیب" لکھکر مزید شکرگذاری کا موقع عنایت فرمایا ہے۔ حضرت عثمانی رحمہ اللہ کے مکتوبات جگہ جگہ سے حاصل کر کے پھر ان کو حسن سلیقہ کے ساتھ ترتیب دے کر اور ان پر تعلیقات و حواشی لکھکر جس عرق ریزی کے ساتھ یہ جلیل القدر خدمت انجام دی ہے اس کے لحاظ سے موصوف ہمارے شکریہ کے خاص طور پر مستحق ہیں۔ بہر حال ہم مولانا موصوف کے شکرگزار ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو اکابر دیوبند کے علوم و معارف اور سیرت طیبہ سے متعارف کرانے کی مزید توفیق نصیب فرمائے تاکہ طلبہ اور مشتاقان علوم ان کے رشحات قلم سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔

مکتبہ اسلامیہ کراچی کو بھی بجا طور پر فخر ہے کہ اس کی نشر و اشاعت کی بسم اللہ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی مکاتیب سے ہو رہی ہے

میر غالم خاں لغاری

مکتبہ اسلامیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دُنیائے اسلام کے اُن عظیم المرتبہ علماء میں سے ایک تھے جن کے معصوم علم کی قسم جبریلؑ امین بھی کھا سکتے ہیں۔ وُہ اپنے دَور کے مفسّرِ اعظم، محدّث پاکباز، فقیہ بے بدل، متکلّم بے نظیر تھے۔ تحریر و تقریر کے میدان کے شہسوار اور علوم معقول و منقول کے جامع اور شریعت و سیاست دونوں کے مردِ میدان تھے۔

یقین کیجیے جب میں تجلّیاتِ عثمانی لکھ رہا تھا۔ تو عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی رُوح میرے دل و دماغ میں سمائی نظر آتی تھی۔ میں نے علامہ کو ان کی وفات کے بعد دس، بیس، پچاس دفعہ نہیں بلکہ سَو سے بھی زیادہ بار خواب میں دیکھا اور نئے نئے عنوان سے ان کی رُوحانی اور علمی توجہ اپنے دل پر مبذول پائی۔

فاران کراچی کے ایڈیٹر حضرت ماہر القادری نے مئی ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں "تجلّیاتِ عثمانی" پر تبصرہ کرتے ہُوئے لکھا:۔

"علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی علم و عمل کا سرچشمہ تھی، ان کی زبان و قلم نے اللہ کے دین کی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس جامعیت کے لوگ اُمّت میں روز روز تھوڑی پیدا ہوتے ہیں۔ جناب پروفیسر انوار الحسن انور نے علامہ عثمانی مرحوم کے علم تفسیر، حدیث فقہ، علم کلام، فلسفہ، منطق، مناظرہ، تقریر، اُردو، فارسی، عربی ادب اور سیاسیات پر بڑی تحقیق کے ساتھ سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ کتاب کی رنگا رنگی اور تنوّع کا یہ عالم ہے۔ کہ سات سو سے اُوپر ذیلی عنوانات پر یہ مبسوط تصنیف مشتمل ہے۔

پروفیسر انوار الحسن صاحب نے علامہ عثمانی کی تصانیف کو کھنگال ڈالا ہے۔ اس بحرِ مواج کے وہ کامیاب شناور ہیں۔ اُنھوں نے اس دریا کے ایک ایک صدف کو جانچا اور اس "اکیڈیمی" کے ایک ایک سفحے کو پڑھا ہے۔ "علوم عثمانی" کے شاید اس دور میں وہ سب سے بڑے محقق اور ریسکالر ہیں۔

غرض یہ ہے کہ قدرت نے مجھے علامہ عثمانی کی ترجمانی سونپ رکھی ہے۔ جس طرح علامہؒ کو امام وقت حضرت مولانا محمد قاسمؒ صاحب کی ترجمانی عطا فرمائی تھی۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ کو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی زبان بنایا تھا۔ یہی کچھ میرا معاملہ ہے۔ چنانچہ "تجلّیات عثمانی" کے علاوہ "حیات عثمانی" جس میں ان کی پیدائش سے وفات تک کے حالات ہیں لکھ چکا ہُوں چھپنی باقی ہے دیکھئے یہ امانتیں کب امانت والوں کے پاس چھپ کر پہنچتی ہیں۔ ہاں تو اللہ میاں نے حضرت عثمانی کا عشق میرے دل میں رکھ دیا اور اس کی چنگاری برابر دل میں سلگتی اور بھڑکتی رہتی ہے۔ ایک روز جب دل بھر آیا۔ تو ان کی یاد میں بے ساختہ کچھ اشعار ٹپک پڑے جو یہ ہیں:۔

(اشعار اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجیے)

علامہ شبّیر احمد عثمانیؒ کی یاد میں!

عقیدت کے چند پھول

وہ رہِ راہ شریعت راہ دکھلاتا رہا — منزلِ مقصود تک ملت کو پہنچاتا رہا
ترجمانِ فقہ و تفسیر و حدیثِ مصطفےٰؐ — آفتابِ علم دیں دُنیا کو چمکاتا رہا
لکھ کے شرحِ مُسلم و تفسیر قرآنِ کریم — اُمّتِ اسلام پر احسان فرماتا رہا
تھا زباں پر اُسکی قال اللہ اور قال الرسولؐ — نغمہائے سُنّت و قرآں سدا گاتا رہا
رحمتہ للعالمین کے دین کی لے کر ضیا — اپنے علم و فضل کے انوار برساتا رہا
حکمتِ رازیؒ و اسرار غزالیؒ کا امیں — حکمت و اسرار کے عقدوں کو سُلجھاتا رہا
تھا زبانِ قاسمؒ کی اور رُوح ولی اللہؒ تھا — جس پہ محمود الحسنؒ بھی فخر فرماتا رہا
تھا لسان الغیب انور شاہ کی نظروں میں وُہ — غیب کے مضمون ہمیں آنکھوں سے دکھلاتا رہا
یاد ہے اب تک تری شیریں کلامی جس سے تُو — کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتا رہا
تجھ پہ نازاں ہے ترا دار العلوم دیوبند — مادرِ علمی پہ تو بھی ناز فرماتا رہا
اہلِ پاک و ہند تیری ذات کے ممنون ہیں — جن پہ اپنے فیض کی بارش تو برساتا رہا
تھا صداقت اور حق گوئی ترا شیوہ سدا — حق بیاں کرتا رہا باطل کو ٹھکراتا رہا
کیا ہی نعمت تھی مگر علامہ عثمانی کی ذات — پھول بن کر گلشنِ ہستی کو مہکاتا رہا

وُہ ہُوئے دُنیا سے کیا رُخصت کہ انوار الحسن
زندگی کا لُطف جینے کا مزا جاتا رہا

غرض یہی وُہ عثمانیؒ کی محبت اور عقیدت کی چنگاری ہے جو مجھے ان کی یاد اوران کے علوم کی اشاعت کا باعث بنی ہے،

مکتوبات عثمانی علامہ کی تحریر کا ایک ایک صفحہ اور سطر اہل علم کے لئے سُرمۂ بصیرت ہے اس لئے راقم الحروف ان کے خطوط جمع کرنے کی طرف بھی متوجہ رہا۔ ان کے یہ مکتوبات جو ہم شائع کر رہے ہیں وُہ سب کے سب ان کے دست مبارک کے لکھے ہوئے ہمارے پاس موجود ہیں یعض خطوط خطبات اور اخبارات سے ملے جن کے حوالے دے دئے گئے ہیں مگر افسوس کہ ہم نے اخبار میں کوئی اطلاع نہیں دی کہ کہیں اور سے بھی شایدخطوط مل جاتے۔ علامہ کے خطوط تین قسم کے ہیں:۔

(۱) اوّل وہ خطوط جو علمی ہیں۔ اور اہلِ علم کے لئے نورِ بصیرت ہیں۔ بالخصوص پہلا خط خاص علمی دقیق رنگ رکھتا ہے۔ اسی طرح مولانا عبدالماجد صاحب، ابو سعید صاحب بزمی، مفتی محمد جمیل اور کشمیر سے متعلق مولانا مودودی سے خط وکتابت۔

(۲) دوم وُہ خطوط جو سیاسی اور بالخصوص نظریہ پاکستان سے متعلق ہیں جو بجائے خود تاریخی اور علمی مرقع ہیں۔

(۳) سوم وُہ خطوط جو پرائیویٹ اور نجی ہیں مگر ان میں بھی ان کی بنی نوع انسانی ہمدردی شفقت اور حسن خلق کی جھلک ہے۔

بہرحال علامہ کے خطوط کا مجموعہ ایک نہایت قیمتی سرمایہ بن گیا ہے۔ بالخصوص حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مدنی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات گرامی بھی اس سرمائے میں تبرک کے طور پر موجود ہیں۔ ہم نے حضرت مولانا مدنی کا تعارف دوسروں کی طرح مکتوبات کے اوّل میں نہیں کرایا کہ ہم تعارف سے ان کی ذات کو بلند سمجھتے ہیں۔ حضرت تھانویؒ کا ذکر بھی برائے بیت ہے۔ اور یہی صورت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب کے متعلق ہے۔

حضرت عثمانی کے اس مجموعۂ مکتوبات میں ہم نے جن دوسرے صاحبان کے مکتوبات کو درج کیا ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان خطوط کو پڑھ کر علامہ کے جوابی خطوط کو سمجھنے میں مدد ملے ہم نے خطوط کے ضمن میں علامہ کی مؤتمر مکہ کی ڈائری بھی شائع کردی ہے کہ وہ بیجا قیمتی علمی سرمایہ ہے اور ایک خط میں مؤتمر مکہ کے ذکر کے باعث ایسا کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ایک خط کے ضمن میں قرارداد مقاصد بھی آگئی ہے۔ نیز وفات کے ضمن میں آپ پر اہل ملک نے جو اظہار افسوس کیا ہے اور شعرا نے جو مرثیے اور تاریخیں لکھی ہیں ان میں سے تھوڑی سی درج کردی ہیں۔

مولانا عثمانی جہاں زبردست عالم تھے وہاں بلند پایہ انشا پرداز بھی تھے۔ ان کے خطوط کی چند خصوصیات جو ہمیں نظر آئی ہیں حسب ذیل ہیں:-

آداب والقاب جہاں تک آداب القاب کا تعلق ہے آپ لوگوں کو مختصر الفاظ مثلاً مکرمی، برادرم، السلام علیکم، سلام مسنون کے بعد لکھ کر اصل مدعا کی طرف متوجہ نظر آتے ہیں حتی الامکان مختصر خط لکھنے پر قناعت کرتے ہیں۔ مکتوب الیہ سے قطعاً بے تکلف نہیں ہوتے۔ وقار اور متانت کا دامن ہر خط میں ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دیتے۔ صرف مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے خط میں ایک جگہ ظرافت اور الفاظ کی مناسبت سے کام لیتے ہوئے جبکہ وہ مصر سے واپس ہوئے ہیں۔ اور ابھی ڈابھیل نہیں پہنچے لکھتے ہیں "چلو یوسف مصر سے تو آیا" وہ اپنا اصلی نام فضل اللہ المشہور بہ شبیر احمد عثمانی مطبوعہ پیڈ پر لکھتے ہیں۔ ان کا ایک اور نام پھول آتا ہے جو ان کے بھتیجے اور خاندان کے چھوٹے بچے لیتے ہیں۔

ادبی شان علامہ کے خطوط کی زبان نہایت شیریں، صاف، مربوط اور دلنشیں ہے، پڑھتے جائیے اور لطف لیتے جائیے۔ چونکہ وہ بلند پایہ انشا پرداز ہیں اس لئے ان کے خطوط میں فصاحت و بلاغت کا عنصر ابھرتا نظر آتا ہے۔ الفاظ ضرورت کے مطابق نپے تلے استعمال کرتے ہیں۔ ادائے مدعا میں سخت محتاط ہیں۔ ذمہ داری کا احساس خطوط میں گردن اٹھا اٹھا کر دیکھتا ہے کہ کہیں گرفت تو نہیں ہوتی یا زد تو نہیں پڑتی۔ یہی انشا کے اجزائے ترکیبی ہیں جو علامہ کے خطوط میں چمک رہے ہیں۔

الحمدللہ کہ راقم الحروف کی کوشش اور ترتیب سے یہ مکتوبات کا نادر سرمایہ ناظرین کی خدمت میں آرہا ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ ان حضرات کا تعارف بھی پیش کردیں جن کا مکتوبات میں ذکر آیا ہے اور ان کا بھی جن کو خطوط لکھے گئے ہیں۔ آخر میں اتنا اور ظاہر کردوں کہ ہمارا مقصد ان خطوط سے محض ایک زبردست شخصیت کے تبرکات کو منصۂ شہود پر لانا ہے اور بس۔ خدا کرے کہ ہماری یہ ناچیز کوشش بارگاہ خداوندی میں قبولیت کا شرف حاصل کرے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔

پروفیسر محمد انوار الحسن انور شیر کوٹی
۱۸۹-اے-۱ - پیپلز کالونی - لائل پور
۱۸ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ (مطابق ۱۰ مئی ۱۹۶۶ء)
(پانچ بجے شام بروز جمعہ)

فہرست مکتوبات عثمانیؒ و مراثی و تاریخہائے وفات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

مکتوباتِ عثمانی

پہلا خط

دیوبند کے کسی نامعلوم الاسم فاضل اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے کسی خاص شاگرد کے نام۔ یہ خط رسالہ القاسم شوال ۱۳۳۶ھ مطابق اگست ۱۹۱۸ء میں طبع ہوا ہے۔ شروع میں اُستاذی مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعارفی نوٹ ہے۔ جو حسب ذیل ہے:-

"دارالعلوم دیوبند کے ایک ذی استعداد فہیم مستفیض نے حضرت مولانا مولوی شبیر احمد صاحب ظلہ مدرس دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں دو ۲ شبہے تحقیق کی غرض سے پیش کئے تھے حضرت مولانا ممدوح نے باوجود کثرت مشاغل محققانہ جواب تحریر فرمایا چونکہ اس قسم کے شبہات علمی دنیا میں اکثر پیش آتے رہتے ہیں اور حضرت مولانا ممدوح نے جس تحقیق اور جدت سے جواب تحریر فرمایا ہے وہ مفید اور حقائق علمیہ سے معمور ہونیکے باوجود حسن بیان میں بھی اپنی نظیر آپ ہی ہے اس لئے اہلِ علم کی خدمت میں ان سوالات و جوابات دونوں کو بطور ایک نادر تحفہ کے پیش کیا جاتا ہے اُمید ہے کہ اہل علم اس کو بہت پسند فرمادیں گے ہماری دعا ہے کہ قادر مطلق مولانا کے علمی فیوض کے اس سلسلہ کو تا قیام قیامت قائم رکھکر تشنگان علم کو سیراب فرماتا رہے۔ آمین"۔ شاگرد کا خط حسب ذیل ہے۔ (اعزاز علی)

مجمع الحسنات والکمالات مخدومنا المکرم حضرت اُستاذی صاحب قبلہ دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، طالب الخیر بعافیت ہے چونکہ خاکسار خدمت عالی میں کبھی ارسال عریضہ

نہ کرسکنے کی وجہ سے سخت نادم ہے اس لئے اولاً نہایت مستندمانہ لہجہ میں اپنی سابقہ غفلت وتساہل کی معافی کی درخواست ان الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ "قلم عفو برگناہم کش"، اور بعدازیں حسب ذیل مسائل کی جانب آنجناب کی توجہ منعطف کرنا چاہتا ہے امید کہ بلحاظ شفقت استادانہ میرے خلجان وانتشار کو زائل کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔

(۱) حقیقت اور بطلان واقعی اعتبار معتبر پر مبنی نہیں ہے اور امور واقعیہ کے وجودات اور اعدام لحاظ لاحظ کے تابع نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ حیثیات اعتباریہ مبطل یا مغیر حقائق نفس الامری نہیں ہوسکتے اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جب مذاہب ائمہ اربعہ کی حقیقت پر غور کرتا ہوں جس کو ہر خاص وعام میں شہرت کا فخر حاصل ہے تو عقل نارسا اور ایک حقیقت سے قاصر ہوجاتی ہے کیونکہ ان مذاہب میں باہم بعض ایسے مسائل نظر آتے ہیں جن میں کم ازکم نسبت تضاد کی پائی جاتی ہے اور یہ مسلم الثبوت امر ہے کہ "الضدان لایجتمعان" پس ان مذاہب کو حق تسلیم کرنے پر عالم واقع میں اجتماع اضداد حالت واحدہ میں لازم آتا ہے جس کا بطلان ابدہ البدیہیات سے ہے اور یہ بھی ظاہر ہے جیسا کہ عرض کرچکا ہوں کہ حقائق واقعیہ پر حیثیات زائدہ کا کوئی فرق نہیں پڑسکتا پس ان کے حق ہونے کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔

(۲) ایک وہ شخص ہے جو دوزخ وجنت پر تو ایمان رکھتا ہے مگر جو امور قرآن شریف وکتب احادیث میں جنت کے متعلق مذکور ہیں ان کو صرف تمثیلات پر محمول کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ چونکہ دنیاوی نقطہ نظر سے وہ انتہائی انعامات تھے، اس لئے ان کو بیان کرکے اس امر کی جانب اشارہ کردیا گیا ہے کہ اہل جنت کے لئے جنت میں تمام آرام وآسائش کی چیزیں مہیا کی گئی ہیں۔ ورنہ جنت کی حقیقت نہ کسی کو معلوم ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ "لاعین رأت ولا اذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر" الغرض اس سے ثابت ہوگیا کہ "رویت" "سماعت" "خطور بالبال" خلاصہ یہ کہ کسی ذریعہ سے جنت کی حقیقت کسی پر منکشف نہ ہوسکی۔

بعینہٖ یہی خیال اس شخص کا جہنم کے متعلق بھی ہے پس یہ خیالات کہاں تک صحیح ہیں اور شرعاً اس شخص کا کیا حکم ہے۔

(۱) بنام شاگرد نامعلوم الاسم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر مکرم سلمکم اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام مسنون آنکہ۔ آپ کا عنایت نامہ پہنچا ممنون کیا۔ حق تعالیٰ شانہٗ

مجھ کو اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنی رضا کی توفیق عطا فرمائے جن مسائل کی بابت آپ نے دریافت فرمایا ہے مجھ کو حیرت ہے کہ باوجود وہاں ماشاء اللہ بہت سے اہل علم اور اہل علم کے فیض یافتہ موجود ہیں جو بفضلہ تعالیٰ اشکل سے اشکل مسائل کو مجھ سے زیادہ زور اور قوت کے ساتھ حل کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں آپ اُن سے مشافہتہً بہت جلد اور بسہولت اس قدر اطمینان حاصل کر سکتے تھے جو شاید میرے متعدد خطوط سے بھی حاصل نہ ہو سکے پھر آپ نے مجھ کو خط لکھنے کی زحمت کیوں اُٹھائی۔ حالانکہ آپ دیوبند میں رہ چکے ہیں میری حالت سے بھی بہرحال واقف ہیں کہ میری بے چارگی اور لاابالی پن حد سے زیادہ گذرا ہوا ہے اس لئے کبھی کبھی یہ خیال ہوا کہ آپ کا خط یہاں کسی عالم جید کے حوالہ کر دوں تاکہ وہ آپ کی تسکین کر دے لیکن یہ خیال کر کے کہ یہاں سے جانے کے بعد یہ آپ کی پہلی عنایت ہے، دل گوارا نہیں کرتا کہ کچھ بھی جواب نہ لکھا جائے لہٰذا جس طرح ان مسائل کو میں اب تک سمجھے ہوئے ہوں مختصراً قلمبند کر کے آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں اگر شفا ہو جائے تو حق تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے اور بصورت دیگر مناسب ہوگا کہ دوسرے علماء متبحرین سے رجوع کیا جائے۔

پہلا مسئلہ یعنی مذاہب اربعہ کی حقیقت کے متعلق جو کچھ بندہ نے اہل السنۃ والجماعت کی کتابوں کا مطالعہ کر کے اب تک منقح کیا ہے اُس کو پیش کروں گا۔ فان یك صواباً فمن اللہ سبحانہ وتعالیٰ وان یك خطاء فمنی ومن الشیطان ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم لا الہ غیرہ ولا خیر الا خیرہ

سب سے پہلے یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سوال اوّل میں غور و تنقیح کے بعد دو چیز نکلتے ہیں۔

(۱) کسی چیز کا حق یا باطل ہونا اعتبار معتبر و لحاظ لاحظ پر مبنی نہیں ہو سکتا اور حیثیات زائدہ اعتباریہ حقائق واقعیہ کے لئے مبطل یا مغیر نہیں ہو سکتی۔

(۲) مذاہب ائمہ اربعہ واقع میں سب حق ہیں حالانکہ ان مذاہب میں بہت سے ایسے مسائل ہیں جو باہم متضاد ہیں مثلاً سب سے بڑا تضاد یہ ہے کہ ایک چیز کو ایک امام واجب یا فرض قرار دیتے ہیں اور دوسرے اسی کو مکروہ تحریمی یا حرام وعلیٰ ہذا القیاس تو اضداد کا اجتماع ایک ہی چیز کے اندر اور ایک ہی وقت میں کیسے حق ہو سکتا ہے اور اگر ان میں باہم حیثیات کا فرق نکالا جائے تو وہ بحکم مقدمہ اولیٰ صحیح نہیں۔

آپ کے یہ دونوں دعوے تشریح طلب ہیں الفاظ ایسے مجمل اور ذو الوجوہ اختیار کئے گئے ہیں کہ جن سے کئی معنی کا احتمال ہوتا ہے پس جب تک ہر ایک لفظ کی کما حقہ تشریح اور محتملات عبارت میں سے بعض کی تعیین

نہ ہو جائے کچھ رائے زنی کرنا بے سُود ہے۔

دعویٰ اوّل میں اگر یہ ارادہ کیا گیا ہے کہ کسی چیز کے ساتھ مختلف اعتبارات اور حیثیات لگ جانے سے اُس چیز کی حقیقت یعنی ماہیت نفس الامر یہ بدل نہیں سکتی مثلاً زید زمین پر چل رہا ہو یا ہوا میں اڑ رہا ہو یا کھانا کھا رہا ہو یا بھوکا مر رہا ہو تحصیل علم میں مشغول ہو یا لہو ولعب میں اپنی عمر تباہ کرتا ہو ہر حالت میں اور ہر ایک حیثیت کے لگ جانے کے وقت اس کی حقیقت وُہی حیوان ناطق رہتی ہے اور زید کو کسی طرح لحاظ کرو اس کی حقیقت میں ذرا فرق نہیں آسکتا تو بلاشبہ مشائین کے مذاق کے موافق یہ دعویٰ صحیح ہے اور ہم کو اس سے انکار کرنے کی ضرورت نہیں مگر مذاہب اربعہ کی حقیقت کے مسئلہ سے یہ دعویٰ محض بے تعلق ہے کیونکہ ائمہ اربعہ مثلاً جس چیز کے وجوب و حرمت میں مختلف ہیں تو ہر مجتہد کی تصویب کرنے والے بھی یہ نہیں کہتے کہ اس چیز پر مختلف اور متضاد احکام جاری ہونے سے (جو اُن کے زعم میں بسبب اختلاف نسبت اعتبارات کے جاری ہوئے ہیں) خود اُس چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے مثلاً قے یا رُعاف[1] کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناقض وضو کہتے ہیں اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ناقض نہیں ہے تو دونوں صورتوں میں قے اور رعاف کی حقیقت اُسی طرح محفوظ رہتی ہے جس طرح کہ زید کی حقیقت حالتِ تحصیل علم اور لہو ولعب میں یا مثلاً یہ نہیں کہا جاتا کہ اُس فاتحہ کی حقیقت کچھ اور ہے جس کو امام صاحب مقتدی کے حق میں مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں اور جس کو امام شافعی ہر ایک مصلی کے حق میں فرض فرماتے ہیں اُس کی کوئی دوسری حقیقت ہے پس اگر مختلف اعتبارات و حیثیات کے طاری ہونے سے آپ کا یہ خیال ہے کہ اُس شئے کی حقیقت واقعیہ نہیں بدلتی تو میں اور بہت سے عقلاً آپ کے ہم آہنگ ہیں اور اس کا انکار آپ نے کسی سے نہ سُنا ہوگا لیکن اگر یہ مقصد آپ کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ کسی شئے کے ساتھ حیثیات زائدہ اور اعتبارات کے لگ جانے سے اس پر نفس الامر میں مختلف احکام جاری نہیں ہو سکتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ آپ نے بھی محض ایک بے سند دعویٰ کیا ہے بلکہ ایسا دعویٰ کر کے اُن سینکڑوں دلائل اور شواہد کو جھٹلا دیا جو اس دعویٰ کی ببانگ دُہل تکذیب کرتے ہیں مثلاً زید کو دیکھیے کہ وہ ایک شخص ہے اور اُس کی ایک غیر متبدل حقیقت ہے لیکن وہ اتفاق سے عمرو کا بیٹا اور خالد کا باپ اور ہندہ کی اولاد اور زینب کا شوہر ہے تو کیا ان سب نسبتوں اور اعتبارات اور حیثیات کے لگنے کے بعد جو کہ اُس کے نفس حقیقت سے یقیناً خارج ہیں ایک ہی وقت اور ایک

---

[1] ناک سے خون جاری ہونا جسے نکسیر کہتے ہیں۔ (مرتب)

ہی آن میں اُس پر ان مختلف اعتبارات و نسب میں سے ہر ایک کے مناسب احکام و حقوق جن میں بعض متضاد بھی ہیں باتفاق عقلائے دنیا عائد نہیں ہوتے کیا جس طرح اُس کو ہم اُس کے بیٹے خالد کے اعتبار سے مطاع اور واجب التعظیم کہتے ہیں اسی طرح اُس کے باپ عمرو کے اعتبار سے بھی سمجھیں یا جس طور پر کہ اُس کو اپنی زوجہ زینب پر تصرف کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اسی طور سے ہندہ کے مقابلہ میں بھی (جو اُس کی ماں ہے) مطلق العنان چھوڑ دیا جا سکتا ہے حاشا ثم حاشا حالانکہ ہر ایک حالت میں اُس کی حقیقت اور ماہیت جُوں کی توں باقی رہی البتہ ابوۃ و بنوۃ اور زوجیت وغیرہ نسبتیں لگ جانے سے اُس کے حق میں مختلف احکام تجویز ہو گئے اُس کی مثالیں ایک دو نہیں دس بیس نہیں پچاس سو نہیں لاتعد و لاتحصیٰ ہیں ضلع کا مجسٹریٹ باشندگان ضلع پر حاکم مگر گورنمنٹ آف انڈیا یا وائسرائے یا لفٹنٹ گورنر کا محکوم ہے تو کیا جو احکام و معاملات اُس کے لئے باعتبار رعایا کے تسلیم کئے جائیں گے وہی باعتبار احکام بالادست کے بھی ماننے پڑیں گے ایک ہی مرغن غذا ایک تندرست آدمی کھا کر زیادہ قوی اور توانا ہوتا ہے لیکن ایک ضعیف المعدہ مریض کو اُس کا استعمال ہلاکت سے قریب تر کر دیتا ہے ایک ہی نسخہ ایک طبیب کا تجویز کیا ہوا ایک ہی وقت میں ایک مریض کے حق میں اکسیر شفا ثابت ہوتا ہے مگر دوسرے مریض کے لئے جس کا مرض اس طرح کا نہ ہو سم قاتل سے کم نہیں رہتا ان سب صورتوں میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں ایک ہی شیشی میں عطار کی دوکان یا سرکاری ہسپتال میں رکھی ہوئی ہے اُس کو ہم کسی طرح مفید بھی مضر بھی مُنجی[1] اور مہلک بھی واجب الاستعمال بھی اور ممنوع الاستعمال بھی کہہ سکتے ہیں اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہوگا کہ یہ سب احکام و اوصاف واقعیہ اس دوا کے لئے مختلف استعمال کرنے والوں کی نسبت سے ثابت ہوئے ہیں جس کی واقعیت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا تو میں پوچھتا ہوں کہ اب آپ کا وہ قاعدہ کہاں درست رہا کہ مختلف حیثیات زائدہ کے لگنے سے کسی چیز کے واقعی احکام نہیں بدل سکتے کیونکہ یہاں ماہیت اور حقیقت تو اُس دوا کی غیر متغیر ہے جو کچھ بھی اختلاف آیا ہے بہرحال باہر سے آیا ہے۔ بیش برین نیست کہ آپ یہ کہیں گے کہ مذاہب اربعہ پر اس مثال کا انطباق کی فرقہ مصوبہ (جو کل مجتہد مُصیب کا قائل ہے) کے نزدیک کیا صورت ہوگی اس کے متعلق بالاجمال یوں کہا جا سکتا ہے کہ شارع کی طرف سے کسی مجتہد کو اجتہاد کی اور غیر مجتہد کو تقلید کی اجازت ہونے اور اپنے اجتہاد یا امام کے مسلک کو واجب الاتباع ٹھیرانے کے یہ معنے ہیں کہ اُن کے مذاق کے موافق حق تعالیٰ شانہ

---

[1] نجات دینے والی۔

کے علم ازلی میں جس فعل کا کرنا تمام بندوں کے حق میں مفید تھا اس نے تمام مجتہدین امت محمدیہ کو اُن کے جواز یا وجوب پر اتفاق کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی اور جس کا چھوڑنا اصلح تھا اس کے واسطے ایسے راستے نکالے اور سامان مہیا فرمادیئے کہ تمام مجتہدین کا اجماع اس کی حرمت یا کراہت پر ہوگیا اور جس فعل کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے علم ازلی میں بعض بندوں کے حق میں نافع اور بعض کے حق میں مضر سمجھا اس میں ائمہ ہدیٰ کی رائیں مختلف کردیں ادھر عام مومنین کے قلوب میں خالص اپنی رحمت سے جو مومنین پر مبذول ہوتی ہے ایسے مختلف دائمی اسباب پیدا فرمادیئے جو اُن میں سے ہر ایک کو خواہی نخواہی ایک ایسے امام کی تقلید کی طرف لے جائیں کہ جس کا مسلک اس خاص شخص کے حق میں اصلح تھا۔ اب یہ شخص عملاً ان دواؤں کا استعمال کرے یا نہ کرے جو اس کے طبیب نے اُس کو بتلائی ہیں لیکن حق تعالیٰ نے اپنی حجت اس پر قائم کردی لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔

یاد رکھئے میرا اس وقت یہ دعویٰ نہیں کہ فرقہ مصوبہ کی یہ تقریر صحیح ہے یا غلط ہے محض اس قدر گذارش ہے کہ جس طرح ایک ہی دوا مختلف مریضوں اور مختلف مواسم اور مختلف احوال میں مریض کے اعتبار سے نافع بھی اور مضر بھی مہلک بھی اور زندگی بخش بھی ہوسکتی ہے۔ اسی طرح فرقہ مصوبہ کے خیال میں ایک چیز اور ایک ہی کام بعض کے واسطے جائز اور بعض کے حق میں حرام بلکہ ایک ہی شخص کے لئے مختلف زمانوں کے اعتبار سے نفس الامر میں ایسا ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مقلد کو ہر وقت میں جو مسلک اس کے مناسب ہوتا ہے اُسی کی طرف مائل ہونے کی اپنے فضل اور رحمت سے توفیق عطا فرماتا ہے تحریر الاصول اور اُس کی شرح میں اس فرقہ کے ایک طائفہ کی رائے کا جو مختصر تذکرہ کیا ہے اُس کی تفصیل یہ ہے جو بندہ نے گذارش کی۔ من شاء فلیطالعہ مع التدبر البالغ۔

الغرض مصوبہ کے زعم کو تسلیم کرکے اجتماع اضداد فی نفس الامر کا خیال محض غلط ہے اور ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص یہ سن کر کہ کشتۂ فولاد نہایت مقوی ہے اور یہ کہ نہایت مہلک بھی ہے اجتماع ضدین کا خیال باندھنے لگے اب میں آپ کے سوال اول کے دوسرے جز کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو کہ اصل مقصود ہے یعنی یہ کہ مسائل مختلف فیہا میں حق عند اللہ متعدد ہوتا ہے یا واحد اور ہر ایک مجتہد مصیب ہے یا کوئی ایک غیر معین مصیب ہے اور باقی مخطی ہیں۔

تفصیل اس کی جیسا کہ علماء محققین نے بیان کی ہے یہ ہے کہ عقلیات یعنی جن مسائل کا ماننا سماع پر موقوف نہیں مثلاً عالم کا حدوث[1] اور صانع عالم کا وجود اور اُس کی تمام صفات کمالیہ اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت ان میں اختلاف کے وقت بالاجماع مصیب کوئی ایک ہے اور وہ وہی ہے جس کا اجتہاد واقع کے مطابق ہوا اور اس نے

---

[1] حادث کے معنی فنا ہونے والا۔ جو پہلے نہ تھا بعد میں نیست سے ہست ہوا۔ (مرتب)

کوشش کر کے حق کو پا لیا ہو کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ نفس الامر میں مثلاً عالم حادث بھی رہے اور قدیم[1] بھی یا خدائے تعالیٰ موجود بھی ہو اور معدوم بھی تو لامحالہ فریقین میں سے صرف ایک ہی فریق حق پر ہو سکتا ہے اور جو خطا پر ہے جبکہ اُس کی خصلت اسلام کی یا اُس کے بعض اجزاء ضروریہ کی نفی ہوتی ہو تو وہ بالاتفاق کافر ہے اور اگر خطا مسائل اعتقادیہ میں ہے کہ جس کے انکار سے ملت اسلام کے اُصول اولیہ کی نفی نہیں ہوتی۔ مثلاً کوئی شخص قرآن مجید کو مخلوق کہے یا اُس کا معتقد ہو کہ شرور اور قبائح حق تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر پیدا ہوتے ہیں تو ایسا مجتہد کو اپنی خطا سے اگرچہ مذہب مختار کے موافق صریح کافر نہ کہا جاوے لیکن مبتدع[2] اور آثم ضرور ہے۔ یہ تو مسائل کلامیہ کا حال تھا۔ رہ گئے مسائل فقہیہ تو اُن میں سے جو شخص اپنے اجتہاد کے زور سے بدیہیات فقہ کا انکار کرنے لگے مثلاً نماز روزہ حج یا زکوٰۃ کی فرضیت یا زنا سرقہ اور شراب کی حرمت کا تو نہ فقط یہ کہ وہ بالاتفاق مخطی[4] ہے بلکہ یہ کافر اور آثم ہے ہاں اگر وہ مسائل باوجود قطعی ہونے کے بدیہیات شرع میں سے نہیں ہیں جیسا کہ مثلاً اجماع اور خبر واحد اور قیاس شرعی کا حجت ہونا تو اس قسم کی باتوں کا نہ ماننے والا اگرچہ بلاشبہ مخطی اور مبتدع اور گنہگار ہوتا ہے مگر کفر کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جا سکتی۔

باقی ایسے مسائل فرعیہ جن میں اجتہاد کا مساغ[5] ہے اور کوئی نص قاطع یا اجماع اس میں موجود نہ ہو تو فقط اُس قسم میں نزاع ہے معتزلہ اور بعض اشاعرہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ وہ ایسے مسائل میں اختلاف مجتہدین کے وقت تعدد حق کے قائل ہیں جن میں سے ایک جماعت کے خیالات کا خلاصہ جزو اول میں پیش کیا جا چکا ہے اور تفصیل ان کی اقوال و دلائل کی کتب اُصول و کلام میں مذکور ہیں حتیٰ کہ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تعدد حق کا بیان کرتے ہوئے مسائل فرعیہ میں مجتہد فیہا کی قید بھی باقی نہیں چھوڑی جو خود قائلین تعدد حق کے نزدیک بھی ضروری تھی بہرحال عامۂ معتزلہ اور چند اہل السنۃ والجماعت کی رائے یہ بتلائی جاتی ہے کہ وہ مسائل فقہیہ غیر منصوصہ میں تعدد حق کے قائل ہیں لیکن جمہور اہل سنت الجماعت کا جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں مذہب مختار یہی ہے کہ تمام مسائل منصوصہ اصلیہ اور فرعیہ کی طرح ان مسائل میں بھی عند اللہ کوئی ایک حق ہے کہ جس کی تلاش میں مجتہدین اپنی اپنی قوت اجتہاد صرف کرتے ہیں پس جو مجتہد اپنی سعی بلیغ سے اس حکم مطلوب پر پہنچ گیا وہ تو بالبداہت کامیاب ہو گیا اور جس کی نظر سے باوجود استفراغ وسع اور امکانی جد و جہد کے حکم مطلوب مستور رہا تو گو کہ سکتے ہیں کہ اس کو باعتبار اصل مقصود کے کامیابی نہ ہوئی لیکن اس اعتبار سے اسکی کوشش بھی رائگاں نہیں گئی کہ حق تعالیٰ کمال فضل و احسان سے بسبب مسائل اجتہادیہ

---

[1] جسے فنا نہ ہو [2] بدعتی [3] گنہگار۔ [4] خطا کار [5] گنجائش۔

کے غایت درجہ دقیق الماخذ ہونے کے اس کو معذور قرار دے کر اس کی محنت اور سعی و جہد کی قدر کرتا ہے دو بجائے اس کے کہ ایک غیر معتنابہ رائے کے موافق اپنی اس خطا کی وجہ سے وہ آثم ٹھیرتا اُلٹا اجر اور ثواب کا مستحق ہوتا ہے. کما فی الصحیحین مرفوعاً۔

اذا حکم الحاکم فاجتہد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتہد فاخطأ فلہ اجر واحد

حاکم جب اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ دے اور وہ فیصلہ واقع میں بھی درست ہو تو اُس کے واسطے دوہرا ثواب ہے اور اگر اس میں خطا ہوئی تو اکہرا ثواب تب بھی ہے ۵

اس کو یوں سمجھیے کہ مثلاً فلسفہ کے ایک استاد نے اپنے تئیں ذہین طالب علموں کی شوق و محنت و توجہ و فطانت کا امتحان کرنا چاہا اور اعلان کر دیا کہ تم میں سے جو شخص طبعیات شفار کے فلاں مقام کو خوب اچھی طرح سمجھ کر ہمارے رو برو ٹھیک ٹھیک بیان کر دے گا اُس کو ہم بیس روپیہ کی گھڑی انعام میں دینگے اور فرض کیجیے کہ اُن کو مطالعہ کرنے کے لئے ایک شب کی مہلت دی گئی اب ایک طالبعلم نے تو اُن میں سے محض اپنی ذکاوت پر اعتماد کر کے اور شفاء کی عبارت کو ایک آدھ مرتبہ سرسری نظر سے گذرانکر کتاب کو بالائے طاق رکھ دیا اور رات بھر خوب بیفکری اور آرام کی نیند سویا مگر صبح کو جب اُس نے اُستاد کے سامنے کتاب کھولی تو نہ عبارت کتاب کی صحیح پڑھی اور نہ مطلب صاف بیان کیا بلکہ جو کچھ تقریر تھی وہ محض غلط تھی تو ظاہر ہے کہ ایسے طالب علم کے حق میں اُسکے سوا کیا ہونا ہے کہ بجائے انعام کے مناسب سزا تجویز کی جائے اور نفریں اور ملامت کی ہر چہار طرف سے اُس پر بوچھاڑ ہو اور شفار کی جماعت سے اسے خارج کر دیا جائے باقی جو طالبعلم اس کے سوا تھے ان کو اُستاد نے دیکھا کہ وہ باوجود اول درجہ کی ذہانت و فطانت کے محض اس خوف سے کہ کہیں کتاب کا مطلب سمجھنے میں کوئی سہو اور غلطی نہ ہو جائے جس سے اُستاد ناراض ہو جائے اور ہمسروں کو شماتت کا موقع ملے رات بھر چراغ کے سامنے آنکھیں تاپتے رہے بار بار نیند کا تقاضا ہوتا تھا مگر وہ دونوں ہمت کے دھنی شفار اور اسکے حواشی اور تعلیقات سامنے رکھے ہوئے اُس مقام کی مختلف تقریروں کا موازنہ کرتے رہے اور شیخ رئیس کا صحیح منشا معلوم کرنے کی فکر میں رات بھر مستغرق رہے یہ سب نظارہ اُستاد اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں اُن کی محنت اور کاوش اور اَن تھک کوشش کی داد دے رہا تھا لیکن افسوس سوءِ اتفاق سے ایک طالبعلم اُن میں کا صبح کو جب استاد کے سامنے امتحان کے لئے حاضر ہوا تو نتیجہ خلاف اُمید نکلا اور با افسوس معلوم ہوا کہ تمام شب کی دواودوش میں بھی جس کا مشاہدہ خود اُستاد کر رہا تھا کتاب کے عمیق اور غامض مطلب تک رسائی نہ ہو سکی ہاں اس کے دُوسرے حریف نے کہ وُہ بھی ذہانت اور محنت میں اُس سے پیچھے نہ تھا اُس مقام کی جو تقریر کی تو وہ ایسی کی کہ

گویا خود ابن سینا قبر میں سے اٹھ کر اپنی مراد ظاہر کرنے کے لئے آگیا اور اُس نے کتاب کے ایک ایک لفظ کی گرہ کھول دی اس وقت اُستاد کو اس پر پیار آیا اور اس نے اس کی پیشانی چوم لی اور خوشنما گھڑی بیس روپیہ کی جیب سے نکال کر اس کے حوالہ کی لیکن اس دوسرے ذہین طالب علم کی محنت کو بھی جسے وہ رات بھر دیکھ کر رحم کھاتا رہا تھا اُس نے کالعدم نہیں سمجھا غایت شفقت سے اُس کی تسکین کی اور شہسواروں کے میدان جنگ میں گرنے کی مثالیں پیش کر کے اس کو مطمئن کیا تاکہ وہ آئندہ اپنی فہم اور کوشش کی طرف سے بے پروا اور بدگمان نہ ہو جائے بلکہ دوسرے امتحانات میں اپنے معاصر سے سبقت لے جانیکی پیش از بیش سعی کرے اُس کو بھی ایک گھڑی مگر دس روپیہ کی اس کی محنت کے صلہ کے طور پر دی جیسا کہ آپنے سُنا ہوگا کہ غازی عثمان پاشا شیر پلونا جب دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ گئے تو خود دشمن کے یہاں اُن کی جانبازانہ بسالتوں کا کیسا کچھ احترام ہوا اور سلطان المعظم نے اُن کا شاندار استقبال ایک فاتح جنرل کی حیثیت میں کیا اور دُنیا کے عقلمند چلا اٹھے کہ عثمان کی شکست ایک ایسی شکست ہے جس پر ہزاروں فاتح قربان کئے جا سکتے ہیں پس ٹھیک اسی طور پر تم مجتہدین کی حالت کو سمجھو اگر بالفرض مجتہد کسی مسئلہ کا حکم صحیح دریافت کرنے میں اس پہلے طالب علم کی طرح بے پروائی برتے اور قوتِ اجتہاد کو پوری پوری ہمت اور محنت کے ساتھ کام میں نہ لائے تو حسب تصریح علمائے محققین یہی نہیں کہ وہ محض مخطی ہوگا بلکہ گنہگار اور آثم ٹھہرے گا ہاں وہ دونوں مجتہد جنہوں نے منصب اجتہاد پر فائز ہو کر مساوی کوشش اور محنت استخراج احکام میں کی مگر تقدیر سے ایک تو حق تعالیٰ کی صحیح منشا کے معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا اور دوسرا نہ ہوا تو حق تعالیٰ اپنی غایت رافت اور رحمت سے ان دونوں کو علی قدر مراتب اجر و ثواب مرحمت فرمانے میں تنگی نہ کریں گے اگرچہ بعض پر فضیلت ہو جیسا کہ انبیائے مرسلین اور خلفائے راشدین میں بھی بعض بعض سے افضل ہیں وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

شیخ تقی الدین ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ مجتہدین کے واسطے ہر ایک واقعہ میں اللہ تعالیٰ کے دو حکم ہیں ایک یہ کہ اس واقعہ کے متعلق خدا کا جو کچھ حکم واقع میں ہے جس کی طرف رہنمائی کرنے والے لطیف اشارات وعلامات بھی اُس نے اپنے کلام میں اور اپنے رسول؂ کے کلام میں نصب فرما دئے ہیں اس کو معلوم کریں دوسرا یہ کہ ہر مجتہد بعد استعمال پوری قوت اجتہاد اور انتہائی کوشش صرف کر لینے کے جس نتیجہ پر پہنچے وہی اس کے حق میں واجب الاتباع ہے پس وہ مجتہد جو ایک مسئلہ اجتہادی میں پوری ہمت صرف کر لینے کے بعد بھی حق تعالیٰ شانہ کے صحیح منشا اور مطلوب پر مطلع نہ ہو سکا اگرچہ اس حکم اول کے فوت ہونے کے اعتبار سے جس کا معلوم کرنا ہر مجتہد کے ذمہ لازم تھا مخطی کہا جا سکتا ہے لیکن دوسرے

حکم کے لحاظ سے ہر ایک مجتہد کو مصیب بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ جو کچھ اُس نے اپنے علم اور اجتہاد سے معلوم کر لیا اُس کے حق میں اب وہی واجب الاتباع قرار دیا گیا ہے تو جن لوگوں نے "کل مجتہد مصیب" کی آواز بلند کی اگر اُن کی غرض بھی یہ جواب ہم نے بیان کی تو بلاشبہ اُس میں تمام اہل سنّت والجماعت اُن کے ساتھ متفق ہیں اور یہی وجہ تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں کوئی صحابی دوسرے پر مسائل اجتہادیہ میں اختلاف رکھنے کی وجہ سے ملامت یا طعن و تشنیع نہیں کرتا تھا اور تضلیل[1] یا تبدیع[2] تو کجا ایک کی طرف سے دوسرے کی تاثیم[3] بھی نہ ہوتی تھی بلکہ ایسے اختلافات کو توسعہ اور رحمت جان کر ایک دوسرے کے ساتھ نہایت رواداری کا برتاؤ کرتے تھے خود احناف کی کتابوں میں بجز ایسی صورتوں کے جس میں فساد صلوٰۃ کا مظنہ غالب ہو اقتدا حنفی کی شافعی کے پیچھے اور شافعی کی حنفی کے پیچھے جائز رکھی گئی ہے اور بعض بعض مسائل میں جہاں فقہائے زمانہ کو شرعاً رخصت اور تیسیر[4] کی ضرورت محسوس ہوئی ہے دوسرے ائمہ کی آراء کو معمول بہا بنایا گیا ہے کیونکہ کسی خاص امام کی تقلید کے لازمی معنے اگرچہ اس امام کے مذہب کو صواب اور راجح کہنا ہے لیکن پھر بھی احتمال خطا کا اعتراف اور دوسرے امام کے اجتہاد کے متعلق احتمال ثواب کی تصریح موجود ہے اگر خاص خاص شرعی مصالح جن کا ادراک فقہا کر سکتے ہیں اس طرف داعی ہوں کہ بعض مسائل میں دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فتوٰی دیا جائے تو آخر پھر اس احتمال خطا و ثواب سے فائدہ اُٹھانے کا اور کون سا موقع ہے اس لئے یہ خوب محفوظ رکھنا چاہئے کہ باوجودیکہ حق عند اللہ کے اعتبار سے ہر ایک مسئلہ میں کوئی ایک ہی مجتہد مصیب ہوتا ہے لیکن عملاً سب حق پر ہیں یعنی حق تعالیٰ شانہ نے یہ وسعت دی ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد کے اُوپر عمل کرے اگرچہ اُس کا اجتہاد باوجود پوری کوشش کے ٹھیک نشانہ پر نہ بیٹھا ہو تمثیلاً یوں سمجھو کہ کعبہ نفس الامر میں ایک معین مکان کا نام ہے اور اسی کا استقبال شریعت نے نماز میں ضروری قرار دیا ہے فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لیکن جس وقت سمت کعبہ ٹھیک معلوم نہ ہو تو بعد تحری[5] کے جو سمت معین ہو اسی کا استقبال قبول صلوٰۃ کے لئے کافی سمجھا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہماری تحری جس طرف ہو ضروری نہیں کہ نفس الامر میں خانہ کعبہ بھی اُسی طرف منتقل ہو جائے پس یہ خدا کی رحمت اور انعام ہے کہ اگرچہ واقع میں مستقبل قبلہ وہی شخص ہے جس کا رُخ ٹھیک کعبہ کی طرف ہو مگر تاہم دوسری طرف مُنہ کرنے والوں کو بھی توسعاً اور حکماً مستقبل کعبہ تسلیم کر لیا گیا ہے تو باعتبار کعبہ نفس الامری اور حکم اولی کے تو فقط ایک ہی شخص مصیب ہے اور مخطی لیکن باعتبار قبول صلوٰۃ اور امتثال امر ثانی کے سب مصیب ہیں یہی مطلب ہے حدیث اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم کا اگر وہ صحیح طور پر ثابت ہو جائے اور نیز حضرت الشیخ الاجل محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا جو سبیل الرشاد صفحہ ۳۲ میں ہے

---

[1] گمراہ بنانا [2] بدعتی کہنا [3] گنہگار ٹھہرانا [4] آسان بنانا [5] دل سے کسی پختہ فیصلے پر پہنچنا۔

پس ہرچند کہ عنداللہ محل اختلاف میں حق واحد ہوتا ہے مگر عمل میں سب حق ہوتے ہیں اور یہی محمل ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اس اشارہ "کل مجتہد مصیب والحق عنداللہ واحد" اور امام ابویوسفؒ کے اس کلام کا "کل مجتہد مصیب وان کان الحق فی واحد فمن اصابہ فقد اصاب الحق ومن اخطأہ فقد اخطأہ" التقریر والتحبیر صفحہ ۳۰۸ جلد ۳ مصری۔

حضرت امام صاحبؒ و امام ابویوسفؒ کی ان نصوص کو ہمیشہ یاد رکھئے جن سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ اور دیگر ائمہ اہل سنت سے جو بعض شاذ اقوال ہر مجتہد کے تصویب کی نسبت ان کے مشہور و معروف مذہب المجتہد یخطی و یصیب کے خلاف منقول ہیں وہ فی الحقیقت ان کے اصل مذہب کے خلاف نہیں ہیں تو تعجب ہے کہ امام عبدالوہاب شعرانی نے بھی میزان کبریٰ میں بیشتر اسی قسم کے اقوال کی سطح سے مدد لی ہے اس جگہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ چند نقول مستند کتابوں کی آپ کے سامنے پیش کروں جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ اصل مذہب جمہور اہل سنت و الجماعت اور ائمہ اربعہ کا یہی ہے کہ اجتہادیات میں حق عنداللہ واحد ہے اور اسی بنا پر ہر مجتہد مصیب بھی ہو سکتا ہے اور مخطی بھی چنانچہ تحریر الاصول اور اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

والمختار ان حکم الواقعۃ المجتہد فیہا حکم معین اوجب طلبہ فمن اصابہ فھو المصیب ومن لا یصیب فھو المخطی ھذا عن الائمۃ الاربعۃ ابی حنیفۃ ومالک والشافعی واحمد وذکر السبکی ان ھذا ھو الصحیح عندھم بل نقل الکرخی عن اصحابنا جمیعا ولم یذکر القرافی عن مالک غیرہ وذکر السبکی انہ الذی حررہ اصحاب الشافعی عنہ وقال ابن السمعانی ومن قال عنہ غیرہ فقد اخطأ صفحہ ۳۰۶ جلد ۳۔	مذہب مختار یہ ہے کہ ہر واقعہ مجتہد فیہا میں ایک حکم معین ہوتا ہے جس کی تلاش خدا کی طرف سے لازم کی گئی ہے پس جس مجتہد نے اس حکم کو پا لیا وہ مصیب ہے اور جو نہ پا سکا وہ مخطی ہے چنانچہ یہی خیال چاروں اماموں (ابوحنیفہ، مالک شافعی، احمد رضی اللہ عنہم) کا ہے اور سبکی نے لکھا ہے کہ یہی رائے ائمہ اربعہ کے نزدیک صحیح ہے بلکہ کرخی نے تو ہمارے تمام اصحاب (حنفیہ) سے یہی خیال نقل کیا ہے اور قرافی نے اس کے سوا امام مالک سے کوئی قول نقل نہیں کیا اور سبکی نے ذکر کیا ہے کہ یہی وہ قول ہے جس کو امام شافعی کے اصحاب نے امام شافعیؒ سے منقح کر کے لکھا ہے اور ابن السمعانی نے فرمایا کہ جس کسی نے امام شافعی سے اس کے سوا دوسرا قول نقل کیا اس نے خطا کی

شیخ شمس الدین ابن القیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں :-

وقد صرح الائمة الاربعة بان الحق فی واحد من الاقوال المختلفة ولیست کلها صوابا ۱۲ صفحہ ۳۱ جلد ۳

اور ائمہ اربعہ نے تصریح کی ہے کہ اقوال مختلفہ میں سے ایک ہی قول حق ہوتا ہے یہ نہیں کہ سب کے سب قول درست ہوں۔

حافظ ابن تیمیہ فتاوٰی میں لکھتے ہیں :-

(المقام الاول) هل لله فی کل حادثة تنزل حکم فی نفس الامر بمنزلة مالله قبلة معینة هی الکعبة وهی مطلوب المجتهدین عند الاشتباه فالذی علیه السلف وجمهور الفقهاء واکثر المتکلمین واکثیرمنهم ان الله فی کل حادثة حکما معینا قد سمیناه عفوا۔ لکن اکثر اصحاب ابی حنیفة وبعض المعتزلة یسمون هذا الاشباه ولا یسمونه حکما وهم یقولون ما حکم الله به لکن لو حکم لما حکم الا به فهو عندهم فی نفس الامر حکم بالقوة وحدث بعد المائة الثالثة فرقة من اهل الکلام زعموا ان لیس عند الله حق معین هو مطلوب المستدلین الا فیما فیه دلیل قطعی یتمکن المجتهد فی معرفته فاما ما فیه دلیل قطعی لا یتمکن من معرفته اولیس فیه الا ادلة

پہلی بحث یہ ہے کہ کیا ہر ایک حادثہ میں جو پیش آئے خدا کی طرف سے کوئی ایک حکم معین ایسا ہوتا ہے جیسا کہ حق تعالٰی نے خانہ کعبہ کو ایک معین قبلہ بنا دیا ہے جس کو اشتباہ کیوقت مجتہدین معلوم کرنا چاہتے ہیں تو سلف صالحین اور جمہور فقہا اور اکثر متکلمین یا یوں کہو کہ بہت سے متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ حادثہ میں خدا کا حکم معین ہے جس کا نام ہم نے عفو رکھا ہے اور اکثر حنفیہ اور بعض معتزلہ اسکا شبہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اسکو وہ حکم نہیں کہتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ گو خداوند تعالٰی نے اُس حادثہ میں صاف حکم نہیں فرمایا لیکن اگر وہ حکم دیتے تو اس کے سوا حکم نہ دیتے تو ان لوگوں کے نزدیک نفس الامر میں حکم معین ہے مگر بالقوۃ پھر تیسری صدی کے بعد ایک جماعت متکلمین کی ایسی پیدا ہوئی جس کا یہ خیال ہے کہ بجز اُن مسائل کے جنکے واسطے کوئی ایسی دلیل قطعی پہلے سے موجود ہو جس کی معرفت پر مجتہد پوری طرح قادر ہے باقی تمام مسائل میں اللہ تعالٰی کی جانب سے کوئی حکم معین نہیں تو جن مسائل میں کوئی دلیل قطعی پہلے سے موجود تھی مگر مجتہد اُسکی معرفت قادر نہ تھا یا سرے سے بجز ادلہ ظنیہ کے کوئی دلیل قطعی موجود ہی نہیں تھی تو ایسی صورتیں جس مجتہد نے جو رائے اپنے اجتہاد سے

ظنیة فحکم اللہ علی کل مجتهد ماظنه وترتب الحکم علی الظن کترتب اللذة علی الشهوة فکما ان کل عبد یلتذ بدرك مایشتهیه وتختلف اللذات باختلاف الشهوات کذلك کل مجتهد حکمه ماظنه وتختلف الاحکام ظاهرا وباطنا باختلاف الظنون وزعموا انه لیس علی الظنون ادلة کادلة العلوم وانما تختلف باختلاف احوال الناس وعاداتهم وطباعهم وهذا قول خبیث یکاد فساده یعلم بالاضطرار عقلا وشرعا وقوله صلی اللہ علیه وسلم فلا تنزلهم علی حکم اللہ فانك لاتدری ماحکم اللہ فیهم وقوله لسعد لقد حکمت فیهم بحکم اللہ من فوق سبعة ارقعة وقول سلیمان اللهم انی اسئلك حکما یوافق حکمك کله یدل علی فساد هذا القول مع کثرة الادلة السمعیة والعقلیه علی فساده۔ صفحہ ۱۲۲ جلد ۳۔

قائم کی بس خدا کے نزدیک بھی مسئلہ کا حکم وہی ہے اور اس تقدیر پر مجتہد کی رائے پر حکم کا ترتب ایسا ہی ہوگا جیسا کہ لذۃ کا ترتب شہوۃ پر ہوتا ہے تو جیسا کہ ہر آدمی کی جو خواہش ہو اُسی کے حاصل ہونے سے اسکو لذت حاصل ہوتی ہے اور لوگوں کی خواہشات کے اختلاف سے لذات بھی مختلف ہوتی ہیں اسی طرح ان لوگوں کے نزدیک کسی مجتہد نے جو خیال کسی مسئلہ میں قائم کر لیا خدا کا حکم بھی اُسکے لئے وہی ہے اور مجتہدین کے خیالات کے اختلاف سے احکام خداوندی بھی ظاہراً و باطناً مختلف ہوں گے اور ان لوگوں کا گمان یہ ہے کہ مسائل ظنیہ میں دلائل کا حال وہ نہیں جو مسائل یقینیہ میں ہوتا ہے اور ظنیات لوگوں کے حالات و عادات اور طبائع کے اختلاف سے مختلف ہوتے رہتے ہیں (حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں) کہ اس جماعت کا یہ خیال ایک گندہ خیال ہے جس کا فساد اور بطلان ازروئے عقل بھی اور ازراہ شریعت بھی قریب قریب بیساختہ طور پر معلوم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اُنکو اللہ کے حکم پر مت اتارو کیونکہ تمکو کیا معلوم ہے کہ اللہ کا حکم اُنکے بارہ میں کیا ہے اور نیز آپکا وہ ارشاد جو حضرت سعدؓ کو فرمایا کہ بلا شبہ تُو نے اُنکے بارہ میں وہ فیصلہ کیا جو حق تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اُوپر سے کیا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ سوال کہ اے اللہ میں تیرے سے ایسے حکم کا خواستگار ہوں جو تیرے حکم کے موافق ہو یہ سب باتیں بہت سی ادلہ عقلیہ اور سمعیہ کی معیت میں اس خیال کے بطلان کی طرف رہنمائی کرتی ہیں

شیخ محی الدین نووی لکھتے ہیں :-

وقد اختلف العلماء فی ان کل مجتهد مصیب ام المصیب واحد وهو من

اس میں علما کا اختلاف ہے کہ آیا (مسائل مختلف فیہا میں) ہر ایک مجتہد مصیب ہے یا فقط ایک اور وہ وہی

وافق الحكم الذی عند اللہ تعالیٰ والاٰخر مخطی لا اثم علیہ لمعذرتہ۔ والاصح عند الشافعی واصحابہ ان المصیب واحد (صفحہ ۱۶۹ جلد ۴)۔

جسکی رائے اُس حکم کے موافق پڑ جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہلے سے متعین ہو۔ اس صورت میں دوسرا مخطی ہوگا لیکن گنہگار نہ ہوگا کیونکہ وہ معذور تھا اور امام شافعی اور انکے پیروؤں کا صحیح ترین مسلک یہی ہے کہ مصیب کوئی ایک ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر "انما انا بشر وانہ یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض" الحدیث کے تحت میں لکھتے ہیں:۔

وفیہ ان المجتہد قد یخطی فیرد بہ علی من زعم ان کل مجتہد مصیب وفیہ ان المجتہد اذا اخطأ لا یلحقہ اثم بل یوجر کما سیأتی۔ (فتح الباری صفحہ ۱۵۲ جلد ۱۳)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مجتہد سے کبھی کبھی خطا بھی ہوتی ہے۔ تو یہ حدیث صحیح ان لوگوں کے رد میں پیش کی جائے گی جو کہتے ہیں کہ ہر ایک مجتہد مصیب ہی ہوتا ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجتہد اگر خطا بھی کرتا ہے تب بھی گنہگار نہیں ہوتا بلکہ ماجور ہوتا ہے جیسا کہ اس کا بیان آگے آتا ہے۔

اور باب ما یذکر من ذم الرای میں تحریر فرماتے ہیں:۔

والی ھذا یومی قول الشافعی فیما اخرجہ البیہقی بسند صحیح الی احمد بن حنبل سمعت الشافعی یقول القیاس عند الضرورۃ ومع ذلك فلیس العامل برأیہ علی ثقۃ من اللہ وقع علی المراد من الحکم فی نفس الامر وانما علیہ بذل الوسع فی الاجتہاد لیوجر ولو اخطاء وباللہ التوفیق۔ (فتح الباری صفحہ ۲۴۵ جلد ۱۳)

اور اسی کی طرف اُس قول میں اشارہ موجود ہے جو بیہقی نے بسند صحیح بحوالہ امام احمدؒ بن حنبل نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے سُنا کہ قیاس ضرورۃ کے وقت جائز ہے مگر ساتھ ہی قیاس اور رائے پر عمل کرنے والے کو یہ وثوق نہیں ہو سکتا کہ اس کی رائے ٹھیک اُس حکم پر جا پہنچی ہو جس کا فی الواقع حق تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے بس اس کا کام تو اتنا ہی ہے کہ اجتہاد میں اپنی پوری طاقت صرف کرکے ثواب حاصل کرے خواہ اس اجتہاد میں وہ مخطی کیوں نہ ہو۔

پھر باب اجر الحاکم اذا اجتہد فاصاب او اخطا میں اذا حکم الحاکم فاجتہد ثم اصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتہد ثم اخطأ فلہ اجر کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ای ظن ان الحق فی جہۃ فصادف ان الذی فی نفس الامر بخلاف ذلک فالاول لہ اجران اجر الاجتہاد واجر الاصابۃ والاخر لہ اجر الاجتہاد نقط وقد تقدمت الاشارۃ الی وقوع الخطأ فی الاجتہاد فی حدیث ام سلمۃ انکم تختصمون الیّ ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض ۱۲ فتح الباری صفحہ ۳۶۸ جلد ۱۳۔

یعنی مجتہد نے خیال کیا کہ حق اس طرف ہے۔ اور اتفاق ایسا ہوا کہ نفس الامر میں حق اُس کے جانب مخالف میں تھا تو پہلے مجتہد کے (جس پر حق واضح ہو گیا) دو اجر ہیں۔ ایک اجتہاد (کوشش) کا ایک اصابۃ (یعنی حق کو پا لینے کا) اور دوسرے مجتہد کو فقط اجتہاد کا ثواب ملے گا۔ باقی یہ کہ اجتہاد میں خطا بھی واقع ہوتی ہے۔ اس کی طرف ام سلمہؓ کی حدیث انکم تختصمون الی الخ کے تحت میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

پھر ابوبکر ابن العربی کا یہ قول نقل فرمایا ہے:۔

تعلق بھذا الحدیث من قال ان الحق فی جہۃ واحدۃ للتصریح بتخطئۃ واحد لا بعینہ ۱۲

فتح الباری صفحہ ۲۶۹ جلد ۱۳

اس حدیث سے لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ حق کسی ایک ہی طرف ہوتا ہے کیونکہ حدیث میں لا علی التعیین کسی ایک کے تخطیہ کی تصریح موجود ہے۔

اس کے بعد حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول علامہ مازری کا نقل کیا ہے۔ جس کو میں ذیل میں درج کروں گا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جو لوگ حق عند الواحد مانتے ہیں اور المجتہد یخطی ویصیب کے قائل ہیں۔ وہ جیسا کہ اس مسئلہ معینہ کے اعتبار سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس خاص مسئلہ میں حق عند اللہ ایک جانب ہے۔ اسی طرح مجموعۂ مسائل اجتہادیہ کے لحاظ سے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حق عند اللہ فریقین کے اندر منحصر ہے یعنی دونوں سے باہر نہیں اگر بعض مسائل میں ایک مجتہد مصیب اور دوسرا مخطی ہے تو دوسرے بعض مسائل میں اس کا عکس ہوگا۔ اس اعتبار سے حق جانبین میں رہے گا بلکہ خاص ایک معین مسئلہ کے اعتبار سے بھی اگر الحق فی الطرفین کا اطلاق کر دیں تو اس معنی سے صادق ہو سکتا ہے کہ حق ان

دونوں سے خارج نہیں بلکہ انہیں دونوں میں منحصر ہے اور دائر ہے اگرچہ تعیین مخطی اور مصیب کا شخصہ نہ کیا جا سکے پس علامہ مازری کے سیاق عبارت میں تامل کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جس مذہب کو اُنہوں نے الحق فی الطرفین کے عنوان سے نقل کیا ہے وہ یہی مذہب ہے جو مجتہد کو مخطی اور مصیب دونوں تسلیم کرتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ آپ عبارت میں ملاحظہ فرمائیں گے اس کے مقابل میں وہ دُوسری جماعت قائم کر رہے ہیں جس کا مسلک کل مجتہد مصیب ہے اور اسی ترتیب سے پھر دلائل بیان کئے ہیں۔ چنانچہ حافظ لکھتے ہیں :-

قال المازری تمسك به لرأی بالحدیث (اذا حکم الحاکم فاجتهد الخ) کل من الطائفتین من قال ان الحق فی الطرفین ومن قال ان کل مجتهد مصیب اما الاولی فلانه لوکان کل مصیبا لم یطلق علی احدهما الخطأ لاستحالة النقیضین فی حالة واحدة واما المصوبة فاحتجوا بانه صلی الله علیه وسلم جعل له اجرا فلوکان لم یصب لم یوجر واجابوا عن اطلاق الخطاء فی الخبر علی من ذهل عن النص او اجتهد فیما لا یسوغ الاجتهاد فیه من القطعیات فیما خالف الاجماع فان مثل هذا ان تقوله الخطأ فیه نسخ حکمه وفتراه ولو اجتهد بالاجماع وهو الذی صح علیه اطلاق الخطاء واما من اجتهد فی قضیة لیس فیها نص ولا اجماع فلا یطلق علیه الخطأ

علامہ مازری نے فرمایا کہ اس حدیث (اذا حکم الحاکم واجتہد الخ) سے دونوں فریق استدلال کرتے ہیں وہ بھی جو یہ کہتا ہے کہ حق دونوں طرف دائر ہے (کسی مسئلہ میں اسطرف ہوتا ہو کسی میں اس طرف) اور وہ بھی جس کے نزدیک ہر مجتہد مصیب ہے (یعنی حق ہر ایک مسئلہ میں اسطرف بھی ہو اور اُس طرف بھی) پہلا فریق کہتا ہے کہ اگر ہر مجتہد مصیب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پر خطا کا اطلاق کیوں فرماتے حالانکہ دو نقیضین (خطا اور ثواب) ایک حالت میں جمع نہیں ہو سکتیں اور دوسرا فریق جو ہر ایک مجتہد کی تصویب کرتا ہے اس کا ماخذ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کے واسطے بھی ایک ثواب مقرر فرمایا ہو اور اگر وہ مصیب نہ ہوتا ثواب بھی نہ ملتا۔ باقی حدیث میں جو لفظ خطاء کا اطلاق واقع ہوا ہے اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ اُن صورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جن میں کوئی نص موجود تھی اور مجتہد کو اس سے ذہول ہوا یا اُس نے کسی ایسے مسئلہ میں اجتہاد کیا جس میں اجتہاد کی

وقال المازری فی تقریر ذلک
والانتصار لہ وختم کلامہ
بان قال ان الحق فی الطرفین
ھو قول اکثر اھل التحقیق من
الفقھاء والمتکلمین وھو مروی
عن الائمۃ الاربعۃ وان حکی
عن کل منھم اختلاف فیہ۔
(فتح الباری صفحہ ۲۶۹ جلد ۱۳)

گنجائش نہ تھی مثلاً وہ قطعات جنکے انکار سے اجماع کی
مخالفت ہوتی ہے پس اگر اس قسم کی غلطی مجتہد سے اتفاقاً
ہوجائے تو اس کا حکم اور فتویٰ بالاجماع ناقابل
ہے۔ اگرچہ اس نے پوری ہمت سے اجتہاد کیا ہو اور اسی
قسم کی غلطی پر خطا کا اطلاق کرنا صحیح ہے باقی جس مجتہد
نے کسی ایسے معاملہ میں قیاس کیا جو نہ منصوص ہے اور
مجمع علیہ ہے اس پر خطا کا اطلاق صحیح نہیں اس کے بعد
مازری نے اس مسلک کی اور حمایت میں طویل کلام کرنے
کے بعد ان الفاظ پر اپنے بیان کو ختم کیا ہے کہ فقہاء اور متکلمین میں سے اکثر اہل تحقیق کا یہی قول ہے کہ حق طرفین میں دائر ہے اور یہی مذہب ائمہ اربعہ سے منقول ہے اگرچہ اُن سے اس بارہ میں کچھ اختلاف بھی نقل کیا ہے ؛

پس اس عبارت الحق فی الطرفین کا لفظ دیکھ کر یہ شبہ نہ پیدا ہونا چاہئے کہ علامہ مازری سب مصنفین کے خلاف جمہور فقہاء و متکلمین اور ائمہ اربعہ سے تعدد حق کا قول نقل کر رہے ہیں۔ کیونکہ جیساکہ میں نے گذارش کیا وحدۃ حق کے ماننے والوں سے بھی اپنے مذہب کے بیان کرنے میں اس عنوان (الحق فی الطرفین) کا اختیار کرلینا چنداں مستبعد نہیں ہے خصوصاً جبکہ سیاق و سباق سے اس کی کافی تشریح ہوسکتی ہو اور بالفرض اگر ایسا ہی ہے جیساکہ آپ کو شبہ گذرتا ہے تو یہ نقل تمام مصنفین کی نقل کا مقابلہ نہیں کرسکتی الغرض ہمارے اُوپر کے بیان سے جمہور اہل سنت کا مسلک آپ کو معلوم ہوگیا کہ باعتبار حکم نفس الامری اور حق عنداللہ کے مجتہد مخطی بھی ہوتا ہے اور مصیب بھی بالخصوص جبکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ مسائل منصوصہ میں حق عنداللہ واحد ہوتا ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ ان الحکم الا للہ کے اقتضا کے موافق قیاس مظہر حکم ہے مثبت حکم نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مجتہد فیہ مسائل میں جوکہ عنداللہ تامل شارع ہی کی طرف منسوب ہیں۔ وحدت حق کا انکار کیا جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ عقد الجید میں جس کے ابتدائی [illegible]ات ہمارے معروضات کے خلاف شبہات پیدا کرسکتے ہیں۔ صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں :۔

واذا تحقق عندک ما بیناہ علمت

اور جبکہ وہ باتیں جو ہم نے پہلے بیان کی ہیں تمہارے نزدیک

ان كل حكم يتكلم فيه المجتهد باجتهاده منسوب الى صاحب الشرع عليه الصلوٰة والسلام اما الى لفظه او الى علة ماخوذة من لفظه واذا كان الامر على ذلك ففى كل اجتهاد مقامان احدهما ان صاحب الشرع هل اراد بكلامه هذا المعنى او غيره وهل نصب هذه العلة مدارا فى نفسه حين ما تكلم بالحكم المنصوص عليه اولا فان كان التصويب بالنظر الى هذا المقام فاحد المجتهدين لا بعينه مصيب دون الأخر وثانيهما ان من جملة احكام الشرع انه صلّى الله عليه وسلم عهد الى امته صريحًا او دلالةً انه متى اختلف عليهم نصوصه او اختلف عليهم معانى نص من نصوصه فهم مامورون بالاجتهاد واستفراغ الطاقة فى معرفته ماهو الحق من ذلك فاذا تعين عند مجتهد شيئ من ذلك وجب عليه اتباعه كما عهد

محقق ہوگئیں تو تم نے یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ ہر ایک ایسا حکم جس پر مجتہد اپنے اجتہاد کی قوت سے کلام کرتا ہے وہ منسوب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی طرف ہوگا یا شارع کے صریح الفاظ کی طرف اس کی نسبت ہوگی اور یا کسی ایسی علت کیطرف جو شارع کے الفاظ سے نکالی گئی ہو اور جب قصہ یوں ہے (کہ مجتہد کے بتائے ہوئے کل احکام شارع علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں یعنی یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ خود شارع نے تنصیصًا یا تعلیلاً یہ احکام دئے ہیں) تو اب یہاں دو درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ آیا فی الحقیقت شارع نے اپنے کلام سے اسی معنی کا ارادہ کیا تھا جو مجتہد نے سمجھے ہیں یا اس کے سوا کوئی اور معنی مراد تھے اور آیا حکم منصوص کا جب شارع نے تکلم فرمایا تو اپنے دل میں اس علت کو اس نے حکم کا مدار ٹھہرایا تھا جس کو مجتہد نے قرار دیا ہے یا اور کچھ تو اس درجہ میں کوئی ایک ہی مجتہد مصیب ہو سکتا ہے (یعنی جس کا اجتہاد شارع کی مراد اور مقصود کے موافق ہوا ہو) دوسرا درجہ یہ ہے کہ منجملہ احکام شریعت کے ایک یہ ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے صراحتًہ یا دلالۃً اپنی اُمّت کو یہ وصیت فرمائی ہے کہ جب ان کو اپنے نبی کے نصوص مختلف معلوم ہوں یا ایک ہی نص کے معانی میں اختلاف پیش آئے تو وہ مامور ہیں کہ حق کے دریافت کرنے میں اجتہاد سے کام لیں اور اپنی پوری طاقت اس میں صرف کریں۔ اور جب ایک مجتہد کے نزدیک کوئی

اليهم انه متى اشتبه عليه القبلة
في الليلة الظلماء يجب ان يتحروا
او يصلوا الى جهة وقع تحريهم
عليها فهذا حكم الشرع بوجود التحري
كما علق وجوب الصلوٰة بالوقت و
كما علق تكليف الصبي ببلوغه
فان كان البحث بالنظر الى هذا
لمقام نظر فان كانت المسئلة
مما ينقض فيه اجتهاد المجتهد
فاجتهاده باطل قطعا وان كان
فيها حديث صحيح وقد حكم بخلافه
فاجتهاده باطل ظنا وان كان
المجتهدان جميعا قد سلكا ما
ينبغي لهما ان يسلكاه ولم يخالفا
حديثا صحيحا ولا امرا ينقض اجتهاد
القاضي والمفتي في خلافه فهما
جميعا على راى بالنظر الى المقام
الثاني لما صرح فيما تقدم ان
المصيب واحد لا بعينه بالنظر
الى المقام الاول)

ایک بات متعین ہو جائے تو اس پر اسی کا اتباع واجب
ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ
وصیت فرمائی کہ جب اندھیری رات میں (مثلاً) قبلہ
مشتبہ ہو جائے تو اوّل خوب تحری کریں پھر جس طرف
تحری سے قبلہ متعین ہو اُسی طرف کو نماز پڑھ لیں
تو یہ ایک حکم ایسا ہے جس کو شریعت نے تحری پر
معلق رکھا ہے جس طرح نماز کی فرضیت وقت کے آنے
پر معلق ہو اور کسی لڑکے کا مکلف ہونا اس کے بالغ
ہونے پر معلق ہو۔ پس (اگر مجتہد کے مخطی اور مصیب ہونے
کی بحث) اس درجہ میں آکر ہو تو دیکھا جائے گا کہ یہ مسئلہ
اُن مسائل میں سے تو نہیں جن میں مجتہد کا اجتہاد ٹوٹ
جاتا ہے اگر ایسا ہو تو اُس کا اجتہاد قطعاً باطل ہوگا اور
اگر اس مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح تھی اور مجتہد کا حکم اسکے
خلاف ہوا تو ظن غالب یہ ہے کہ اُسکا اجتہاد باطل ہے اور اگر
دونوں مجتہد اُس مسلک پر چلے جس پر انکو چلنا چاہیے تھا
اور کسی حدیث صحیح کی انہوں نے مخالفت بھی نہیں کی اور نہ
کسی ایسے امر کا خلاف کیا جسکے خلاف میں قاضی اور مفتی کا
اجتہاد قائم نہیں رہ سکتا تو اس صورت میں دونوں مجتہد حق پر ہونگے
(یعنی باعتبار درجہ ثانیہ کے کیونکہ درجہ اولیٰ کے اعتبار سے
تو کسی ایک مجتہد کے مصیب ہونیکی تصریح پہلے ہو چکی ہے)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

ان النبي صلى الله عليه وسلم
اخبر ان الحاكم المجتهد المخطي له

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو آگاہ فرمایا کہ حاکم مجتہد
جب مخطی ہو تو اسکے لئے ایک اجر ہے اور مصیب ہو تو دو اجر ہیں

اجر و المصیب لہ اجران ولو کان
کل منہما اصاب حکم اللہ و
باطنا وظاہرا لکانا سواء ولم
ینقض حکم الحاکم و المفتی
اذا تبین النص بخلافہ وان
کان لم یبلغہ من غیر قصور
ولا تقصیر ولما قال النبی صلی
اللہ علیہ وسلم فانک لا تدری
ما حکم اللہ فیہم ولما قال لسعد
لقد حکمت فیہم بحکم الملک
ان کان کل مجتہد یحکم بحکم اللہ
وارتفاع اللوم بحدیث المختلفین
فی صلوۃ العصر فی بنی قریظۃ
وحدیث الحاکم۔ صہ ۱۷۹ جلد ۳ -

اور اگر دونوں مجتہدوں میں سے ہر ایک کی رسائی ظاہراً
و باطناً ٹھیک اللہ تعالیٰ کے حکم تک ہو جاتی تو
پھر دونوں کا اجر بھی مساوی ہوتا اور حاکم و مفتی کا
قول اُس صورت میں نہ ٹوٹ سکتا جبکہ یہ ظاہر ہو جائے
کہ نص صریح اس کے مخالف ہے مگر مجتہد کو وہ نہیں پہنچی
باوجودیکہ اسکی طرف سے کسی قصور اور کوتاہی کا اظہار
نہیں ہوا اور اگر ہر مجتہد کا حکم اللہ ہی کا حکم ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم بھی یہ ارشاد نہ فرماتے کہ تو نہیں جانتا کہ اللہ کا حکم
ان کے بارہ میں کیا ہے اور حضرت سعد سے یوں خطاب نہ
فرماتے کہ تو نے ان کے متعلق وہ فیصلہ کیا جو بادشاہ کا
فیصلہ تھا (باقی جبکہ دو مجتہدوں میں سے کوئی ایک خطا
پر ہو تو مخطی پر کچھ ملامت کیوں نہیں ہو سکتی) اس کا
جواب اس حدیث میں ہے جس کے اندر عصر کی نماز بنی
قریظہ میں پڑھنے نہ پڑھنے کی بابت صحابہ کرام کا اختلاف بیان ہوا۔

اور شیخ ابن ہمام تحریر الاصول میں لکھتے ہیں :-

بل الدلیل اطلاق الصحابۃ
الخطاء فی الاجتہاد شائعا متکررا
بلا نکیر کعلی و زید بن ثابت
وغیرہما من تخطئۃ ابن عباس
فی ترک العول وہو ای ابن
عباس خطأہم فی القول و قول
ابی بکر فی الکلالۃ اقول برائی فان
یکن صوابا فمن اللہ وان یکن خطأ

بلکہ بڑی دلیل مجتہد کے مخطی ہونے کی یہ ہے کہ صحابہ صراحۃً
خطا فی الاجتہاد کا اطلاق کرتے تھے اور باوجودیکہ یہ بات
اُن میں عام تھی لیکن کسی صحابی کا اُس پر انکار کرنا مسموع
نہیں ہوا۔ دیکھو ترک عول کے مسئلہ میں حضرت علیؓ اور
زید بن ثابت وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو
خطا پر بتلایا اور ابن عباس عول کے قائل ہونے پر
ان حضرات کا تخطیہ کرتے تھے اور کلالہ کے مسئلہ میں
میں حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ میں اپنی رائے

فمني ومن الشيطان وعن ابن
مسعود مثل قول ابي بكر في
سنن ابي داؤد عنه فان يك
صوابا فمن الله وان يك خطأ
فمني ومن الشيطان والله ورسوله
بريئان وقول العمر في المجهضة
ان كان قد اجتهد فقد اخطأ
عثمان وعبد الرحمن بن عوفؓ
مع حذف وزيادة صفحہ ۳۰۹ ج ۳

سے بیان کرتا ہوں اگر وہ درست ہو تو اللہ کی طرف
سے ہے اور درست نہ ہو تو میری طرف سے اور شیطان
کے دخل سے ہے اور اسی طرح کا قول ابن مسعود کا سنن
ابی داؤد میں موجود ہے کہ اگر یہ مسئلہ صحیح ہے تو حق تعالیٰ
کی یہ ہدایت سے ہے ورنہ اسکو میری طرف سے اور
شیطان کی طرف سے سمجھو کیونکہ اللہ اور اس کا رسول
ایک غلطیات سے بری ہے اور فاروق اعظمؓ نے مجہضہ
کے مسئلہ میں فرمایا کہ اگر عثمانؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ نے
اجتہاد کیا ہو تو ان سے اجتہاد میں غلطی ہوئی۔

آخر میں یہ بتلا دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ باوجودیکہ چاروں امام وحدت حق کے قائل ہیں اور المجتہد یخطی ویصیب کے مدلول کو صحیح جانتے ہیں لیکن تاہم کسی مجتہد کا جھٹ پٹ مخطی کا لفظ استعمال کرنے کو نازیبا اور خلاف احتیاط سمجھتے ہیں چنانچہ اس بارہ میں جو تفصیل و تفتیش حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ہے اُس کا اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے:-

قال الامام احمد من رواية محمد بن
الحكم وقد سأله عن الرواية عن رسول الله
صلى الله عليه وسلم اذا اختلفت فاخذ
الرجل باحد الحديثين فقال اذا
اخذ الرجل بحديث صحيح عن رسول
الله صلى الله عليه وسلم واخذ آخر
بحديث ضده صحيح عن رسول الله صلى
الله عليه وسلم فقال الحق عند الله واحد وعلى
الرجل ان يجتهد في اخذ احد الحديثين لا
يقول لمن خالفه انه مخطئ لذا خذ عن

محمد بن الحکم نے امام احمد سے استفسار کیا کہ جب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات مختلف ہوں اور
کوئی آدمی ایک حدیث کو پکڑ لے تو اس صورت میں آپ
کی کیا رائے ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب
ایک مجتہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح
حدیث سے استدلال کرے اور دوسرا بھی اسکے مقابلہ
پر دوسری صحیح حدیث سے استدلال کرتا ہے تو اگرچہ حق
عند اللہ کسی ایک جانب میں ہے لیکن آدمی کا کام یہ ہے
کہ پورے اجتہاد کے بعد ایک حدیث کو لیلے اور اپنے مخالف
کی نسبت یہ نہ کہے کہ اُس نے خطا کی اور حق یہی ہے

رسول الله صلی الله علیه وسلم وان
الحق فیما اخذت به انا وهذا باطل لکن
اذا کانت الروایة عن رسول الله صلی
الله علیه وسلم صحیحة فاخذ بها رجل و
اخذ آخر عن رسول الله صلی الله علیه
وسلم واحتج بالشیئ الضعیف کان الحق
فیما اخذ به الذی احتج بالحدیث الصحیح و
قد اخطأ الآخر فی التاویل مثل لا یقتل
مومن بکافر واحتج بحدیث السلمانی
قال فهذا عندی مخطی والحق مع من
ذهب الی حدیث رسول الله صلی الله
علیه وسلم یقتل مومن بکافر واذا روی
عن رسول الله صلی الله علیه وسلم حدیث
حدیث واحتج رجل بحاکم عن اصحاب
رسول الله صلی الله علیه وسلم کان
قد اخطأ التاویل وان حکم به حاکم
ثم رفع الی حاکم آخر رده الی حکم رسول
الله علیه وسلم واذا اختلف اصحاب
محمد صلی الله علیه وسلم واخذ آخر عن
رجل آخر من اصحاب رسول الله صلی الله
علیه وسلم فالحق عند الله واحد وعلی
الرجل ان یجتهد وهو لا یدری اصاب
الحق ام اخطأ وهکذا قال عمر الله ما یدری

کہ جو میں کہتا ہوں اور باقی سب باطل ہے کیونکہ اس
کا مخالف بھی آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی حدیث سے ہی اخذ کر رہا ہے۔ ہاں! اگر ایک
حدیث صحیح ہو اور دوسری ضعیف۔ تو بے کھٹکے کہا
جائے گا کہ حق اُس کی طرف ہے اور جو حدیث صحیح سے استدلال
کرتا ہے اور حدیث ضعیف سے استدلال کرنے والا مخطی ہے۔
مثلاً لا یقتل مومن بکافر حدیث صحیح ہے تو جو اس کے
مقابلہ میں سلمانی کی حدیث سے استدلال کرے گا
وہ مخطی ہوگا۔ اور اگر ایک مجتہد یا عالم تو حدیث رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کر رہا ہے اور
دوسرا کسی صحابی کا قول پیش کرتا ہے تو اس دوسرے
نے خطا کی اور اگر کسی حاکم نے اس دوسرے کے
موافق فیصلہ کر دیا پھر اُس کا مرافعہ کسی دوسرے حاکم
کی عدالت میں کیا گیا ہے۔ تو یہ دوسرا حاکم پہلے کے
فیصلہ کو توڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی
طرف لوٹا دے گا اور اگر ایک شخص ایک صحابی کے قول
کی بنا پکڑتا ہے اور دوسرے صحابی کے قول سے۔
تو خدا کے نزدیک حق پر کوئی ایک ہے۔ لیکن انسان کا
کام یہ ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کو کام میں لائے اور
اُس وقت اُس کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ خطا
پر ہے یا صواب پر ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے
ایسا ہی فرمایا کہ عمر نہیں جانتا کہ وہ خطا پر ہے
یا صواب پر۔ البتہ ایک رائے اس کی تھی۔

عمداخطأام اصاب لکن انماکان برایا منه قال واذا اختلف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم واخذ رجل بقول اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم واخذ اٰخر بقول التابعین کان الحق فی قول اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ومن قال بقول التابعین کان تاویله خطأ والحق عند اللہ واحد۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ صفحہ ۴۲، جلد ۳)

(جو بیان کردی گئی) امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص تو صحابہ کے اقوال سے متدل کرتا ہے۔ اور دوسرا اُس کے جواب میں تابعین کے اقوال سے تو حق صحابہ کے اقوال کی طرف ہوگا۔ اور اُس وقت تابعین کے اقوال سے احتجاج کرنا غلطی ہوگی اور بہر حال حق اللہ کے نزدیک کسی ایک طرف ہے۔

امام احمدؒ کے اس کلام سے اندازہ کرو کہ ایسے بڑے بڑے جلیل القدر اور رفیع المنزلہ آئمہ یہ یقین رکھنے کے باوجود کہ ہر مسئلہ میں حق صرف ایک ہو سکتا ہے پھر بھی اپنے مخالف کے تخطیہ میں کس قدر محتاط تھے چنانچہ جو کچھ بھی حسن ظن آئمہ کرام کی نسبت آج باقی ہے وہ ان ہی پاک نفس بزرگواروں کی احتیاط اور بے تعصبی اور فراخدلی اور حسن تادب کا نتیجہ ہے۔ برد اللہ مضاجعهم و نور اللہ قبورهم وافاد علینا شآبیب برکاتهم۔ اٰمین۔

وقد بقی خبایا فی الزوایا ترکنا ابرازها لمخافة التطویل واللہ یقول الحق وهو یهدی السبیل وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ؛ فقط

دُوسرا سوال آپ کا دوزخ و جنّت کے متعلق ہے جس کے سمجھنے سے بندہ بالکل قاصر رہا جو عقیدہ جنّت دوزخ کی نسبت سوال میں مذکور ہے۔ اُس میں چند امور کا التزام صراحتہً کیا گیا ہے۔

(۱) جنّت و دوزخ کے وجود کو سائل تسلیم کرتا ہے۔

(۲) جن چیزوں کا ہونا جنّت و دوزخ میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ نے بتلایا ہے اس کے نزدیک وہ سب تمثیل پر محمول ہے۔

(۳) یہ بھی اقرار ہے کہ جنّت میں تمام آرام و آسائش کی چیزیں مہیا کی گئی ہیں۔

(۴) جنّت کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔

میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب سائل کو یہ اعتراف ہے کہ بہشت میں اہل بہشت کے تمام آرام آسائش کی چیزیں مہیا فرما دی گئی ہیں تو کیا کوئی انسان سطح ارض پر ایسا بھی پایا جاتا ہے کہ جس کو سرسبز باغیچہ اور شاداب چمن یا شوخی اور قرینہ سے بہتی ہوئی نہریں جنکی آب رسانی کا انتظام یورپ کے واٹرورکس سے بھی زیادہ موزوں ہو یا درخشاں موتیوں کی جگمگاتی ہوئی عمارتیں یا خالص سونے چاندی کے ظروف کے استعمال سے تکلیف پہنچتی ہو یا حسن و جمال کے پاک صاف نورانی پیکر جن پر نظر پڑتے ہیں ان اللہ جمیل و یحب الجمال کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا اس کو بُرے معلوم ہوتے ہوں یا کابل و کشمیر کے اعلیٰ قسم کے سیب اور انگور اور طرح طرح کے میوے اور پھل نہایت بیش قیمت کشتیوں میں قرینے سے رکھے ہوئے دیکھ کر استفراغ ہو جاتا ہو پس ان سارے عیش و نشاط کے سامانوں کی موجودگی اگر بنی نوع انسان کے حق میں فطرۃً کوئی تکلیف دہ چیز نہیں ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ پھر سائل جو کہ جنت میں تمام آرام و آسائش کی چیزوں کا مہیا ہونا تسلیم کرتا ہے کیوں تمثیل کا بہانہ رکھ کر نعمتوں کے اقرار سے گریز کرتا ہے ممکن ہے کہ دنیا میں کسی جزیرہ میں کوئی ایسا وحشی بن مانس بھی پایا جاتا ہو جس کی زندگی ان تمام نعمائے الٰہیہ کے دیکھنے سے منغص ہو جاتی ہو لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ اتنی وسیع جنت جس کو عرضہا السموٰت والارض فرمایا گیا ہے فقط انہیں چند حبشی بن مانسوں کا مسکن بنا دیا جائے تو اس کی تسلیم کے واسطے شاید سائل بھی تیار نہیں ہوگا پھر میں حیران ہوں کہ جن چیزوں کے وجود کی تمام انبیائے سابقین خبر دیتے چلے آئے قرآن اور حدیث نے اس کی تصدیق پر مہر کی قرن صحابہ سے لے کر تیرھویں صدی کے ملحدوں کے زمانہ تک تمام اہل اسلام اسکی تصدیق کو جزو ایمان سمجھتے رہے تمثیل کے عیارانہ حیلہ سے کس طرح اُن کی نفی کی جا سکتی ہے۔

سوال میں جس شخص کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس ابلیس کی وحی کو پوری طرح ضبط نہ کر سکا جس نے یہ لکھا تھا کہ ان نعمائے جنت کے بیان سے تمثیلاً ایک اعلیٰ قسم کی راحت کی طرف اشارہ کرنا ہے جس کو کوئی عبارت نہیں سمجھا سکتی اس نے یہ لفظ نہیں لکھے کہ جنت میں تمام آرام و آسائش کی چیزیں مہیا کی گئی ہیں وہ گرگ باراں دیدہ تھا جانتا تھا کہ ایسا لکھنے سے تمام ظواہر نصوص پر ایمان رکھنا ضروری ہو جاتا ہے سوال میں جس شخص کی نسبت استفسار کیا گیا ہے وہ مسکین "ایک قسم کی راحت اور تمام آرام و آسائش کی چیزیں" ان دونوں عبارتوں میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھ سکا حالانکہ اب اس کی عبارت خود اس کو ملزم کرتی ہے اور اس کے کلام کی تہافت پر صاف شہادت دیتی ہے۔ پس میں ایسے نو آموز اور

خام مُرید سے کیا خطاب کروں جو اپنے اعتقاد کو خود بھی واضح طور پر سمجھا ہوا نہیں ہے یا بیان نہیں کر سکتا۔ اس کے عقیدہ کا ماخذ اسوقت میرے سامنے ہے کبھی دل چاہتا ہے کہ حرفاً حرفاً جواب لکھ کر آپکے پاس بھیجدوں لیکن بندہ کے پاس وقت نہیں محض آپ کی خاطر عزیز جان کر یہ چند سطور لکھی ہیں اور چند لکھتا ہوں۔

وہ شخص جسکی کتاب اس وقت میرے سامنے رکھی ہے اگر جاہل تھا تو کیا آپکے علم کو بھی اسکے جہل کی ظلمت نے اپنے اندر چھپا لیا آپنے لکھا ہے کہ جنّت کی حقیقت نہ کسی کو معلوم ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ مخبر صادق نے فرمایا ہے لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر آپ مجھ کو بتلائیے کہ اس حدیث صحیح کے سُن لینے کے بعد آپنے خود جنّت کے وجود سے ہی کیوں انکار نہ کر دیا جب خطر علی قلب بشر کو اس قدر عام تسلیم کرتے ہیں تو بہر حال یہ عقیدہ کہ جنّت ہے اور اس میں اعلیٰ قسم کی راحت موجود ہے اس قدر بیان کہنے کے واسطے بھی تو یہ ضرور ہو کہ جنّت اور اُسکی اعلیٰ قسم کی راحت کا کسی نہ کسی طرح تصوّر آئے اور جب کسی طرح سے بھی اس کا تصور آیا تو خطور علی قلب بشر صادق ہو جائیگا۔ کیونکہ خطور بالبال عام ہے اجمالی ہو یا تفصیلی بالکنہ اور بکنہہ ہو یا بالوجہ اور بہرحال اگر آپ خطور کے معنے میں کوئی تخصیص کرینگے تو آپ کے حریف کو بھی اجازت ہوگی کہ وہ اپنے مذاق کے موافق اسکی تخصیص کر لے اسکے علاوہ آپ جنب و رمان اور حور و قصور کی آیتوں کو جب تمثیل پر محمول فرماتے ہیں تو ظاہر ہے کہ لفظی تمثیل سے مراد آپکی تشبیہ ہوا اور تشبیہ کا حاصل اسکے سوا کیا ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں کوئی وصف جامع ہو حتیٰ کہ اگر اس وصف جامع کا ادراک مخاطب کو نہ ہو تو وہ تشبیہ اس کے حق میں اس سے زیادہ کارآمد نہیں ہو سکتی ہو جتنا کہ ایک اندھے کے حق میں "کھیر" کی تشبیہ بگلے کیساتھ کارآمد ہوئی تھی۔

پس اس وصف جامع کے ادراک سے جو کہ مشبہ اور مشبہ بہ یا مثال اور ممثل لہ میں ضرور ہوتا ہے یہ لازم ہوگا کہ جنّت کی نعمتوں کا تصور اس وصف جامع سے ہو جائے حالانکہ خطور بالبال کی مشکل پھر اسوقت ناقابل حل رہ جائیگی اگر آپ یہ کہیں کہ ولا خطر علی قلب بشر سے یہ مُراد ہے کہ نعمائے جنّت کی کنہ اور ماہیت کسی کے دل پر نہیں گذری تو اس سے یہ کیوں لازم آیا کہ آپ ان کے وجود جسمانی کا انکار کر دیں سکیا جس چیز کی حقیقت معلوم نہو مثلاً خود حق تعالیٰ شانہ تو اس کے وجود کی بھی نفی کر دینی چاہئیے پھر تو سب سے اوّل خدا ہی کی نفی کی جاوے تاکہ نہ قرآن کو ماننا پڑے اور نہ رسولؐ کو اور نہ جنت و دوزخ کا مصنوعی اقرار کر کے خُدا پر احسان رکھا جائے میں جانتا ہوں کہ شاید ہزاروں چیزیں محسوسات میں ایسی ہونگی کہ اُن کی حقیقت آپ کو اور مجھ کو بلکہ تمام حکمائے متفلسفین کو معلوم نہو گی اور میں تو یہاں تک بدگمان ہوں کہ جن چیزوں کی حقیقت معلوم ہو جانے کا

دعویٰ کیا جاتا ہے وہ بھی محک امتحان پر شاید ہی کھرا ثابت ہو سکے۔

بہر کیف جن چیزوں کی حقیقت جاننے سے حکماء کی زبانیں بھی عجز کا اعتراف کرنے لگی ہیں کیا ان کے وجود سے آپ انکار کر سکتے ہیں تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ جنّت کی جسمانی نعمتیں کیوں آپ کو ایسی بُری معلوم ہوتی ہیں کہ ان کی حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے آپ ان کی ہستی ہی اُڑائے دیتے ہیں۔ یہاں اگر کسی چیز کے وجود کی خبر حواس نے دی ہے تو ان کی خبر حواس سے زیادہ سچے مخبر کے پاس قطعی طور پر پہنچ چکی ہے میرا خیال ہے کہ جنّت کی جسمانی نعمتوں کا انکار کرتے وقت اُس کے دل میں بھی گدگدیاں ضرور اٹھی ہونگی اور خواہ آپ کتنا ہی اس ہوس کو بیہودہ سمجھیں لیکن اس تمنا سے دل آپ کا بھی خالی نہ ہوگا کہ کاش ایسا ہی ہوجاتا جیسا کہ یہ مولوی کہتے ہیں۔ پر آپ کا دل یورپ کے ملحدوں سے ڈرا ہوا ہے اور اس شخص کے تمسخر نے آپ کو اور زیادہ کھسیانہ کر رکھا ہے اس لئے آپ اس بات کا انکار کرتے ہیں جس کی تمنا دل میں لئے ہوئے ہیں حالانکہ ان ملاحدہ سے آپ کہاں تک ڈریں گے۔ خدا کی ہستی کا وہ مذاق اڑاتے ہیں نبوّت اور وحی کا وہ مذاق اڑاتے ہیں فرشتوں اور شیاطین کا وہ مذاق اُڑاتے ہیں مر کر زندہ کئے جانے کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ عذاب قبر کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ کی نماز کا آپ کے حج وعمرہ کا آپ کے نکاح و طلاق کا آپ کی ہر ہر بات کا ان کے یہاں تمسخر کیا جاتا ہے تو پھر آپ کے پاس ان کی ساری بیہودگیوں کا جواب اس کے سوا کیا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا کَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَکُوْنَ الآیۃ وہ کہتے ہیں کہ ان تخیلات واوہام کا ماننا بیوقوفوں کا کام ہے۔ ہمارا ایمان سفہا کا سا ایمان نہیں ہے آپ اُن سے کہدیجئے کہ آپ کا جواب ہمارا خدا پہلے ہی دے چکا ہے جہاں اُس نے یہ فرمایا ہے:۔

اِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ	اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی طرح تم بھی ایمان لے آؤ
قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ ؕ اَلَآ	تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی ایسا ہی ایمان لے آویں جیسا کہ بیوقوف لوگ
اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ	ایمان لائے ہیں یاد رکھو کہ خود یہی لوگ بیوقوف ہیں لیکن انکو خبر نہیں

آپ اُن زنادقہ کی کتابیں پڑھئے جنّت و دوزخ کے انکار کے موقع پر لکھا ہے کہ علمائے اسلام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے بسبب اپنی رقت قلبی اور توجہ الی اللہ اور خوف ورجا کے غلبہ کے جو آدمی کے دل پر زیادہ اثر کرنے سے ایسے درجہ پر پہنچا دیتا ہے کہ اصل حقیقت کے بیان کرنے کی جرأت نہیں رہتی یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو ظاہر الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے اس کو تسلیم کرلیں اور اُس کی حقیقت اور اُس کے مقصد کو خدا کے

علم پر چھوڑ دیں اس واسطے وہ بزرگ ان تمام باتوں کو تسلیم کرتے ہیں جن کو کوئی بھی نہیں مان سکتا اور وہ باتیں جیسا کہ عقل اور اصلی مقصد بانی مذہب کے برخلاف ہیں ایسے ہی مذہب کی سچائی اور بزرگی اور تقدس کے مخالف ہیں۔"

اس گستاخانہ اور احمقانہ تحریر کو بار بار پڑھو۔ یہ تحریر بتلاتی ہے کہ جن لوگوں کے دلوں پر رقت اور توجہ الی اللہ اور خوف و رجا غالب ہو جاتا ہے (جیسا کہ تمام علمائے اسلام کے دلوں پر تھا) توان کو اصل حقیقت کے بیان کرنے کی جرأت نہیں رہتی بلکہ وہ ایسی باتوں کو ماننے لگتے ہیں۔ جو عقل کے بھی خلاف اور بانی مذہب کے مقصد کے بھی اور مذہب کی سچائی اور تقدس کے بھی" اس کے بعد آپ احادیث میں خدا کے اُس رسول کی سیرت کو پڑھیں (فداہ ابی و امی) جو اپنی نسبت فرماتے ہیں فواللہ انی اخشاکم للہ و اتقاکم تو آپ یقین کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر نہ کسی کے دل میں خدا کا خوف ہو سکتا ہے اور نہ اس قدر انابت الی اللہ کسی کو میسر آ سکتی ہے جو آپ کو حاصل تھی تو اس سوال کا نتیجہ جس کو اس زندیق نے اختیار کیا ہے بجز اس کے کیا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (العیاذ باللہ) یہ کہا جاتا ہے کہ آپ حقیقت کے بیان کرنے میں سب سے کم جرأت کر سکتے ہوں گے اور جو کچھ فرماتے ہونگے وہ علمائے اسلام سے بھی زیادہ لوگوں کی عقل کے خلاف اور مقصود خداوندی کے منافی ہوگا کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا (الآیۃ) تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْہُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ ھَدًّا (الآیۃ)

بلا شبہ ان لوگوں کی تحریرات کا منشا یہ ہے کہ جس شخص کا دل خدا کے خوف سے خالی ہو قسوۃ اور غفلت عن اللہ اس پر چھا گئی ہو شیطان کے تسلط نے اُس کو پورا بے باک اور شوخ بنا دیا ہو تو شاید وہ اصل حقیقت اور صداقت کا اظہار نہایت جرأت کے ساتھ کر سکتا ہے اور صرف اُسی سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ خداوند رب العزۃ کی صحیح صحیح مراد کو سمجھ کر تمام مخلوق کو خدا کے دین کی طرف متوجہ کر سکے اور ان کے دلوں میں اس کا سچا منشا اُتار سکے بیشک ایسا ہی ہوتا اگر تاریکی روشنی کو پیدا کر سکتی اور بول و براز سے عطر کشید کیا جا سکتا اور جب ایسا نہیں تو کہہ دو کہ وما یستوی الاعمٰی والبصیر ولا الظلمات ولا النور ولا الظل ولا الحرور .... وما یستوی الاحیاء ولا الاموات الآیہ۔

اس موقع پر میرے واسطے سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ان لوگوں کی ایسی گستاخانہ اور جاہلانہ تحریروں سے بعض فہمیدہ اہل علم کو کیوں شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک کورِ چشم بے بصیرت نے اتنا کہہ دیا کہ لاخطر علیٰ قلب بشر سے نعمائے جسمانی کی نفی ہوتی ہے اور قرآن مجید کی سینکڑوں آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیسیوں احادیث تمثیل پر محمول ہیں تو اہل علم کو اس سے پوچھنا تھا کہ لاخطر علیٰ قلب بشر سے کیا مراد ہے اگر بالکل عام ہے تب تو یہ غلط ہے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں اور اگر کسی خاص قسم کے خطور کی نفی کی گئی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جنت میں سے خواہی نخواہی جسمانی لذائذ کو خارج کیا جائے۔

تماشا ہے کہ نعمائے جسمانی کے منکر اس کو تو جائز رکھتے ہیں کہ سینکڑوں آیات اور روایات کو ان کے حقیقی معانی سے پھیر کر تمثیل پر حمل کر لیں مگر ایک ولاخطر علیٰ قلب بشر ایسا جملہ ہے کہ اس میں کسی طرح ادنیٰ تصرف بھی جائز نہ رکھا جائے حالانکہ محاورات کے موافق اس میں کچھ بھی اشکال نہیں اگر سلطان المعظم کسی معمولی حاکم کی دعوت کر دیں تو اُس کو پورا یقین ہوگا کہ وہاں ضرور پُر تکلف کھانے تیار ملیں گے اور اپنی معلومات کے اندازہ کے موافق اُس نے کچھ فہرست بھی کھانوں کی ضرور اپنے ذہن میں سوچ رکھی ہوگی بلکہ یہی فرض کر لو کہ کھانوں کی فہرست لکھی ہوئی پہلے ہی سے اُس کے پاس مطبخ سلطانی سے پہنچ گئی تھی مگر جب دسترخوان پہنچا تو بعض کھانے اب اس نے ایسے پائے جو اُس نے پہلے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے تھے اور بعض ایسے پائے کہ جن کا تجربہ ہوا تھا۔ مگر وہاں اُن کی ترکیب ہی کچھ اور تھی اور لذّت اور مزہ ہی دوسرا تھا پھر ایوان سلطانی میں عجب عجب طرح کے تکلفات اُس کی نظر پڑے جنہوں نے اُس کی آنکھیں خیرہ کر دیں اور سلطان المعظم نے اس کا اس قدر تپاک سے خیر مقدم اور احترام کیا کہ وہ بالکل مبہوت ہو گیا اب وہ شخص وہاں سے واپس آکر اگر اپنے ہمنشینوں سے یہ کہے کہ ایوان سلطانی میں اس طرح کے تکلفات اور ایوان طعام اور لذیذ غذائیں مہیا تھیں اور سلطان نے میری اس قدر تکریم اور عزت افزائی کی جس کا میرے دل میں خطرہ اور وہم و خیال بھی نہ گذرا تھا تو اس کے معنی اس کے سوا کیا ہیں کہ اعزاز و اکرام اور مدارات کا وہ انتہائی درجہ جو اُس نے ایک ایسے بڑے باجاہ وجلال بادشاہ کے دربار میں دیکھا وہ اس کے حوصلہ اُمید سے باہر تھا اور اُس کی توقعات کی پرواز وہاں تک کبھی نہ پہنچی تھی اگرچہ نفس اعزاز و مدارات کا اس کو

پہلے سے یقین تھا تاہم یہ کیفیت اور ایسا شاندار سماں اپنے اعزاز و احترام کا اس کے خیال میں نہ تھا اسی طرح یاد رکھئے کہ جن میووں اور پھلوں وغیرہ کے نام نعمائے جنّت کی فہرست میں لئے گئے ہیں۔ اگرچہ آدمی کتنی ہی پرواز ان کی اعلیٰ کیفیات کے سمجھنے کے لئے کرے لیکن چونکہ اس کی پرواز اس کی محسوسات کے ذائقہ تک محدود ہے اس وجہ سے اس کے خیال و خطرہ میں بھی جنّت کے پھلوں کی اعلیٰ سے اعلیٰ کیفیت نہیں آسکتی فرض کرو کہ ایک شخص نے مسقطی حلوا کبھی نہ کھایا ہو اور نہ کبھی دیکھا ہو۔ اب اگر اُس کے سامنے حلوائے مسقطی کی تعریف کرے تو اگرچہ وہ اتنا تو یقین کرے گا کہ وہ کوئی قسم حلوے کی ہے اور کھانے کی چیز ہے لیکن اُس کی صورت اور رنگ اور مزہ کے جو کچھ اجمالی وساوس و خطرات آئیں گے تو اپنی ماکولات کے انداز کے موافق آئیں گے خواہ وُہ کتنا ہی اپنے خیال کو آگے بڑھانا چاہے اب اگر اس کو کبھی اتفاق سے حلوائے مسقطی کھانے کی نوبت آجاوے اور اس وقت وہ مزہ لے کر بول اُٹھے کہ یہ مزہ اور لذت تو خیال اور گمان میں بھی نہ تھا تو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس اعلیٰ لذت تک خیال کی رسائی نہیں ہو سکی تھی نہ یہ کہ اس کے نفس مزہ اور لذّت کا تصوّر بوجہ ما بھی نہ تھا۔

فرض کرو کہ اخبار ٹائمز کا ایک نامہ نگار جس کی نظر دُنیا کی تمام عظیم الشّان لڑائیوں کی تاریخ پر تھی یہ لکھ کر بھیجے کہ آج جو حملہ جرمنی نے ورڈن پر کیا جس کی اطلاع ہمارے جاسوسوں نے پہلے سے دی تھی۔ کہ حملہ ہونے والا ہے اور اسی طرح جو مقاومت فرانس نے اس حملہ کی کی، اور جس شدّت کی جنگ ہوئی اور جس زور کا رن پڑا نہ آنکھوں نے کبھی دیکھا تھا اور نہ کانوں نے سُنا تھا اور نہ دل میں اس طرح کا کبھی خیال اور خطرہ گذرا تھا تو غالباً لاخطر علیٰ قلب بشر سے نعمائے جنت کا انکار کرنے والے یہاں شاید یہ کہنے لگیں کہ اس جملہ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ورڈن پر جنگ ہی نہیں ہوئی کوئی ایسا مجہول الکنہ اور نامعلوم الحقیقت واقعہ یورپ میں پیش آیا ہوگا جس کے ہولناک ہونے کو لنڈن ٹائمز کے نامہ نگار نے اس تمثیل میں بیان کیا ہے کیونکہ جب ورڈن پر دشمن کے حملہ آور ہونے کے ارادہ پر پہلے سے یقینی اطلاع ہو چکی تھی تو یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اس حملہ کا خیال اور وہم بھی نہ تھا دل میں تو یہ حملہ خطور کر چکا تھا اگرچہ کتنی ہی کم حیثیت میں کیوں نہ ہو۔

اب آپ ہی انصاف سے فرمادیں کہ ان سب مثالوں میں پہلے سے دل میں خطرہ نہ ہونے کے کیا معنی ہیں اگر وہی معنی ولاخطر علیٰ قلب بشر میں لئے جاویں تو کیا مضائقہ ہے اس کے بعد میں وہ بات

کہتا ہوں کہ جس سے بحث کا خاتمہ ہو جائے اور منصف فہیم کے لئے انشاء اللہ العزیز قیل و قال کی گنجائش ہی نہ رہے جس حدیث سے منکرین احتجاج کر رہے ہیں اُس کے الفاظ یہ ہیں اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر جس کا ترجمہ صرف اس قدر ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے واسطے ایسی چیز تیار کی ہے جس کو نہ آنکھ نے دیکھا اور نہ کان نے سنا اور نہ کسی آدمی کے دل میں اس کا خطور ہوا" بیش ازیں نیست" کہ اس سے جنت میں ایسی چیز کا موجود ہونا ثابت ہوا کہ جن کی یہ حالت ہے لیکن یہ کس لفظ سے نکلتا ہے کہ ایسی چیز کے سوا جس کے یہ اوصاف ہیں اور کوئی چیز جنت میں نہیں جس کو فرض کیجئے آنکھ نے دیکھا ہو یا کان نے سنا ہو یا دل میں اس کا خیال گذرا ہو یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ آپ کو کوئی مدعو کرے اور یہ کہے کہ آج ہم نے تمہارے لئے ایسی چیز تیار کی ہے جو تم نے کبھی نہ کھائی ہوگی۔ اس کا کسی کے نزدیک یہ مطلب نہیں کہ بس اس چیز کے سوا دستر خوان پر کوئی ایسی چیز نہ آئے گی جو آپ نے کبھی کھائی ہو یا ایک سوداگر یہ کہے کہ میری دوکان پر آج کل اس قسم کے کپڑے آئے ہوئے ہیں۔ جو آپ نے آج تک کبھی نہ دیکھے ہونگے تو ہرگز یہ مراد نہیں کہ اس دوکان میں ان کے سوا ایسے تھان نہ ہوں گے جن کو ہم نے کبھی دیکھا ہو

اسی طرح اگر یہاں سمجھا جاوے تو کیا حرج ہے کہ جنت میں ایسی نعمتیں بھی ہیں کہ جن کا من وجہ خطور پہلے ہوا ہو اور ایسی بھی جو مدت العمر خیال میں نہ آئی ہوں باقی جنت کے نعمائے جسمانیہ کا تمسخر کر کے یک غیر مہذب بھانڈ کا فرض انجام دیا گیا ہے تو اُس کا جواب ہمارے پاس کچھ نہیں بجز اس کے کہ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۔

یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ زبان سے خُدا کے وجود اور اُس کی غیر محدود قدرت رکھنے اور کتاب اللہ کو ماننے کے باوجود کس طرح جسارت کر کے اس کی لامحدود قدرت و حکمت کو اپنی عقل کی کُلھیا میں بند کر دیتے ہیں نہ معلوم جنت میں کونسی چیز ایسی ہے جس کا پیدا کرنا اس قادر قیوم کے لئے آسمانوں اور زمین اور چاند سورج اور سمندر اور پہاڑوں سے بھی زیادہ دشوار ہے یا آگ پانی کا ایک کرہ اور ایک طبقہ اور مٹی کا ایک طبقہ پیدا کرنا سراسر اُس کی حکمت اور دانائی کو ظاہر کرتا ہے اور پھر اُن کے تھوڑے تھوڑے اجزا کو محفوظ کر کے آدم کا خمیر بنانا اس حکمت کے اظہار میں اور چار چاند لگاتا ہے تو اسی طرح

اگر اُس دُنیا میں اُس نے راحت و تکلیف کو مخلوط پیدا فرمایا اور ان دونوں کے واسطے ایک ایک کرہ اور مخزن علیحدہ علیحدہ بنا دیا کہ جو جسمانی اور رُوحانی خوشی اور راحت اور عیش کا خزانہ ہے اس میں کسی تکلیف کا نام اور نشان نہ آنے پائے اور جو رنج اور تکلیف اور مصیبت کا خزانہ ہے اُس میں راحت کا اور خوشی کا شائبہ نہ پایا جاسکے تو کیوں حکمت کے خلاف ٹھہرے گا۔

مولانا جلال الدین رومی نے سچ فرمایا ہے کہ یہی جنّت اور اس کی نعمتوں کا انکار کرنے والے جب رحم مادر میں تھے تو اُس وقت ان سے اگر کوئی جا کر کہتا کہ اس تنگ و تاریک کوٹھڑی سے تم باہر نکلو اور یہ حیض کا ناپاک خون کھانا چھوڑ دو تو تم کو باہر ایک ایسا وسیع زمین آسمان نظر پڑے گا جس کی وسعت سے تمہارے اس حجرے کی نسبت ایک اور کروڑ کی بھی نہ ہوگی اور جب تم یہ ناپاک غذا (دم طمث) چھوڑ دو گے تو تم کو نہایت خوش رنگ اور خوش ذائقہ لطیف غذا دی جائے گی جس کے بعد اس غذا کو کبھی نہ یاد کرو گے تو یہ منکرین ہی انصاف سے بتلا دیں کہ کیا وہ رحم مادر میں ان باتوں کو باور کر سکتے تھے۔ وہ نیچے اُوپر ادھر اُدھر نظر دوڑاتے اور رحم کی جھلّی کے سوا کچھ نہ دیکھتے جن غذاؤں کا اُن سے وعدہ کیا جاتا تھا وہ یہی کہتے جو جنت کے کھانوں کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ سب تمہارے خیالات و اوہام ہیں نہ اس مکان سے وسیع کوئی مکان ہے اور نہ اس غذا کے سوا کوئی غذا ہے لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی قدرت بالغہ سے ان کو بطن مادر سے باہر نکالا اور انہوں نے وہ سب چیزیں دیکھ لیں جن کی اُن کو خبر دی جاتی تھی اور اب کوئی تردّد اس میں باقی نہ رہا۔ پس ٹھیک یہی مثال ہمارے نزدیک ان تنگ نظروں اور کور باطنوں اور دُنیا کے بدمستوں کی ہے یہ ہرگز ان چیزوں کو تسلیم نہ کریں گے جب تک کہ ان کو دیکھ نہ لیں گے اسی خیال کے شخص کی تاریخ کا مصرعہ ہمارے اُستاد دام فیضہٗ نے کیا ہی خوب کہا ہے ؏

مانتے جس کو نہیں تھے لیجئے پہنچے وہاں

اب میں اس جواب کو ختم کرتا ہوں کیونکہ بندہ کو فرصت زیادہ نہیں ہے آخیر میں اتنا اور گذارش کرتا ہوں کہ آپ نے جو ایسے شخص کا شرعاً حکم دریافت کیا ہے۔ جو عقیدہ رکھتا ہو اس کا استفتا حضرت مفتی صاحب سے کریں۔ بندہ تو فقط ایک عبارت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی لکھے دیتا ہے جو حجۃ اللہ البالغہ میں عالم مثال کے ذکر میں جو احادیث لائے ہیں اُن کے ماننے والوں کے

اُنہوں نے تین درجے کئے ہیں۔ جن میں تیسرا یہ ہے:۔

او یجعلها تمثیلاً لتفهیم معان اخری ولست اری المقتصر علی الثالثة من اهل الحق وقد صرح الامام الغزالی فی عذاب القبر تلك المقامات الثلث حیث قال وامثال هٰذه الاخبار لها ظواهر صریحة واسرار خفیة ولکنها عند ارباب البصائر واضحة فمن لم ینکشف له حقائقها فلا ینبغی ان ینکر الظواهر بل اقل درجات الایمان التسلیم والتصدیق ۱۲ (حجة اللّٰہ البالغہ صفحہ ۱۳)

یا ان احادیث کو تمثیل پر محمول کیا جائے جس سے دوسرے معانی کی تفہیم مقصود ہے اور میں ایسے شخص کو جو اس تیسرے درجہ پر محدود ہے اہل حق میں شمار نہیں کرتا اور امام غزالی نے بھی عذاب قبر کے بیان میں یہ تینوں درجے بیان کئے ہیں جہاں یہ فرمایا ہے کہ اس قسم کے اخبار کے ایک تو ظاہر معنی ہیں جو صاف ہیں اور ایک ان کے دقیق اسرار ہیں جو اہل بصیرت کے نزدیک واضح ہیں۔ تو جس شخص پر وہ حقائق منکشف نہ ہوں اس کو یہ مناسب نہیں کہ وہ ظواہر کا بھی انکار کر بیٹھے بلکہ کم از کم ایمان یہ ہے کہ اُن کو تسلیم کرے اور ان کی تصدیق کرے۔

میرے اس سارے خط کو آپ مہربانی فرما کر ہمارے خان صاحب محترم اور محبی مولوی محمد عرفان صاحب کو ضرور سنا دیں اگر کچھ اصلاح فرمائیں تو مطلع فرمائیں۔ والسّلام اور ان دونوں صاحبوں سے بہت بہت سلام بندہ کا عرض کردیں اور بعض الفاظ جو آپ کو خطاب کرکے تیز لکھے گئے ہیں۔ اُن سے فی الحقیقت آپ مُراد نہیں بلکہ وہ شخص مُراد ہے جس کا یہ عقیدہ ہو۔ فقط۔

الراقم

شبیر احمد عثمانی عفی اللّٰہ عنہ از دارالعلوم دیوبند

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

(۲) بنام بابو فضل حق مرحوم برادر خورد علّامہ عثمانی

(تعارف) زیر نظر مکتوب علّامہ عثمانی نے اپنے چھوٹے بھائی فضل حق عرف فضلی کو لکھا ہے انہی کی لڑکی منیبہ خاتون عرف مُنّی کو آپ نے پرورش کرکے شادی کی تھی جو ماشاءاللہ بقید حیات ہے

یہ خط مجھے بابو فضل حق سے خود کراچی میں حاصل ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ ۱۹۲۷ء میں علامہ کو اپنے بڑے بھائی سے نظریاتی اختلافات پیدا ہوئے۔ میں مولانا شبیر احمد صاحب کی تائید میں تھا۔ ان دنوں دیوبند کے ہی ڈاک خانے میں ملازم تھے کہ مجھے اس خلفشار میں کچھ زد و کیاں پہنچیں۔ جن کی شکایت میں نے علامہ کو لکھی جو اس وقت دیوبند سے ڈابھیل جا چکے تھے انہوں نے جواب میں یہ خط لکھا حسب ذیل مکتوب میں علامہ نے کسی سے انتقام نہ لینے، کسی بُرائی میں حصّہ نہ لینے، خُدا سے اپنا معاملہ صاف رکھنے کی تلقین کی ہے۔ نیز دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے وظائف کا انمول تحفہ (چیز) بھی ہیں۔ (انوار مرتّب)

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ۔

بمطالعہ برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام مسنون و دعا، واضح ہو۔

کہ تمہارا کارڈ آج ہی ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ میں نے ۹-۱۰ روز ہوئے عزیزہ مُنّی سلمہا کے نام خط بھیجا تھا اور خط سے اگلے دن ⅝ روپیہ کا منی آرڈر کیا۔ دونوں کی رسید نہیں آئی یہاں الحمد اللہ خیریت ہے۔ جو کچھ ہمارے دشمن غیظ میں تم پر کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز کچھ نہ کر سکیں گے گھبراؤ نہیں۔ میری طرح اپنے آپ کو ہمیشہ علیحدہ رکھو۔ ان کو جی بھر کر ظلم کر لینے دو۔ مجھ کو پورا یقین ہے کہ جلد یا بدیر ظلم اور قطع رحمی کی سزا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث کے موافق آخرت سے پہلے دُنیا میں بھگتنا پڑتی ہے۔ تم صبر کرو۔ کسی بُرائی یا انتقام میں حصّہ نہ لو۔ صبح و شام سات سات مرتبہ:۔

حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔	مجھے اللہ ہی کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔ (ترجمہ مرتّب)

اور سات سات مرتبہ:۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ۔	کوئی معبود نہیں مگر عظیم و حلیم خدا، کوئی معبود نہیں مگر عرش عظیم کا مالک اللہ، کوئی معبود نہیں مگر اللہ جو کہ آسمانوں زمین اور عرش کریم کا مالک ہے۔ (ترجمہ مرتّب)

پڑھ کر حق تعالیٰ سے اپنی حفاظت کی دعا کیا کرو۔ خدا سے اپنا معاملہ صاف رکھو پھر کچھ پروا نہیں زیادہ کوشش سے نہیں اگر بسہولت کوئی صورت تبادلے کی ہو تو اسے قبول کرنا۔ بندہ دعا کرتا ہے۔ میرا ارادہ ربیع الثانی کے شروع میں حیدرآباد جانے کا ہے اگر کوئی مانع پیش نہ آیا حضرت والدہ صاحبہ کی خدمت میں سلام و آداب فرزندانہ معروض ہے۔ منی بیٹی اور سب بچوں کو دعا۔ اور گھر میں سب خرد و کلاں کو سلام و دعا۔ بلند شہر میں نے لکھا تھا انہوں نے یہاں میرے لئے آم بھیجے تھے۔ عزیزم مولوی محمد یحیٰی سلمہ اور مولوی عتیق الرحمٰن سلمہ خیریت سے ہیں۔ مولوی عتیق کو دو ایک روز سے دانتوں میں کچھ تکلیف ہے۔ خدا تعالیٰ شفا دے۔ آج کمی ہے۔ حضرت مفتی (عزیز الرحمٰن) صاحب اور محلے والوں کو سلام۔ برادر عزیز سعید سلمہ کی طبیعت اب کیسی ہے۔

ڈابھیل ضلع سورت

۹ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ (مطابق ۲۸ راگست ۱۹۲۸ء مطابق مہر ڈاکخانہ ڈابھیل)

پتہ مکتوب الیہ: دیوبند ضلع سہارنپور محلہ گدیواڑہ بمطالعہ برادر عزیز بابو فضل حق فضلی سلمہ اللہ تعالیٰ وارد ہ

۱۔ مولوی یحیٰی تھانوی میمونہ خاتون کے خاوند۔ فاضل دیوبند ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں علامہ کے ساتھ کراچی آئے اور یہیں رہ پڑے۔ آجکل اسلامیہ کالج کراچی میں مدرس ہیں۔

۲۔ مولوی عتیق الرحمٰن مفتی عزیز الرحمٰن کے صاحبزادہ اور علامہ کے بھتیجے ندوۃ المصنفین دہلی کے مدیر ہیں۔

۳۔ سعید سے مراد مولوی سعید احمد علامہ کے چھوٹے بھائی ہیں جو دیوبند میں ہیں۔

خطوطِ علامہ بنام مولانا محمد یوسف صاحب بنوری

تعارف:۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری (صوبہ سرحد پاکستان) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی تلامیذ میں سے ہیں۔ بڑے ہی عالم و فاضل ہیں۔ جامعہ ڈابھیل ضلع سورت (گجرات) اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں۔ حضرت الشیخ مولانا سید انور شاہ صاحب سابق محدث دارالعلوم دیوبند متوفی ۱۳۵۲ھ سے گہری عقیدت رکھتے ہیں اور ان کے اخص الخواص

شاگردوں میں سے ہیں۔ ڈابھیل میں ہر دو حضرات سے پڑھتے رہے۔ بعد ازاں ڈابھیل میں پڑھاتے رہے۔ اب موصوف نے نیوٹاؤن جامع مسجد کراچی میں ایک عربی مدرسہ جامعہ اسلامیہ عربیہ کے نام سے چند سال سے کھول رکھا ہے۔ جس میں آپ دورۂ حدیث بالخصوص بخاری کی تعلیم دیتے ہیں آپ جہاں بہت بڑے محدث ہیں وہاں عربی زبان کے قادر الکلام ادیب بھی ہیں چنانچہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کے "سوانح عمری" عربی زبان میں لکھے ہیں۔

آپ کا زبردست شاہکار یہ ہے کہ آپ نے حدیث کی مشہور کتاب ترمذی کی کئی جلدوں میں معارف السنن کے نام سے شرح لکھی ہے اور متقدمین علما کا سا مقام حاصل فرمایا ہے میرے اُستاذ بھائی اور مشفق دوست ہیں۔ اکثر ملاقاتیں رہتی ہیں۔ خدائے کریم ان کی عمر دراز کرے اور لوگوں کو ان سے فیض پہنچاتا رہے۔ آمین۔

حسب ذیل چودہ خطوط مولانا محمد یوسف صاحب نے علامہ عثمانی کے مجھے عنایت فرمائے تھے جو خطوط کی تاریخی ترتیب میں اپنے اپنے مقامات پر آئیں گے۔

<u>خطوط کی تاریخی ترتیب</u> | پہلا خط — ۲ر محرم سنہ ۱۳۴۸ھ ÷ دوسرا خط — ۱۸ر ذوالحجہ سنہ ۱۳۵۱ھ ۱۲ر اپریل سنہ ۱۹۳۳ء

تیسرا خط — ۸ر رمضان سنہ ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۷ء ÷ چوتھا خط — ۲۸ر ذوالحجہ سنہ ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۷ء

پانچواں خط — ۲۲ر صفر سنہ ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء ÷ چھٹا خط — ۲۹ر صفر سنہ ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء۔

ساتواں خط — ۱۳ر ذوالحجہ سنہ ۱۳۵۸ھ ۲۱ر اپریل سنہ ۱۹۳۹ء ÷ آٹھواں خط — ۱۹ر جون سنہ ۴۲ء تاریخ ہجری ندارد

نواں خط — ۱۲ر ذوالقعدہ سنہ ۱۳۶۱ھ ۲۳ر نومبر سنہ ۱۹۴۲ء۔

دسواں خط — ۱۰ر شوال سنہ ۱۳۶۲ھ ۱۰ر اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء۔

گیارھواں خط — ۴ر ذوالحجہ سنہ ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۴ء

بارھواں خط — ۲۴ر ربیع الاول سنہ ۱۳۶۴ھ ۱۱ر مارچ سنہ ۱۹۴۵ء۔

تیرھواں خط — ۷ر جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۶۴ھ ۱۸ر مئی سنہ ۱۹۴۵ء۔

چودھواں خط — ۱۲ر رمضان سنہ ۱۳۶۴ھ ۲۱ر اگست سنہ ۱۹۴۵ء۔

(۳) بنام مولانا محمد یوسف صاحب بنوری

(نوٹ) حضرت استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کشمیر تشریف لے گئے ہیں جو آپ کا آبائی وطن ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، حضرت شاہ صاحب کے جاں نثار شاگرد ہیں وہ اس سفر میں ہمراہ ہیں۔ علامہ عثمانی نے ان کے خط کے جواب میں کشمیر کو خط لکھا ہے۔ غالباً یہ وہ زمانہ ہے جب مولانا محمد یوسف ڈابھیل میں زیر تعلیم ہیں۔ (مرتب)

از بندہ شبیر احمد عثمانی

بمطالعہ برادر عزیز مولوی محمد یوسف صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون آنکہ۔ آپ کا خط پہنچا۔ میں دو ماہ سے علیل تھا۔ اب بحمداللہ صحت ہے۔ آپ اپنی اور حضرت شاہ صاحب کی خیریت سے وقتاً فوقتاً مطلع کرتے رہئے۔ بہت خوش قسمتی ہے کہ آپ کو حضرت شاہ صاحب کی ملازمت (خدمت میں ساتھ رہنے) کا شرف حاصل ہے۔ استفادے کے لئے اس موقع کو مغتنم سمجھو۔ ہم تو بُعد کی وجہ سے محروم ہیں۔ حق تعالیٰ پھر قرب صحبت نصیب کرے۔ یہاں بارش شروع ہو گئی۔ مدرسے کے احوال ٹھیک ہیں سب لوگ اپنے کام میں مشغول ہیں۔

از ڈابھیل

۲ رمحرم ۱۳۴۸ھ (۱۹۲۹ء)

(تبصرہ) حضرت شاہ صاحب اپنے زمانے کے امام بے مثل تھے۔ بڑے بڑے علماء ان سے مسائل پوچھتے اور علمی استفادہ کرتے۔ علامہ شبیر احمدؒ اتنے بڑے عالم ہو کر بھی شاہ صاحب سے استفادہ کرنے کے متمنی نظر آتے ہیں اور انکساری کا اظہار فرما رہے ہیں۔

(۴) بنام مولانا محمّد یوسف صاحب

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

بمطالعہ برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون آنکہ مدت کے بعد تمہارا خط ملا۔ میرے دانتوں میں عرصے سے تکلیف رہتی تھی۔ بہت سے نکلوا دئے، کچھ باقی ہیں۔ دعا فرماتے رہئے۔

تصنیف کے سلسلے میں اکثر اوقات گذرتے ہیں۔ حق تعالیٰ تکمیل کرائے اور وداریں میں مقبول بنائے۔ فوائد قرآن کریم[ل] انشاء اللہ تعالیٰ جلد شائع ہو جائیں گے۔ آپ کے حق میں دعا کرتا ہوں حق تعالیٰ سکون و طمانیتِ قلب اور ظاہری و باطنی غنا نصیب کرے۔ اور علمی خدمات انجام پائیں

یہ سن کر بہت مسرّت ہوئی کہ والد صاحب مدظلہم کو اس معاملے میں کامیابی کی توقع ہے۔ حضرت شاہ صاحب ہنوز تشریف نہیں لائے۔ علالت و نقاہت کے سبب سے رکے ہوئے ہیں۔ خدا جانے کب تک آسکیں گے۔ مجھے بھی درس و تصنیف دونوں کا جمع کرنا دشوار ہے۔ شاید درس کو ملتوی کرنا پڑے۔

عزیزم مولوی محمد یحییٰ سلمہ خیریت سے ہیں۔ سلام مسنون کہتے ہیں۔ عزیزم مولوی عتیق الرحمٰن سلمہ خیریت سے ہیں۔ سلام مسنون کہتے ہیں۔ عزیزم مولوی عتیق الرحمٰن سلمہ دیوبند ہیں اور سب حضرات خیر و عافیت سے ہیں۔

تمہارے مشاغل علمیہ کی خبر سن کر محظوظ ہوا۔ حق تعالیٰ ترقی اور برکت عطا فرمائے۔ مجلس علمی کے متعلق مولوی سید احمد رضا[ے] صاحب مینیجر مجلس سے خط و کتابت کیجیے۔

پتہ: برادر محترم جناب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دامت مکارمہم گڑھی میر احمد شاہ مرحوم پشاور سرحد۔

از ڈابھیل
۱۸ ذوالحجہ ۱۳۵۱ھ (مطابق مہر ڈاکخانہ ۱۴ اپریل ۱۹۳۳ء) (مرتب)

ل فوائد قرآن وہی مشہور علامہ کی تفسیر۔ ے مولوی سید احمد رضا صاحب بجنور (یو۔پی) کے رہنے والے دیوبند کے فاضل ہیں اور ڈابھیل میں مدرس تھے۔ بڑے فاضل اور لائق ہیں۔ آپ کا شاہکار انوار الباری قیامت تک چمکتا رہے گا۔ میرے ہم ضلع ہیں۔ (مرتب)

مکتوب گرامی حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بنام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی

(تعارف) آئندہ صفحات میں علامہ عثمانیؒ کا ایک مکتوب حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ کے نام ہے لیکن دراصل وہ مکتوب مولانا حسین احمد صاحب کے گرامی نامے کا جواب ہے لہٰذا جبتک مولانا مدنیؒ کا مکتوب گرامی درج نہ کیا جائے اس وقت تک نہ مولانا عثمانی کے خط کا صحیح جواب سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ صحیح لطف آسکتا ہے۔ ۱۹۳۲ء کی بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بعض ارکان مجلس شوریٰ نے یہ تحریک شروع کی کہ علامہ عثمانیؒ کو صدر مہتمم کے عہدے پر دارالعلوم میں لایا جائے۔ ۱۹۲۸ء میں علامہ دارالعلوم سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے تھے حالانکہ اس سے پہلے آپ دارالعلوم میں ہی درس تدریس کی خدمات پر کسی معاوضے کے بغیر مفت تعلیم دیتے تھے۔ دراصل دارالعلوم میں آپ کی شخصیت کا موجود رہنا باعث فخر تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مولانا مدنیؒ دارالعلوم میں شیخ الحدیث تھے۔ چنانچہ مولانا مدنی نے اسی زمانے میں دارالعلوم کی ایک مجلس شوریٰ میں علامہ عثمانی کے صدر مہتمم کے عہدے پر مقرر کئے جانے کی مخالفت کی تھی۔ مولانا عثمانی کو یہ معلوم ہوا کہ میری خواہش صدارت اہتمام پر نہ تھی اور نہ ہے نہ میں نے اس کا کسی سے اظہار کیا لہٰذا میری ذات پر اس طرح کی بحث چھڑنے کے کیا معنی۔ کچھ عرصے کے بعد مولانا مدنیؒ نے علامہ عثمانی کو حسب ذیل خط تحریر فرمایا جس میں اپنے دل کی صحیح ترجمانی فرمائی اور واقعات سے نقاب کشائی فرمائی۔

میں ان دونوں حضرات کے خطوط کو تبرک سمجھ کر اس مجموعۂ مکتوبات میں پیش کر رہا ہوں قارئین کو ان دونوں حضرات کے خیالات کی روشنی میں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہمارے اکابر کے درمیان میں اختلاف اگر ہوئے بھی ہیں تو ان کا ظہور نیک نیتی پر مبنی ہوتا تھا۔ آپ کو دونوں حضرات کے خطوط میں صفائی قلب اور خوشگوار تعلقات رکھنے کا جذبہ موجزن نظر آئے گا۔ آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے کمالات کے اعتراف میں اپنے آپ کو دوسرے سے کمتر سمجھنے میں کس قدر پیش پیش ہیں۔ اختلافات کہاں نہیں ہوتے

البتہ اکابر میں مخالفتیں نہیں ہوا کرتیں۔ ان دونوں خطوط میں بھی اختلاف تو نظر آتا ہے مگر مخالفت کا نام نہیں۔ بس اسی جذبے کے ماتحت ان تبرکات کو پڑھا جائے ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان خطوط کو زندہ رکھنے کے لئے اس مجموعے میں ان کو جگہ دی ہے کہ اہل بصیرت کو اکابرین کے اختلافی نظریات میں بہت سی مشکلات کا حل مل جاتا ہے۔ (انوار مرتب)

مکتوب مدنیؒ بنام عثمانیؒ

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ

اور وہ لوگ جو غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔

سیدنا المحترم زادت معالیکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

عرصہ دراز سے ارادہ کر رہا ہوں کہ عریضۂ ادب ارسال خدمت کروں مگر عدیم الفرصتی نے آج تک اس شرف کے حاصل کرنے میں تعویق کی۔

مجھے افسوس اور صدمہ ہے کہ جو ابحاث مجلس شوریٰ میں پیش آئیں ان کا انجرار یہاں تک ہوا کہ ناقلین کے الفاظ باعث تکدر ہوئے۔

محترما! ابحاث اور ان کے نقل کے اندر ضرور افراط و تفریط سے کام لیا جاتا ہے مگر اتنی بات یقینی ہے کہ میں جناب کے لئے وظیفۂ اہتمام خواہ بصورت صدارت ہو یا بغیر صدارت مناسب نہیں جانتا ہوں (ممکن ہے کہ میرا خیال غلط ہو) میں نے اُس مجلس میں آنجناب کے علمی کمالات تحریر و تقریر میں فائق و ماہر ذکاوت و حافظہ میں بے نظیر ہونے کا خود اقرار کیا تھا اور اب بھی اقرار کرتا ہوں اور اسی بناء پر میں یہ خیال کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہوں کہ جناب کے لئے صدارت تدریس مناسب اور شایاں ہے۔ اس کو لوگ پالیسی یا ڈپلومیسی پر حمل کرتے ہیں۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ میں اپنی استعداد اور قابلیت علمی اور تقریری و تحریری آپ کے شاگردوں کے پایہ کی بھی نہیں پاتا۔ میرا پختہ اور صحیح خیال ہے کہ جناب کے شایان شان صدارت تدریس ہے اگر آپکے لئے وہ جگہ تجویز ہو تو میں اپنا علیحدہ بھی ہونا بخوشی دُخرمی منظور کر دُوں گا اور ماتحت رہ کر خدمات مدرسہ بھی بخوشی منظور کروں گا۔ ہر دو میں نہ مجھ کو

عار ہوگا اور نہ مخالفت۔ میری کبھی بھی سعی اس کے نہ خلاف ہوئی اور نہ ہوگی (انشاءاللہ) مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ میرا خیال ہے کہ آپ میں بعض کمزوریاں بھی ہیں جن میں سے عدم استقلالی اور کان کا کچا ہونا، اور انتظام سے طبعی تناسب نہ ہونا ہے۔ میرے نزدیک واقعات اس کے لئے موجود ہیں مثلاً آپ کو یہ خبر دی گئی کہ سیاہ جھنڈیوں سے آپ کا استقبال کیا جائے گا آپ نے اس کی تصدیق کر لی اور سخت متاثر ہوئے۔ واللہ باللہ اس امر کا ادنیٰ سا بھی خیال نہ آیا تھا۔ تذکرہ یا ارادہ تو درکنار۔ اسی طرح عدم استقلال کی حالت ہے یہ امور اس عہدے کے لئے مضر ہیں۔ ایک صدر اہتمام کے کان میں ہر صاحب غرض اپنی اغراض کو تزدیر کرکے اس طرح ظاہر کرے گا کہ اس پر ظاہری طریقہ پر کوئی شبہ دروغگوئی کا نہ کیا جا سکے گا۔ ایسی صورت میں اذن ہونا سخت مضر ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ میرا خیال (ممکن ہے کہ غلط ہو) یہ ضرور ہے کہ یکزوریاں آپ میں ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ سینکڑوں کمالات بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے عطا فرمائے ہیں جن کے سُرادقات تک بھی ہم نالائقوں کی رسائی نہیں۔ جبکہ ممبران مشورہ نے زیادہ کجکاو کیا تو اس کا تذکرہ ضرور آیا مگر کوئی ایسی چیز جو کہ آپ کے اخلاق کریمانہ یا آپ کی شرافت شخصی میں اثر رساں ہو تذکرہ نہیں کی گئی۔

مَیں نہیں جانتا کہ آپ تک آیا یہی خبریں پہنچائی گئی ہیں یا کم و بیش۔ بہرحال میں نے جو کچھ کہا یا کیا وہ صفائی سے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے اور مَیں اس اپنے عقیدہ اور خیال پر ابھی تک قائم ہوں۔ آپ کے لئے یہ عہدہ موزوں نہیں سمجھتا والعلم عنداللہ۔ پس اگر آنجناب کو صدمہ اور رنج مجھ سے ان اقوال کی بنا پر پہنچا ہے اور اخبار دلالت کرتی ہیں کہ ضرور پہنچا ہے تو میں معافی کا طالب ہوں۔ خیال اب بھی اس وجہ سے وہی ہے کہ ہر شخص کے مناسب حال کوئی کام ہوتا ہے۔ جس طرح آپ کے مناسب طبابت، ڈاکٹری، انجنیئری نہیں ہیں اسی طرح یہ عہدہ بھی آپکے لائق نہیں ہے اس پر نہ آپ کو توہین کا خیال ہونا چاہئے اور نہ صدمہ کرنا چاہئے۔

میری اصل غرض اسی عریضہ سے یہ ہے کہ جناب کے صدمہ کا ازالہ ہو جائے اور اگر میں خطاوار ہوں تو اس کی معافی ہو جائے۔ مَیں صدارت تدریس کے لئے آپ کی ذات کو بدل و جان قبول اور منظور کرنے والا ہوں۔ ایک مجھ جیسے پردیسی غریب الوطن کی حالت

ہی کیا ہو سکتی ہے۔ بنابریں اُمیدوار ہُوں کہ دل سے رنج اور صدمہ کو میری طرف سے حسب ارشاد خداوندی نکال دیں حقیقت وہ ہے جو عرض کی گئی۔ اور چونکہ خواجہ تاشی کی نعمت بفضلہ تعالےٰ حاصل ہے اس لئے ہمارا آپس کا جنگ وجدال اور تخالف وغیرہ بھی عداوت اور دشمنی پر محمول نہ ہونا چاہیئے۔ ایک وقت میں لڑیں گے اور دُوسرے وقت میں ملیں گے۔ عداوت قائمہ اور عداوت قلبیہ نہ ہوگی۔ واللہ یصلح الاحوال ویرزقنا اتباع اسلافنا الکرام ثم لا یخفی لدیکم انی منغمس فی بحار الخطایا والذنوب وتقصیر حقوق من لہ الحقوق علی ومقر بسائر انواع التقصیر ولکم الفضل والمنۃ والسلام۔ ۲۱ رجب ۱۳۵۲ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(۵) خط حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بجواب حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

بخدمتہ گرامی کو مفرما محترم مکرم معظم دام مجدہم

بعد سلام مسنون نیاز مشحون آنکہ۔ الطاف نامہ غیر متوقع طور پر پہنچا جس محبت واخلاص اور حسن نیت کے جذبہ سے وہ لکھا گیا ہے اُسی روشنی میں بندہ نے پڑھا۔ سچ یہ ہے کہ یہ مکتوب میرے نزدیک جناب محترم کی سیادت وشرافت اور جانشینی استاذ مرحوم کا مرقع ہے۔ آپ کے بزرگانہ اخلاق سے ہم نیازمند یہی توقع رکھتے ہیں۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء ووفقنا وایاکم لما یحب ویرضی۔

اس کے بعد چند حقائق عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ اُن پر یقین کریں فبہا ونعمت۔ ورنہ میں جانتا ہوں کہ زمانہ کسی سچی بات پر جو بلا آمیزش تکلف وتصنع کہی جائے یقین کرنے کا نہیں ہے تاہم آپ کی ذات سے اُمید رکھتا ہوں کہ مجھے اس بیان میں کاذب خیال نہ فرمائیں گے۔

وظیفۂ اہتمام کی بحث میں جو کچھ گفتگو آپ نے مجلس شورٰی میں فرمائی وہ بلا کم وکاست آپ کے تحریر فرمودہ الفاظ میں نہایت ثقہ راویوں کے ذریعہ سے مجھے پہنچی تھی۔ جہاں تک اہتمام کے متعلق آپ کا دعویٰ ہے وہ بالکل صحیح اور دُرست ہے واللہ العظیم میں خوب جانتا ہوں

کہ مَیں نہ اس کا اہل ہُوں نہ میرے لئے مناسب ہے نہ بحمداللہ ادنیٰ ترین خواہش دل میں ہے بلکہ اگر آپ یقین فرمائیں تو کہہ سکتا ہوں کہ مَیں اس چیز سے انتہائی حد تک نفور اور کارہ ہوں جس کا اظہار بعض ان حضرات پر بھی قوت کے ساتھ کر چکا ہوں جو اس میں مساعی تھے۔ مجھے زیادہ صدمہ اس چیز سے پہنچا کہ جس مسئلہ سے مَیں خود اس قدر بیزار ہُوں اُسی کو زیرِ بحث لا کر ناخوشگوار مناقشات و منازعات کا دروازہ کھولا گیا۔ اور خواہی نخواہی میرے ملکات و خصائل پر آپ کو کلام کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لیکن جب یہ چیز زیرِ بحث آ گئی تھی تو آپ کی رفعت شان اور خواجہ تاشی کا تعلق اس کو مقتضی تھا کہ آپ میری ذات کے متعلق یونہی بے تحقیق ریمارک شروع نہ کر دیتے۔ بحمداللہ آپ کا میرا ایسا انقطاع نہیں تھا کہ آپ میرے احوال و خیالات کے متعلق مجھ سے کوئی بات نہ کر سکیں کبھی ایک مرتبہ بات کر کے تجربہ تو کر لیا ہوتا۔ یہ ہی شکوہ تھا جو مَیں نے مولوی سعید احمد صاحب بنگالی ممبر دارالعلوم کے سامنے کیا۔ مَیں نہایت صفائی سے کہتا ہوں کہ آپ کا دعویٰ کہ میں منصب اہتمام کے لائق نہیں یا اہتمام میرے مناسب نہیں بالکل صحیح ہے۔ لیکن جو دلائل پیش کی گئیں ان کے بعض اجزا یقیناً غلط ہیں۔ یہ بالکل دُرست ہے کہ طبعًا و فطرۃً مجھے کارِ اہتمام سے مناسبت نہیں اور اس سے زائد کہ جو شروطِ اہتمام دارالعلوم کے لئے میرے خیال میں معتبر ہیں ان سے میں محرُوم ہُوں۔ مگر کانوں کا کچّا ہونا اور عدمِ استقلال۔ اللہ کے فضل و رحمت سے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کسی صحیح معیار کے مطابق ان کو ثابت نہ کر سکیں گے۔ اور اگر کر دیں گے تو مَیں ممنون ہوں گا کہ آپ نے ان عیوب اور آفاتِ نفس پر مجھے مطلع فرما دیا جن پر باوجود محاسبۂ نفس کے مطلع نہ ہو سکا تھا آپ نے سیاہ جھنڈیوں کے جس قصّہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ مجھ سے ایک ثقہ راوی نے جو آپ سے پُوری عقیدت رکھتا ہے بیان کیا۔ لیکن اس نے یہ نہیں کہا نہ مَیں نے یہ سمجھا کہ یہ چیز آپ کے اشارے یا اطلاع سے ہوئی ہے نہ اس سیاق میں کبھی میں نے آپ کا نام لیا۔ ہاں مَن یسمع یخل[1] کے قاعدہ سے جب بعض طلبہ کی نسبت میں نے ایسا سُنا تو صدمہ کا اظہار کیا کہ آج ہمارے طلبہ کی حالت یہ ہو گئی ہے اور جب مجھ سے بعض طلبہ نے جامع مسجد میں بیان کرنے کی خواہش کی تو میں نے یہ ہی جواب دیا کہ جو لوگ میرا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کرنا چاہتے ہیں وہ میرے بیان کو کیسے گوارا کریں گے معاف کیجیے اگر میں کہوں کہ اس سلسلے میں آپ کانوں کے کچّے ثابت ہوئے۔ آپ سے کسی نے کہ

---

[1] جو شخص سنتا ہے تو خیال کرتا ہے۔

دیا کہ مَیں آپ کی طرف اس تجویز کی نسبت کرتا ہُوں۔ چنانچہ آپ مجھے اس خط میں یہی بطور تبری لکھ رہے ہیں کہ تذکرہ یا ارادہ تو درکنار واللہ باللہ اس امر کا ادنیٰ سا خیال نہ آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ارادہ اور ادنیٰ ترین خیال کی نفی تو آپ اپنے ہی سے کر سکتے ہیں دوسروں کے قلوب پر کون ایسا جزم کر سکتا ہے۔ پس آپ کو راوی کی تصدیق کرنے سے پہلے ایک مرتبہ مجھ سے دریافت کر لینا تھا۔ مَیں بقسم عرض کرتا ہوں کہ میں نے اس سلسلے میں ایک حرف بھی آپ کی نسبت نہیں کہا نہ یہ خیال میرے دل میں گذرا کہ ایسے رکیک فعل کی نسبت آپ کی طرف کروں۔

میرے محترم اور بزرگ بھائی! اگر یہی معیار کانوں کے کچے ہونے کا ہے تو دنیا میں شاید ہی کوئی شخص کانوں کا پکا ثابت ہو سکے۔ پچھلے قصّوں میں بڑے بڑے مستقل مزاجوں اور پکے کان والوں کو دیکھ لیا کہ کس طرح محض اپنے حاشیہ نشینوں کی رطب و یابس روایات پر اعتماد کر کے بعد و ہجر اور اختلافات کی خلیج کو وسیع کرتے رہے۔ اگر اخبار میں تبیین و تثبت سے کام لیتے تو ہرگز یہ صُورت پیش نہ آتی۔ اگر آپ چاہیں گے تو اس کا نہایت پختہ تحریری ثبوت پیش کر سکتا ہُوں۔ مگر افسوس کہ ان کا اُذُنٌ ہونا تو اُذُنُ خیر پر حمل کر لیا جاتا ہے جو مضر نہیں لیکن میرا اذن شر ہونا متعین ہے جو بجز ضرر کے کوئی دُوسرا پہلو نہیں رکھتا۔

رہا میرا عدم استقلال۔ یہ وُہ پروپیگنڈہ ہے جس کا ڈھول دسوں برس سے میرے حاسد بڑے زور شور سے پیٹ رہے ہیں۔ اگر عدم استقلال کے معنی یہ ہیں کہ ایک کام کو اچھا سمجھ کر اختیار کرنے کے بعد محض کم ہمتی اور کسل کی بنا پر چھوڑ دیا جائے تو میں متمنی ہوں کہ آپ اس کی چند نظائر پیش فرما کر میرے نفس امارہ کی اصلاح و تنبیہ کا اجر حاصل کریں اور اگر عدم استقلال سے یہ مُراد نہیں تو کم از کم سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کا یہ قول ضرور مستحضر رکھیں:۔

الصادق یتقلب فی یوم واحد مائۃ مرۃ والمرائی یثبت علی حالۃ واحدۃ مائۃ سنۃ۔

سچّا آدمی ایک دن میں سَو مرتبہ بدلتا رہتا ہے۔ اور ریا کار ایک ہی حالت پر سَو سال تک قائم رہتا ہے۔

دیکھیے بُرا نہ مانیئے آپ خود سیاسیات کے کتنے تقلبات اور اطوار میں سے گذرے ہیں کیا اسے عدم استقلال کہیں گے۔ آپ نے فوائد قرآن کی تکمیل شروع کی فرصت نہ ہوئی نہ کر سکے

اور خدا جانے کتنے کام ایسی نوعیت کے ہوں گے۔ میں تو بخدا آپ کو غیر مستقل مزاج نہیں سمجھتا بہرحال عدم استقلال کا لفظ استعمال کرتے ہوئے صرف عام شہرت اور طویل پروپیگنڈے کا شکار نہ ہونا چاہیئے عوام اور عیار پروپیگنڈا کرنے والے تو شائد عدم استقلال کا صحیح مفہوم بھی ادا نہ کر سکیں۔ اہل علم و دیانت کی شان ان سے اعلیٰ و ارفع ہے وہ ایک لفظ زبان سے نکالیں تو

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (جس کا تجھے علم نہیں اس کے درپے نہ ہونا چاہیئے۔

اور مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ انسان جو کچھ زبان سے نکالتا ہے تو اس پر محافظ و نگران موجود ہے) (مؤلف)

کا پہلے خیال رکھیں۔ اور یہ بھی پیش نظر رہنا چاہیئے کہ انسان کے اُصول بدلتے رہتے ہیں۔ اگر ایک وقت اس میں عدم استقلال ہو تو لازم نہیں کہ ہمیشہ ایسا ہی رہے۔

اس تحریر کا حاصل آپ یہ نہ سمجھیں کہ مجھے غیر مستقل یا اُذن کہنے پر غصہ آ رہا ہے یہ تو کوئی چیز نہیں جو کمزوریاں اور نقائص مجھ میں ہیں ان کے سامنے تو یہ معائب شائد محاسن سمجھے جائیں اور مجھے مغتنم سمجھنا چاہیئے کہ اللہ کے بندوں کی نظر میرے ان واقعی معائبُ مساوی پر نہیں پڑی۔ مجھے رنج اور تاسف اس پر ہے کہ آپ جیسی بزرگ اور عالی مرتبہ ہستی محض سُنی سُنائی چیزوں سے متاثر ہو کر بھرے مجمع میں عیب چینی کرنے لگے اور اتنی زحمت گوارا نہ کرے کہ خود صاحب قصہ سے تحقیق حال کرے۔

مولانا المحترم! آپ میرے معاملے میں اپنے ان بعض حاشیہ نشینوں پر اعتماد نہ فرمائیں جنہیں پندرہ بیس برس تک میرے گرد اور عیبہ رہنے کا دعویٰ ہے اور جن کے احوال سے میں بھی اتنی ہی واقف ہوں جتنا وہ مجھے جانتے ہیں۔ ان کا اور میرا انصاف خدائے قدوس کرے گا۔ میں تو اپنی طرف سے ہمیشہ کے لئے یہی کہوں گا۔

لَئِنْ بَسَطْتَ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَا اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ۔ (اگر تو میرے قتل کے لئے میری طرف ہاتھ بڑھائے گا تو میں ایسا نہ کروں گا کہ تجھے قتل کرنے کے لئے تیری طرف دست درازی کر دوں) (مؤلف)

وہ میری طرف سے کسی انتقام کا خطرہ دل میں نہ لائیں ہاں وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا

عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ سے غافل نہ رہیں۔

رہا صدارت اہتمام یا صدارت تدریس کا مسئلہ۔ میں یہ تحریری دستاویز آپ کے ہاتھ میں دیتا ہوں کہ میں واللہ ان میں سے کسی چیز کا طالب نہیں۔ اور نہ دارالعلوم کے ان مناصب جلیلہ کا اپنے کو اہل سمجھتا ہوں بلکہ اس طرح کے تذکرے سے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ جو لوگ اس میں کوشاں ہوں ان کو میری یہ تحریر دکھلا کر منع کر دیجئے۔ ہاں دارالعلوم بہرحال سب مسلمانوں کی متاع ہے، جنہوں نے دو چار حرف وہاں رہ کر پڑھے ہیں ان کا عزیز ترین مربی ہے۔ اکابر رحمہم اللہ کی امانت ہے۔ ان بزرگوں کا لگایا ہوا پودا ہے جن میں ایک نام میرے والد مرحوم کا تھا۔ اگر کسی وقت کوئی خیر خواہی ہو سکے گی۔ اور ظنون و تہم سے امن حاصل ہو سکے گا تو انشاء اللہ تا بمقدور دریغ نہ ہوگا۔ امید کرتا ہوں کہ آپ ان کلمات کا اثر نہ لیں گے۔ آپ کے لکھنے پر یہ چند الفاظ لکھے گئے ورنہ اس وقت اپنے عقیدہ میں دیوبند کی صدارت تدریس کے لئے آپ کو احق ترین سمجھتا ہوں۔ پھر آپ سے کینہ کپٹ کیسے رکھ سکتا ہوں۔

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن　　　آئین ما است سینہ چو آئینہ داشتن

جو الفاظ آپ کی شان گرامی کے خلاف لکھے گئے ہوں ان سے کریمانہ مسامحت فرمائیں۔

بھلا دو میرے منہ سے بات اگر کوئی بری نکلی
یہ بیدردی ہے کہنا، آہ بسمل بے سُری نکلی　　　والسلام

(۶) بنام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

(تعارف) حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں ان کو اپنے زمانے کا مجدد کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے بعد حضرت تھانوی قدیم روایات کی بنا پر دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تھے جیسے یونیورسٹیوں میں چانسلر کہا جاتا ہے۔ ۱۹۳۵ء مطابق ۱۳۵۴ھ میں ایک ایسا دور آیا جس میں مجلس شوریٰ کے بعض ارکان کی نظروں میں یہ سرپرستی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی حضرت تھانویؒ نے اس سے پہلے کہ سرپرستی پر کوئی ضرب کاری لگے سے استعفا

دے دیا۔ علامہ عثمانی نے اس خط میں حضرت تھانوی کو سرپرستی پر علی حالہ قائم رہنے کی درخواست کی ہے۔ مولانا عثمانی ان دنوں میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے۔ (مرتب)

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ۔

بخدمت سراپا برکت مخدوم و مطاع بندہ حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم۔

بعد سلام مسنون نیاز مشحون معروض آنکہ حضرت والا سے رخصت ہو کر آج تک عریضہ لکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ یہاں آکر کچھ بیمار رہا۔ پھر مشاغل درس و تالیف سے فرصت نہ ملی۔ اُمید ہے کہ حضرت کا مزاج بخیریت ہوگا۔ جو تجویز دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی کے متعلق حضرت کے سامنے قرار پائی تھی۔ اُس پر دستخط ہونے میں خلافِ توقع دیر ہوگئی۔ اب تقریباً آٹھ دس روز ہوئے۔ شیخ رشید احمد صاحب نے دستخط کر کے واپس فرمائی ہے۔ چونکہ اب دونوں طرف سے دستخط ہو کر تحریر میرے پاس آگئی تھی۔ میں نے ایک اعلانِ اجمالی اطلاع کے طور پر فضا کو قدرے پُرسکون بنانے کے لئے بعض اخبارات میں بھیج دیا۔ جو غالباً عنقریب ملاحظہ سامی سے گزرے گا لیکن کل غیر متوقع طور پر بعض خطوط سے حضرت والا کے استعفار کا حال معلوم ہوا جس سے تمام اُمیدوں کا خون ہوگیا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت کی علیحدگی خوشی سے برداشت کی جائے میں فوراً حاضر ہو کر اپنے اور جماعت دیوبند کے جذبات زبانی عرض کرتا۔ لیکن آجکل صحیح بخاری کے درس سے بالکل فرصت نہیں۔ امتحان قریب ہے اور کتاب کا ختم کرانا امتحان سے قبل ضروری ہے سردست اپنے قدیم نیازمندانہ و عقیدت مندانہ روابط کی بنا پر پوری قوت کے ساتھ یہ استدعا ہے۔ کہ حضرت استعفار کی اشاعت میں جلدی نہ فرمائیں۔ کم از کم مجلس شوریٰ کا انتظار فرمائیں۔

اور یہ خادم بھی ۱۲ ار شعبان تک انشاء اللہ دیوبند پہنچے گا۔ میری زبانی عرض و معروض کے بعد جو رائے قائم فرمائیں۔ حضرت بہر حال مختار ہیں۔ تجویز معہود کے بعد حضرت کی سرپرستی اور اُس کی نوعیت کے متعلق کوئی اختلاف طرفین سے باقی نہیں ہے۔

والسلام

از ڈابھیل۔ ضلع سورت (گجرات)

۱۴ ار رجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۴ ار اکتوبر ۱۹۳۵ء

مکتوب حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
بنام متکلم اسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی





چونکہ علامہ عثمانی کے خط کا یہ جواب ہے لہٰذا اس کا
یہاں درج کرنا تبرک سے خالی نہ ہوگا۔ (مرتب)

از اشرف علی عفی عنہ

بخدمت مشفقی مکرمی دامت فیوضہم

یاد آوری سے ممنون و مسرور ہوا۔ میں تو قلب سے تعلق کو کافی سمجھتا ہوں۔ گو خط یا ملاقات میں ظاہری دیری ہو۔ آپ نے جو کچھ دار العلوم کی مصلحت اور میری محبت سے تحریر فرمایا ہے۔ سر اسر صواب ہے۔ اس پر عمل عین نفع تھا لیکن میں اعذار قویہ سے معذور رہوں۔ ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اس صلح کے بعد جو واقعات جماعت مصلحین کی طرف سے پیش آئے اور آرہے ہیں ان سے بدلالت غیر مشتبہ واضح ہوتا ہے کہ جو صلح منظور کی گئی ہے وہ محض لفظی صلح ہے۔ جیسے نزاع لفظی نزاع نہیں ہے اسی طرح صلح لفظی صلح نہیں۔ ان مصلحین کی نیت ہی اشتراک عمل نہیں ہے بلکہ محض اپنا انفراد و استبداد (ہے)۔ پھر انفراد کا بھی مضائقہ نہ تھا اگر بزرگوں کے مسلک پر کام ہوتا۔ میں تو علم الیقین سے بڑھ کر عین الیقین سے دیکھتا ہوں کہ کانگریسی مسلک کی روح مدرسہ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہ تو مصلحین کی حالت ہے۔ اب رہ گئی دوسری جماعت جس کا لقب مصالحین مناسب ہے۔ ان کی یہ حالت ہے کہ وہ کچھ ضعف کے سبب اور کچھ حسن ظن کے سبب ان کے اتباع و موافقت ہی میں اپنی خیر سمجھتے ہیں۔ ضعف کی یہ حالت کہ جو تجویز مصالح دار العلوم کے لئے ہوتی ہے اس پر نہ عمل کریں نہ رائے بدلنے کی اطلاع کریں ہر وقت مصلحین کی ارضاء کی فکر میں سرگرم ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو دو چار مخلصین و قوی الحزم ہیں ان کے ہاتھ میں کام ہی نہیں وہ بد دل ہوتے جاتے ہیں۔ جب موافقین کی یہ حالت اور مخالفین کی وہ حالت تو بے چارہ مسکین سرپرست بجز سلامت برکنار راست کے کیا تجویز کرے۔ جتنا آپ نے اپنی محبت سے اس علیحدگی پر تاسف

فرمایا دوسری جماعت نے تو اس سے عشر عشیر بھی نہ کچھ کیا۔ بلکہ واقعات سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس کو اپنے لئے نعمت و غنیمت سمجھا۔ اور اگر اس وقت اس سے کوئی امر مانع تھا تو جیسے آپ نے محبت سے لکھا ہے کہ تیری علیحدگی خوشی سے گوارا نہیں کی جا سکتی اسی جلسہ میں معلوم ہو جائے گا۔ اس جماعت میں سے کون کون اس خیال کے ہیں اور مجھ سے کیا کہتے ہیں۔ یہ تو اب بھی ان کے اختیار میں ہے۔ میں نے حلف تو نہیں اٹھایا جیسے پہلے استعفاء کو واپس لے لیا اب بھی ممکن ہے۔ مگر میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا اور اگر اچھے الفاظ کا استعمال بھی کیا آپ ہی وجدان سے فیصلہ کر لیجئے گا کہ الفاظ محض ہیں یا معنی سے بھی قرین ہیں اور مجھ کو جلسہ کا انتظار کرنا بظاہر مصلحت تھا مگر بعد تامل اس انتظار میں اس مصلحت سے بڑھ کر ایک مفسدہ بھی تھا مجھ کو اسی کے مقتضا پر عمل کرنا راجح معلوم ہوا وہ یہ کہ اگر اس وقت کثرت رائے سے جیسا کہ مصلحین نے کثرت حاصل کر لی ہے میری علیحدگی (اور غلامی کی سرپرستی بھی علیحدگی ہی کے مرادف ہے) طے ہو جاتی تو کیا یہ ذلت نہ تھی اور بلا ضرورت میں اس ذلت کو کیوں گوارا کرتا اور اگر فرضاً آزادی ہی کی سرپرستی باوجود مخالفت مصلحین کے کسی طرح منظور کرالی جاتی اور خدا نہ کرے دار العلوم میں کسی اور وجہ سے آمدنی میں قلت ہوتی جیسا چند روز میں ہو رہا ہے۔ تو یہ جماعت ابھی سے کہہ رہی ہے کہ ایسی آزاد سرپرستی پبلک کے خلاف ہے اور اس لئے مدرسہ میں چندہ کم ہوتا جاتا ہے تو اس وقت زیادہ کہتے تو میں اپنے سر پر بدنامی کیوں لوں۔ اب استعفاء دے کر میں نے میدان خالی کر دیا ہے۔ اگر جلسہ میں کوئی فیصلہ متفقہ ہو گیا اور میرے نزدیک بھی خلاف مصلحت نہ ہوا میں پھر خادم ہوں اور اگر اختلاف رہا تو میں مسئلہ مختلف فیہا بننا نہیں چاہتا۔ یا مختلف فیہ بین الجماعت نہ ہو لیکن میرا اختلاف ہوا تب بھی وہی معذوری۔ تطویل کلام معاف کیجئے جب مخاطب اپنا ہمدرد ہوتا ہے فریاد طویل ہو جاتی ہے۔ اب تو یہی دعا کیجئے کہ اللہ مدرسہ کی خیر کرے جس میں ہو، میرے تعلق میں ہو یا علیحدگی میں۔ والسلام۔

از تھانہ بھون ۱۷ ر رجب پنجشنبہ (۱۳)۵۴ھ

مطابق ۱۷ ر اکتوبر ۱۹۳۵ء

مشفقی مکرمی مولانا شبیر احمد صاحب دام فیضہم صدر مدرس جامعہ ڈابھیل ضلع سورت

نوٹ:- یہ مکتوب، ۱۷ ر اکتوبر ۱۹۳۵ء کا لکھا ہوا ہے جیسا کہ ڈاک خانہ کی مہر لفافہ پر ثبت ہے اور ۲۰ ر اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ڈابھیل مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے پاس پہنچا ہے ؛؛

(۷) بنام مولانا مفتی محمد جمیل صاحب بڈھانوی (ضلع مظفر نگر) مفتی ریاست مانگرول کاٹھیاواڑ

مفتی محمد جمیل صاحب بڈھانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے دیوبند کے فاضل اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ وہ ۱۹۲۲ء میں دیوبند سے فارغ ہوئے۔ اچھے مقرر اور صاحب استعداد عالم ہیں۔ ساری عمر نواب مانگرول کے پاس ان کے بچوں کی تعلیم و رخود ان کو دینی مشوروں کے دینے میں گذار دی ۱۹۴۷ء میں جہاں نواب صاحب کراچی آئے تو مفتی صاحب بھی وہاں ان کے پاس مقیم ہیں۔ نواب صاحب کے عقیدوں میں مد و جزر رہتا تھا۔ کبھی قادیانیت سے متاثر ہو جاتے کبھی حدیثوں پر شبہات کرتے۔ کبھی کہتے کہ بخاری کی ساری حدیثیں صحیح نہیں۔ اگر ہوتیں تو یہ حدیث جس میں پتھر کا موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ جانے کا ذکر ہے سمجھ میں نہیں آتی۔ غرض مفتی محمد جمیل صاحب کو اس قسم کے واقعات سے معاملہ پڑا تھا۔ وہ علامہ عثمانی سے بھی اکثر استفادہ کرتے اور واقعات لکھتے۔ ان کے بڑے بھائی قاری مولوی محمد حسین صاحب میرے رفقا میں سے کپور تھلے رندھیر ہائی سکول میں ملازم تھے اور رندھیر کالج کپور تھلے میں پروفیسر تھا قاری صاحب کا ۱۸ اگست ۱۹۶۵ء کو ملتان میں انتقال ہو گیا (مرتب)

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

ڈابھیل۔ ضلع سورت (گجرات)

۱۴ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ

بخدمت برادر مکرم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ اسی وقت آپ کا خط ملا۔ خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی ہوا مسرت تو اس کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ایسی دینی خدمت پر سرفراز فرمایا۔ جو فی الحقیقت ایک طرح کا جہاد ہے۔ اور افسوس اس شخص (نواب مانگرول (مرتب)) پر ہے جو ایک خندق سے نکل کر دوسری خندق میں گر پڑتا ہے (غالباً قادیانیت سے متاثر ہونے کے بعد تائب ہو کر منکر حدیث ہونے لگے تھے) صدق اللہ سبحانہ و تعالیٰ وھو اصدق

قائل (اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سچ فرمایا اور وہ سب سے سچا ہے)

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ الآیة

پس جس شخص کے لئے اللہ ہدایت کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے سینے کو اسلام کے (قبول کرنے کے لئے) کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنے کا کرتا ہے تو اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے گویا کہ وہ آسمان کی طرف چڑھ رہا ہے۔

میرے بھائی گھبرانا مت۔ اس کا شکر ادا کرو کہ محض اپنے فضل و توفیق سے حمایت دین کا کام لے رہا ہے۔ مشورہ یہی ہے کہ صحیح بخاری کی نسبت جو اُمّت مرحومہ کا فیصلہ ہے اس سے سر مو تجاوز کیا جائے۔ سچائی کا اظہار خصوصاً ایسے ابتلا کے وقت اپنا کام ہے۔ منوا دینا اپنا فعل نہیں۔ اللہ کے فضل و رحمت سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا اور اگر بظاہر کوئی مصیبت پیش آجائے تو حسب ذیل آیت پر نظر رکھنا:-

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

کہہ دیجئے ہرگز مصیبت نہیں پہنچتی ہم کو مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے۔ وہی ہمارا مولا ہے اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔

گفتگو میں سب سے پہلی چیز یہ طے کرنے کی ہے کہ یہ واقعہ خوارق عادات و معجزات کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ تمام معجزات پر یہی کہا گیا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ وہ عقل کے خلاف ہیں۔ ایک بچہ بھی باور نہیں کر سکتا کہ ایسی چیزیں واقع ہوئی ہوں۔ لہٰذا پہلے اصولی طور پر یہ طے کرنے کی چیز ہے کہ آیا معجزات اور خوارق عادات کا وجود ممکن ہے یا نہیں۔ مَیں نے ایک مختصر سا مضمون اس مسئلے پر شائع کرایا تھا اگر کوئی کاپی اس کی مل گئی تو آج ہی روانہ کرتا ہوں۔ اسے ملاحظہ کر لیں۔ بے شک یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ ایک پتھر کپڑے لے کر چلا جائے لیکن جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب خوارق (معجزات) حق تعالیٰ کی مشیت سے ہیں اور معجزہ براہ راست اللہ کا فعل ہوتا ہے تو ان کو اتنی ذرا سی بات کا تسلیم کر لینا کیا مشکل ہے۔

اگر وہ یہ مانتے ہیں کہ اتنی بڑی زمین مع ان تمام پہاڑوں اور مخلوق کے جو اس پر آباد ہے، دن رات اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت سے نہایت سریع اور منظم حرکت کر

رہی ہے تو یہ کیوں محال ہے کہ اس کے ارادے سے ایک ذرا سا پتھر کپڑوں کا بوجھ اُٹھا کر چند قدم حرکت کرنے لگے۔ (سبحان اللہ حضرت عثمانی نے کیا پیاری مثال دی ہے۔ (مرتّب)) بہر حال ناممکن تو نہیں کہ سکتے۔ اور ممکن ماننے کی صورت میں ایسے صحیح الاسناد واقعے کو رد کرنا کس وجہ سے قابل قبول ہو سکتا ہے۔ اگر ایک مرتبہ اس مضمون کا مطالعہ کر لو گے۔ تو انشاء اللہ شبہات کی جڑ اُکھاڑ کر پھینک سکو گے۔

ساتھ ہی غور کرنے کا مقام ہے کہ جو چیز ایسی خلاف عقل ہو کہ ایک بچّہ بھی قبول نہ کرسکے اور بے تأمل خلاف عقل کہ کر رد کر دے تو ساری اُمّت مرحومہ (جس میں بڑے بڑے عقلا، علما، حکما، اولیا اور ہر فن کے ماہرین شامل ہیں) ایسے واقعات کو صحیح مان کر ایسی جاہل، نادان اور احمق ٹھہرتی ہے کہ اس کو اُمّت وسطٰا اور خیر الامم کہنا محض مضحکہ ہوگا۔ جب صحیحین (بخاری و مسلم) میں ایسی ایسی مہمل اور صریح البطلان چیزیں موجود تھیں تو کس طرح اُمّت مرحومہ نے ان کے قبول کرنے پر اتفاق کر لیا۔

بہر حال پتھر کا کپڑے لے کر چلا جانا تو ایک بہت ہی چھوٹا سا واقعہ ہے اس سے کہیں بڑھ کر خارق عادت چیزیں قرآن و حدیث میں مذکور ہیں۔ اور جب پتھّر سے ایسی حرکت سرزد ہوئی جو جانداروں اور مکلفین کے یا ذی رُوح کے مشابہ تھیں تو حضرت موسٰی علیہ السّلام نے بھی اس کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کیا جو مکلفین کے یا ذی رُوح کے ساتھ کیا جا سکتا تھا۔ اس صورت میں موسٰی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا تبریہ (بری ہونا اس مرض سے کہ ان کے داغ ہیں) بھی ہو گیا اور ایک مستقل معجزہ بھی سامنے آگیا۔ بلاشبہ اللہ تعالٰی قادر ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور طریق سے براوت ظاہر فرما دیتا لیکن یہ سوال تو ایسا ہے جو ہر موقع پر پیدا ہو سکتا ہے۔ تکوینیات کی حکمتوں کا احاطہ کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ جس موقع پر جس کے ساتھ جس طرح معاملہ کرنا مناسب جانتا ہے کرتا ہے۔ ہر نبی کے ساتھ جو خاص خاص معاملات ہیں ہر جگہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ معاملہ انہی کے ساتھ کیوں ہوا۔

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو ۔۔۔ کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

میں دُعا کرتا ہُوں اللہ تعالٰی تم کو سربلند اور کامیاب فرمائے اور کلمۂ حق کو اعلٰی و بالا رکھے۔

از ڈابھیل ضلع سورت۔ ۱۴ ار محرم ۱۳۵۵ھ

آٹھواں خط بنام مفتی محمد جمیل صاحب بڈھانوی

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

بخدمت برادر مکرم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ - مدت ہوئی آپ کا خط ملا تھا لیکن جواب نہ لکھ سکا - آج اتفاقاً خطوط میں وہ خط بھی نظر پڑا - جواباً عرض ہے کہ صحیح بخاری میں کوئی حدیث موضوع نہیں - یہ اس قائل کی وقاحت (بے شرمی) اور جہل ہے کہ بخاری کی حدیث کو موضوع کہے میں نے فتح الملہم کے مقدمے میں صحیحین کی صحت اور انتقادات کے متعلق کافی بحث کی ہے -

الحمد للہ آپ کی مساعی جمیلہ بار آور ہو رہی ہیں - حق تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے اور مشکلات کو آسانیوں سے تبدیل فرمادے -

از ڈابھیل - ضلع سُورت
یوم عاشوراء ۱۳۵۶ھ

(۹) بنام مولانا ابُو السعد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
شیخ طریقت خانقاہ سراجیہ کُندیاں ضلع میانوالی

(تعارف) مولانا ابو السعدؒ صاحب خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی (پاکستان) کے بہت عظیم المرتبہ شیخ طریقت اور اہل اللہ حضرات میں سے تھے ان کے بہت سے خلفا اور مریدین کا حلقہ ہے جو اپنی اپنی جگہ شمع ہدایت روشن کر رہا ہے - ان کے بعد ان کے خلیفہ مولانا عبد اللہ صاحب فاضل دیوبند خانقاہ میں جانشین ہوئے جو میرے ہمدرس رہے ہیں - میں نے بھی مولانا محبوب الٰہی صاحب منگلوری کی معیت میں ۱۰ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۶۵ء کو پیر کے دن صبح سات بجے یہ خانقاہ دیکھی - اس وقت خانقاہ کے

سجادہ نشین اور خلیفہ مولانا ابو السعد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے داماد مولانا خان محمد صاحب فاضل دیوبند ہیں جو نہایت خوش اخلاق اور صحیح جانشین ہیں۔ دوپہر کا کھانا ان کے ساتھ کھایا اور بعد ازاں آموں سے لطف اندوزی کا موقع ملا۔ لیکن وہ چیز جس نے میری روح کو تازہ کر دیا وہ یہاں کا کتب خانہ ہے جس میں تفسیر وحدیث کا بالخصوص اور دیگر علوم وفنون کی کتابوں کا بالعموم نایاب ذخیرہ یہاں موجود ہے۔

خانقاہ میں آکر مولانا ابو السعدؒ صاحب اور مولانا عبداللہ صاحب رحمہما اللہ کے مزارات پر فاتحہ خوانی کی۔ مولانا عبداللہ صاحب کی یاد میں دل بھر آیا۔ وہ لاہور آئے تھے تو غریب خانے پر بھی انہوں نے چائے تناول فرمائی تھی۔ ہم سبق ہونے کے باعث جہاں لاہور میں ان کے مریدین دور دور حلقہ بنائے بیٹھتے وہاں مولانا مجھے اپنے برابر میں بٹھاتے اور فرماتے یہ میرے ساتھی ہیں۔ ہم نے سیدنا مولانا محمد انور شاہ صاحب سے بخاری پڑھی ہے۔ غرضکہ مولانا عبداللہ صاحب کی یاد میں آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور حسب ذیل فی البدیہہ اشعار ان کی یاد میں بے ساختہ قلم سے نکل گئے ؎

مولانا عبداللہ کی یاد میں

ان ہی کے جلووں کا ہے سب نظارا — ان ہی کی اُلفت نے ہے مجھ کو مارا
ہائے وہ خورشید انور کہاں ہے — ہائے کہاں ہے وُہ چاند پیارا
آنکھوں سے اپنی اوجھل ہوا ہے — تھا جو ہماری آنکھوں کا تارا
جاتی رہی ہے تسکین دل کی — جاتا رہا ہے دل کا سہارا
مدت ہوئی جب دیکھا تھا میں نے — لاہور میں اپنا وہ چاند تارا
آیا تھا میں خانقہ میں تمہاری — جلوہ نہ آیا نظر پر تمہارا
روضے پہ حاضر ہُوا ہوں تمہارے — مرقد پہ آیا ہے انور تمہارا
روضے سے اُٹھتے انور سے ملتے — مہاں سے اچھا نہیں ہے کنارا
بے صبر ہے دل بے تاب ہے دل — اب تو دکھا دو صورت خدارا
رُوئے منور کا جلوہ دکھا دو — اُٹھ کر کرا دو اپنا نظارا

اُٹھ کر کرا دو اپنا نظارا چل کر بہا دو رحمت کا دھارا
محبوب بھی تو ہے ساتھ آج آیا وہ بھی تو عاشق ہے آخر تمہارا
انور کے دل پر جو ہے آج گذری
اس کو نہ پوچھیں مجھ سے خدارا

مولانا محبوب الٰہی منگلوری دارالعلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں اس لئے خانقاہ سراجیہ ہم دونوں کے لئے روحانی مرکز ہے۔

بہرحال ذکر ہو رہا تھا مولانا ابوالسعد صاحب کا۔ مولانا ابوالسعدؒ نے مولانا عثمانی کی تفسیر اور فتح الملہم پڑھ کر علامہ عثمانی کو ایک خط لکھا جس کا مضمون مولانا خان محمد صاحب نے بتایا اور ان کو مولانا عبداللہ صاحب نے کہ مولانا عثمانی جب پاکستان بننے سے پہلے گٹھیا کے مرض مبتلا تھے اور دیوبند مقیم تھے تو میں دیوبند جب گیا تو ان سے ملا۔ انہوں نے مولانا ابوالسعدؒ کے خط کا تذکرہ کیا انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ آپ کی تفسیر اور فتح الملہم پڑھ کر دل کو بے حد سرور اور لطف حاصل ہوا۔ دونوں کی تعریف کرنے کے بعد لکھا تھا کہ :-

"میں تہجد کی نماز پڑھ کر روزانہ آپ کی درازی عمر کی دعا کرتا ہوں کہ یہ علمی فیضان آپ کی ذات سے برابر جاری رہے۔"

اس کے بعد مولانا عبداللہ صاحب کا بیان ہے کہ مولانا عثمانی نے فرمایا کہ میں نے کہا ہے کہ اس خط کو میری قبر میں میرے ساتھ رکھ دینا۔ معلوم نہیں کہ وہ خط کہاں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بہرحال علامہ عثمانی نے حسب ذیل مکتوب مولانا ابوالسعدؒ صاحب کے اسی خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

بخدمت گرامی مکرم و معظم جناب مولانا صاحب دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ مدت ہوئی والا نامہ پہنچا تھا۔ میں مشغول بہت رہا۔ پھر علیل ہو گیا۔ آنکھوں میں تکلیف تھی جس سے نوشت و خواند کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ اب الحمد للہ افاقہ ہے۔

آپ جیسے بزرگوں کی نظر عنایت اور دعوات صالحہ کا امیدوار ہوں۔ اگر میری کتاب اور فوائد قرآن سے جناب کو دلچسپی ہوئی اور آپ کی نگاہ میں پسندیدہ ٹھہری تو میں اس کو اپنے لئے اور کتاب کے حق میں فال نیک سمجھتا ہوں۔ شاید وہاں بھی حق تعالیٰ توشۂ آخرت بنادے حسن خاتمہ کے لئے دعا فرما کر بندے کو ممنون فرمائیں۔

از ڈابھیل ضلع سورت

یوم عاشوراء (۱۰ محرم سنہ ۱۳۵۶ھ مطابق دسمبر سنہ ۱۹۳۸ء)

(۱۰) دسواں خط مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے نام

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

بمطالعہ برادر محترم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ الطاف نامہ پہنچا۔ الحمد للہ میں خیریت سے ہوں۔ (افتاء فتویٰ نویسی) کے متعلق آپ کا عندیہ معلوم ہوا۔ انشاء اللہ تعالیٰ خلاف مرضی کچھ نہیں کیا جائے گا۔ اپنی خیریت سے مطلع فرماتے رہیں۔ عزیزم مولوی محمد یحییٰ سلمہ کی طرف سے سلام مسنون۔ اگر مولوی نافع صاحب سے ملاقات ہو تو سلام کہہ دیجیے۔

پتہ | برادر محترم جناب مولانا محمد یوسف صاحب
بنوری سلمہ اللہ تعالیٰ
گڑھی میر احمد شاہ مرحوم
پشاور۔ سرحد

از دیوبند
۸ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء
(مہر ڈاک خانہ سنہ ۱۹۳۷ء)

نوٹ:۔ مولوی نافع گل صاحب دیوبند کے فاضل ہیں۔

(۱۱) بنام مولانا محمد یوسف صاحب بنوری

مولانا محمد یوسف صاحب حرمین شریفین کی زیارت کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ قیام مدینہ منورہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کے دوران میں یہ خط علامہ نے مولانا محمد یوسف صاحب کو لکھا ہے جس میں اپنی عاجزی اور انکساری کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ اور دعا کے لئے بیتابی کی تصویر بن کر رہ گئے ہیں۔ (مرتب)

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

بخدمت برادر محترم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ آپ کا خط راستہ سے آیا تھا۔ پھر کل مولانا محمد یوسف صاحب کے نام پر آیا۔ اللہ جل شانہ کا شکر ہے کہ آپ صاحبوں کو ایک افضل ترین نعمت سے بہرہ اندوز فرمایا۔ امید ہے ہمارا عریضہ پہنچتے تک آپ مدینہ طیبہ کی پاک صاف ہوائیں وہاں کی برکات اور فیوض سے متمتع ہو رہے ہوں گے۔ مگر

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی   بیاد آر حریفانِ بادہ پیما را

اس سیاہ رو گنہگار کو بھی برائے خدا یاد رکھنا۔ مولانا سراج احمد صاحب[1] مرحوم جا چکے۔ خدا جانے پنا نمبر کب آجائے۔ بالکل خالی ہاتھ ہوں۔ اگر کوئی حق تھوڑا بہت اپنی سعادت سے سمجھو تو ایک مرتبہ پورے تضرع کے ساتھ اس بارگاہ عالی میں حاضر ہو کر اتحاف صلوٰۃ وسلام کے بعد میرے لئے دعا کر دینا۔ اللہ خاتمہ ایمان پر اور اپنی خوشنودی پر کر دے۔ اور دنیا و آخرت کی رسوائی سے بچائے شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی شفاعت کے سوا کوئی ذریعہ نہیں کوئی بضاعت نہیں تم پر حق ہے اس لئے بالحاح عرض کرتا ہوں۔ رفقا کو اور حضرت مولانا سید احمد صاحب[2] کو سلام مسنون۔

از ڈابھیل ضلع سورت۔ ۲۸ ذی الحجہ (۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء)

[1] حضرت مولانا سراج احمد صاحب ضلع میرٹھ کے رہنے والے دارالعلوم کے اونچے درجے کے اساتذہ میں تھے پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مولانا عثمانی کے ساتھ پڑھاتے رہے اور اسی دوران میں انتقال ہو گیا میرے استاد تھے میں نے ان سے دیوبند میں مشکوٰۃ شریف، قصیدہ بردہ، نخبۃ الفکر اور کامل مبرد کتابیں پڑھیں۔

[2] مولانا سید احمد صاحب حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے بھائی ہیں جو مدینہ منورہ کے مدرسے میں ہوتے تھے

(۱۲) بنام مولانا محمد یوسف صاحب

(تعارف) مولانا محمد یوسف صاحب بنوری حج سے فارغ ہو کر مصر پہنچے ہیں۔ ان کا ایک خط کسی اور مولانا محمد یوسف صاحب کے نام مصر سے آیا ہے اور اس سے پہلے انہوں نے ایک خط مدینہ منورہ سے مولانا عثمانی کو لکھا تھا۔ علامہ نے اس خط کا جواب لکھا ہے۔ (مرتب)

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

بخدمت گرامی کرم فرمائے محترم برادر مکرم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ کل آپ کا خط مصر سے مولانا محمد یوسف صاحب کے نام آیا پیشتر آپ کا ایک خط مدینہ طیبہ زادہا اللہ تشریفاً و تکریماً سے بندہ کے نام آیا تھا جس طرح آپ نے وہاں احقر کو اپنی دعاؤں میں شامل رکھا اور اس بارگاہ رفیع تک معروضہ پہنچایا میرے پاس الفاظ نہیں کہ آپ کا شکریہ ادا کر سکوں۔ بجز دعا کے اور کیا کر سکتا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ہزاراں ہزار شکر ہے کہ آپ دونوں صاحبوں کو اس نے اپنے فضل و کرم سے حرمین شریفین کی برکات سے متمتع فرمایا اور معتدبہ قیام نصیب کیا۔ اب آپ سے ملنے کو دل بہت چاہتا ہے۔ حق تعالیٰ احسن احوال میں ملاقات کرائے۔

مصر میں امید ہے کہ علمائے ازہر اور دیگر اہل علم و فضل سے ملاقاتوں کی نوبت آرہی ہوگی اگر یاد رہے تو شیخ ابراہیم جبالی، شیخ عدوی اور شیخ عبدالوہاب نجار کی خدمت میں بندہ کی طرف سے سلام مسنون پہنچا دیں۔

قاضی عبدالصمد سیوہاروی ابن قاضی ظہور احسن صاحب وہاں گئے ہوئے ہیں۔ ان کو بھی سلام کہہ دیجئے۔ اور میری طرف سے شیخ ابراہیم جبالی کی خدمت میں قاضی عبدالصمد کی طرف خصوصی توجہ و مراعات مبذول فرمانے کی درخواست کر دیں۔

فتح الملہم آپ کے ہمراہ نہ جا سکی۔ اگر کہو تو اس کے کچھ نسخے مع اشتہارات آپ کے پاس روانہ کر دیے جائیں۔ بہرحال تعارف مقصود ہے۔

حسب ذیل کتب کے متعلق معلوم کریں کہ یہ کتابیں مکمل کسی کتب خانے میں موجود ہیں

کیا ان کی نقول مہیا ہو سکتی ہیں۔ اور نقل لی جائے تو تخمیناً کتنا خرچ ہوگا۔

۱۔ الفصول فی الاصول للشیخ ابی بکر الرازی الجصاص۔

۲۔ الشامل للعلامہ الاتقانی فی الاصول ——— غالباً دس جلدوں میں ہے۔

۳۔ تاویلات القرآن للامام ابی المنصور الماتریدی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مطبوعہ کتب کی جس قدر فہرستیں وہاں سے مل سکیں سب بھیج دیجئے اور اپنے احوال سے مطلع فرماتے رہئے۔ برادر مکرم مولانا مولوی سید احمد رضا خاں صاحب کو سلام مسنون پہنچے فتح الملہم تیسری جلد کی طباعت آجکل میں شروع ہونے والی ہے۔

مصر کے مشائخ میں سے ایک بزرگ شیخ ابو العزائم صاحب تصانیف تھے جو ۱۳۴۴ھ کی مؤتمر[4] اسلامی میں شریک تھے۔ خدا جانے زندہ ہیں یا نہیں اگر ہوں اور ملاقات کی نوبت آئے تو میری طرف سے سلام مسنون پہنچا دیں یہ کہکر کہ ہندوبین جمعیۃ العلمائے ہند میں سے ایک شخص جس کا نام یہ ہے اور جس پر وہاں آپ کی نظر محبت وعنایت تھی، سلام کہتا ہے۔

از ڈابھیل ضلع سورت۔ ۲۲ صفر ۱۳۵۷ھ

[1] دونوں صاحبوں سے مولانا محمد یوسف صاحب مکتوب الیہ اور مولانا احمد رضا صاحب بجنوری مدرسین جامعہ ڈابھیل مراد ہیں [2] شیخ ابراہیم جبالی مصری ایک وفد کے ساتھ مصر سے دیوبند آئے تھے ان دنوں علامہ دیوبند میں صدر مہتمم تھے۔ شیخ عدوی اور شیخ عبد الوہاب بھی مصر کے علما میں سے ہیں۔ [3] قاضی عبد الصمد سیوہارے ضلع بجنور یو۔پی کے رہنے والے قاضی ظہور الحسن کے صاحبزادے ہیں اور میرے دوست ہیں وہ دار العلوم دیوبند سے فارغ ہو کر جامع ازہر مصر پڑھنے گئے ہوئے تھے آجکل یونیورسٹی اورینٹل کالج میں عربی وفارسی کے پروفیسر ہیں۔ بڑے فاضل آدمی ہیں [4] [5] مؤتمر اسلامی سے مراد وہ کانفرنس ہے جو ۱۳۴۴ھ میں مکہ معظمہ میں ہوئی تھی اور جو شاہ ابن سعود نے بلائی تھی اور جس میں تمام ممالک اسلامیہ کے علما شریک ہوئے تھے اور صحابہ کے مزارات اور قبوں کو گرا دینے سے جو شور اٹھا تھا ان مسائل پر گفتگو کی گئی تھی۔ علامہ عثمانی بھی جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کی طرف سے نمائندہ ہو کر گئے تھے جہاں انہوں نے اپنی بصیرت افروز تقریروں اور بیانات سے علمائے اسلام کو حیرت میں ڈالدیا تھا اور خود شاہ ابن عبد العزیز بھی ان کے بیانات سے متاثر ہوئے تھے۔ اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم علامہ کی ڈائری درج کر دیں جو انہوں نے مکہ کانفرنس کی روئداد کے بارے میں اپنے ہاتھ سے لکھی تھی۔

مؤتمر مکّہ سے متعلق علّامہ کی خود نوشتہ ڈائری کا تعارف

گذشتہ مکتوب بنام مولانا محمد یوسف صاحب میں علّامہ نے مؤتمر مکہ کا ذکر کیا ہے جو ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ مطابق مئی ۱۹۲۵ء میں شاہ عبدالعزیز بن سعود نے ممالک اسلامیہ وغیرہ اسلامیہ کے علما کی طلب کی تھی۔ علّامہ عثمانی، مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی جمعیتہ العلمائے ہند کی طرف سے نمائندہ بن کر گئے تھے۔ خلافت کی طرف سے مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نمائندگی کر رہے تھے۔

علّامہ عثمانی نے مؤتمر مکّہ میں جو تقریریں اور گفتگوئیں کی ہیں ان کو اپنے ہاتھ سے ایک ڈائری (روزنامچے) میں درج کیا ہے جو راقم الحروف کو آپ کے چھوٹے بھائی بابو فضل حق فضلی سے کراچی میں ۱۹ نومبر ۱۹۵۱ء کو حاصل ہوئی۔ یہ ڈائری محمد علی جلد ساز دیوبندی نے اسی سفر میں اندراجات کے لئے علّامہ کے لئے تیار کی تھی۔ یہ جیبی ڈائری ہے۔ جس کے ۲۸۸ صفحات ہیں اور جو ساڑھے تین انچ لمبی اور پونے تین انچ چوڑی ہے۔ جلد میں پنسل کو فٹ کرنے کا ایک کرچی حلقہ ہے اسی لئے یہ ساری ڈائری پنسل کی ہے۔ اس کے ابتدائی صفحات میں مختلف حضرات کے نام ہیں جن کو حجاز سے خطوط لکھنے کی یادداشت ہے۔ تیسرے صفحے پر وہ کتابیں ہیں جو سفر حجاز میں ہمراہ ہیں۔ چوتھے صفحے پر سامان کا اندراج ہے۔

۱۲ مئی ۱۹۲۵ء کی شب میں ایک بمبئی کے جلسے کا ذکر ہے جو علّامہ کی صدارت میں ہوا جس کے متعلق علّامہ لکھتے ہیں کہ اجتماع بہت تھا اور نہایت شاندار تھا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اثنائے راہ میں گودھرہ دوحد اور سورت میں بڑے جوش کے ساتھ لوگ خدا حافظ کہنے کو آئے۔ جہاز پر جدے میں ایک دعوت کا ذکر ہے جس میں ممتاز علما اور ہر طبقے کے اشخاص تھے۔ ایک صفحے پر جدے کے منظر کا ذکر ہے۔

ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ کے دوسرے ہفتے میں علّامہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے ہیں اور ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ سے ڈائری کے آٹھویں صفحے پر شرکت اور باہمی گفتگوؤں اور تقریروں کا ذکر ہے۔ جو لفظ بلفظ ہم درج کرتے ہیں۔ (مرتب)

اندراجات روزنامچہ

۱۴ ذی القعدہ ۱۳۴۵ھ

۱۴ ذی القعدہ ۱۳۴۵ھ کو سید رشید رضا مصری ہمارے یہاں بغرض ملاقات آئے۔ ۱۴ ذی القعدہ کو ساڑھے تین بجے عربی ٹائم سے دونوں وفد کو موٹروں پر سوار کرکے امیر ابن سعود کے پاس لے گئے اور اس سے پیشتر امیر کی طرف سے پیام آیا کہ آپ لوگ کس وقت ملاقات پسند کرتے ہیں وہاں پہنچے دو رویہ سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ امیر کے نمائندوں نے دروازہ پر استقبال کیا۔ امیر ابن سعود نے سب سے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا اور دعائیہ کلمات کہتے رہے۔ پھر رسمی الفاظ شکریہ وغیرہ کے کہے۔ پھر سید سلیمان نے تقریر کی جس میں زیادہ تر زور اس پر تھا کہ ہم عرب سے اثر اجانب و اغیار کا ہٹانا چاہتے ہیں۔ درمیان میں شوکت علی محمد علی کی کچھ ترجمانی کرتے رہے جس میں جیل وغیرہ کا ذکر تھا بعدہ مولوی عبدالحلیم صدیقی نے کچھ تقریر کی۔ بعدہ بندہ نے ایک مبسوط تقریر کی جس میں ان کے مکارم اخلاق اور اکرام ضیف کو بیان کر کے اپنی جماعت دیوبند اور اپنے مسلک اور سلسلے کی تصریح کر کے کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر زور دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں ہر چیز ہے اور یہ کہ کتاب وسنّت کا استعمال اور سنن کے مظان ومحال کی معرفت، رائے اور اجتہاد کی طرف محتاج ہے ایک طرف ومینب سے نکاح ہے دوسری طرف لَوْلَا حِدْثَانَ قَوْمِكَ بِالْجَاهِلِيَّةِ الحدیث ایک طرف جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ہے دوسری جانب فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ اور قصہ جنازہ عبداللہ بن اُبی (ہے)۔ ان اخلاق کا ثمرہ ترقی اسلام (ہوا) چنانچہ عبداللہ بن عبداللہ خود مسلمان ہوئے۔ تغلیظ اور لین کے محال (مواقع) کے سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔

اختلاف بہت سے ہیں۔ اختلاف بین الایمان والکفر۔ اختلاف بین النفاق والاخلاص اختلاف بین السنۃ والبدعۃ اختلاف بین الطاعۃ والمعصیۃ اختلاف بین فروع الاحکام هذا هو الذی هو رحمۃ للامۃ۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہر صنف کے ساتھ جداگانہ تھا باوجودیکہ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کے آپ مخاطب تھے لیکن خشیۃ ان یقول

الناس ان محمدًا صلعم یقتل اصحابہ بھی موجود ہے۔ اختلاف فروع مثلاً رفع یدین۔ قرأت فاتحہ۔ تامین بالجہر وغیرہ صحابہ تابعین، خیر القرون اور ائمہ مجتہدین میں رہا ہم ان چیزوں میں رواداری برتتے ہیں۔ میں بسطت فی العلم سید سلیمان جیسی اور بسطت فی الجسم شوکت علی جیسی ...... نہیں رکھتا لیکن انما الدین النصیحۃ للہ ولرسولہ وللمومنین ولائمتہم وعامتہم اس کے سوا نہیں کہ دین اللہ، اس کے رسول، مومنین اور عوام کے لئے خیر خواہی ہے۔ پس جبکہ آپ نے ہم کو شرف بخشا اور خود دعوت دی تو ضروری ہے کہ ہم صاف صاف مشورہ دیں خیانت نہ کریں۔ ہم جھوٹ نہیں کہیں گے نہ اپنے بواطن امور کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ بلکہ صاف مشورہ دیں گے۔ اگر آپ قبول کریں گے فبہا ونعمت، رد کریں گے تو ہم اپنے گھر واپس چلے جائیں گے لیکن بحول اللہ وقوتہ اپنا فرض ادا کر کے جائیں گے۔ ہم ہندوستان سے بہت کچھ خیر و برکات کی امیدیں لے کر آئے ہیں امید ہے ہم فائز المرام واپس جائیں گے۔ ہندوستان کے مسلمان امن وامان کی خبریں سن کر بیحد مسرور ہیں لیکن ہم کو امید رکھنا چاہئے کہ ہم واپسی پر اگر مقدر ہے اس سے زیادہ مسرور ہوں گے جتنا آنے کے وقت تھے۔

شاہ کی تقریر

بعدہ امیر نے تقریر کی جس میں یہ تھا کہ اختلاف فروع اور ائمہ اربعہ کے اختلافات میں ہم شدت نہیں کرتے۔ لیکن اصل توحید جس کی دعوت تمام انبیا علیہم السلام دیتے چلے آئے اور تمسک بالکتاب والسنۃ سے ہم کو کوئی چیز الگ نہیں کر سکتی۔ خواہ دنیا راضی ہو یا ناراض۔ یہود و نصاریٰ۔ مشرکین کو ہم کیوں کافر کہتے ہیں کہ وہ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی کہتے ہیں مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اور إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلٰى آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ غرض اشارے کئے عباد قبور کی طرف۔۔

تقریر مولانا شبیر احمد صاحب بسلسلۂ عباد قبور

اس پر میں نے بھی تقریر کی اور کہا کہ کوئی شبہ نہیں کہ آدم سے محمد صلعم تک سب نے توحید کی تعلیم دی شرک کو روکا اور أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ کہا جس سے مراد توحید عبادت ہے لیکن کلام عبادت کے معنی میں ہے مثلاً ہر سجود لغیر اللہ ضروری نہیں کہ عبادت غیر اللہ کے تحت

میں آئے۔ ہماری شریعت میں مطلقاً حرام ہو۔ یہ جُداگانہ چیز ہے۔ لیکن اگر سجود صنم اور سجود صلیب کی طرح شرک جلی اکبر تھا اور عبادۃ غیر اللہ تو ازلاً و ابداً کسی امت اور کسی نبی کے لئے ایک لحہ کے لئے جائز نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ جواز منصوص ہے۔ بعض مفسرین سجدے کو انحنا کے معنی میں لیتے ہیں۔ اور بہت سے وضع جبہۃ علی الارض کے باوجودیکہ کسی ایک عالم کو بھی کہیں یہ خیال نہیں ہوا کہ کسی زمانہ میں شرک مباح تھا اور توحید کا ماننا ضروری تھا سجود صنم و صلیب صرف سجود لغیر اللہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ شعائر خاصئہ اقوام کفار ہونے کی وجہ سے کفر قرار دئے گئے ہیں۔ آپ مساجد قبر کو تادیب و تعزیر کریں لیکن آپ اس کے دم اور مال کو عباد اصنام کی طرح مباح نہیں کر سکتے۔ جس شخص کے ہاتھ میں خدا نے زمام حکومت دی ہے خصوصاً اس بقعہ مبارکہ کی اس کے لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے ہم اُمید کرتے ہیں کہ ٹھنڈے دل سے ہمارے معروضات پر غور کیا جائے گا اور مزید گذارش کے واسطے بھی جب آپ موقع دیں گے حاضر ہیں ہماری تمنا ہے کہ کلمۃ اللہ بلند ہو اور مسلمان کا شیرازہ مجتمع ہو۔ اور کفار سے موالاۃ و تناصر کی سب رگیں کاٹ دی جائیں اور اس کا استیصال ہو جائے۔ خُدا تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر عطا فرمائے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

بعدہ امیر نے کہا کہ میں آپ کا ممنون ہوں۔ آپ کے خیالات اور بیان میں بہت رفعت اور علو ہے اور دقیق مسائل پر مشتمل ہے۔ لہٰذا میں ان تفاصیل کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس کا جواب علما بہتر دے سکیں گے انہی سے یہ مسائل طے ہو سکتے ہیں۔

مَیں نے کہا کہ میری غرض مناقشہ نہیں صرف اظہار خیال ہے۔

آخر میں مفتی کفایت اللہ صاحب نے سب کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کر کے مجلس ختم کی۔

اس مجلس کا اختتام اس گفتگو میں علاوہ وافدین کے عبدالعزیز عتیقی اور حافظ وہبہ وغیرہ بھی تھے۔ باہر نکل کر عتیقی نے میرا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے نہایت صراحت سے خیالات ظاہر کئے۔ سید سلیمان نے کہا کہ تو نے اپنا فرض بے خوف خطر ادا کر دیا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً سب مجمع کو خوشی ہوئی۔

اس ملاقات کی اجمالی کیفیت ام القری مورخہ ۱۶ ر ذوالقعدہ ۱۳۴۴ھ میں چھپی ہے۔ ۱۶ ر ذوالقعدہ کو جو ہماری رؤیۃ (ہلال) کے موافق ۱۵ ر تھی۔ شیخ عبدالعزیز عتیقی نے بیان کیا کہ جلالۃ الملک مذہبی تقریروں سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ شبیر احمد عثمانی کی تقریر سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ شبیر احمد عثمانی کی تقریر سے بہت محظوظ اور متاثر ہوئے اور اپنے بعض علما اور اصحاب رائے و فکر سے بعض اجزائے تقریر نقل کئے۔ بعض علما نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سجود لغیر اللہ شرک نہ ہو۔ سلطان نے فرمایا کہ وہ لوگ سجود لغیر اللہ میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور شرک کے مراتب و مدارج بیان کرتے ہیں۔ عتیقی نے کہا کہ یہ چیز پہلی دفعہ ہمارے کانوں نے سنی۔

۱۶ ر ذوالقعدہ ۱۳۴۴ھ سب کمیٹی کا اجلاس

۱۶ ر کو مبادی مؤتمر طے کرنے کے لئے ایک لجنۃ اقتراحیۃ قائم ہوئی جمعیۃ کی طرف سے مولانا کفایت اللہ صاحب اس میں تشریف لے گئے۔ اور خلافت کی طرف سے سید سلیمان یہ جلسہ سید رشید رضا کی قیام گاہ پر ہوا۔ رشید رضا صاحب نے ایک یادداشت پیش کی۔ اس پر ابھی مباحثہ ہوگا۔

دو روز اجتماع علما کا ہوا۔ پہلے دن سلطان بھی شریک رہے۔ مگر مجلس میں بدمزگی ہوئی دوسرے روز سب کاموں کا فیصلہ مؤتمر پر رکھا گیا۔

۲۵ ر ذوالقعدہ ۱۳۴۴ھ

۲۵ ر ذوالقعدہ کو دوپہر کے وقت سلطان نے وفد جمعیۃ العلماء کو بلایا۔ اول سلطان نے کچھ تقریر کی۔ پھر مولانا کفایت اللہ صاحب نے بسوط تقریر فرمائی۔ جس میں مآثر و مقابر کے متعلق اور تشدد ترک کرنے کے متعلق فرمایا۔ اس کے بعد بندہ نے کہا کہ میں تین روز سے محموم اور وجعان تھا۔ مگر مسئلہ مہم ہے جس کی ضخامت شان کی وجہ سے کچھ کہنا ضرور ہے۔

علامہ عثمانی کی دوسری تقریر ۲۵ ر ذوالقعدہ

پہلے ہم آپ کی عنایتوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ صمیم قلب سے اور اللہ تعالیٰ دلوں کے حال کو جانتا ہے میں متکلمین میں سے نہیں اور نہ میں حذاق سیاست اور رجال سیاست میں سے ہوں۔ میں ملوکیت اور جمہوریت کے قصہ سے تعرض کرنا نہیں چاہتا کہ دوسرے لوگ جوش کے

اہل ہیں وہ آپ سے اس میں کلام کریں گے اور مناظرہ اور بحث کر سکتے ہیں۔ ہمارا شغل تعلیم وتدریس ہے ہم کو جن چیزوں سے تعلق ہے اس کو ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ہندوستان میں ہم کو خبر پہنچی کہ آپ بلاد مقدسہ میں فاتحانہ داخل ہو گئے۔ اسی کے ساتھ ہم کو بشارت ملی کہ شریف حسین کے ذمائم اور قبائح سے یہ سرزمین پاک ہو گئی جیسا کہ مجھ سے پہلے شیخ رئیس الوفد نے بیان کیا۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ہم کو بشارت ملی کہ حجاز کے راستے مامون ہو گئے اور حجاج وزائرین کے لئے کوئی کھٹکا نہیں رہا۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ مگر ہمارے نزدیک سب سے عظیم بشارت جس نے ہمارے کانوں کو کھٹکھٹایا وہ یہ تھی کہ ایک بادشاہ خصوصاً ان بلاد مقدسہ میں جو مہد اسلام ہیں اور جن سے ہدایت کے چشمے پھوٹے ہیں۔ یہ پکارتا ہے کہ ہمارا قانون صرف کتاب وسنّت ہے وہ صرف اسی کی طرف دعوت دیتا ہے اور اسی کو ہر معاملہ میں حکم ٹھہراتا ہے۔ یہ آواز ہمارے نزدیک سب سے زائد عزیز اور محبوب اور لذیذ اور اس زمانہ میں سب سے زائد نادر آواز تھی۔ بسیط ارض پر آج کوئی ملک اور مسلمان بادشاہت نہیں جو یہ اعلان کرے کہ ہم یورپ کے اور انسانوں کے بنائے ہوئے اور تراشے ہوئے قوانین کی جگہ صرف کتاب وسنّت کو دستور العمل بناتے ہیں۔ صرف آپ کی طرف سے ہم نے یہ آواز سنی اور اس لئے آپ کے ساتھ کلام کرنا ہمارے لئے سہل ہوا۔ جو شخص ہوا پر چلے اور ہوا پر بیٹھے اور ہوا پر کھڑا ہو اس سے کوئی معقول بات کہنا بیکار ہے۔ لیکن ہمارے اور آپ کے درمیان اگر نزاع ہو تو خدا کے فضل سے ایک مسلم حکم (جج) موجود ہے اور وہ کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ صلعم ہے۔ تعامل سلف صالحین اقوال ائمہ مجتہدین ہیں۔ آپ کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے آپ کی نسبت یعنی شعب نجدیین کے متعلق ہندوستان میں بہت سے خیالات تھے۔ اگرچہ ہم ہمیشہ سے حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے ہیں ان سے مستفید بھی ہوئے ہیں اور بعض تفردات وغیرہ میں ان پر انتقاد بھی کرتے رہے ہیں لیکن خاص طائفہ نجدیہ کے معتقدات کا حال ہم کو محقق نہ تھا۔ چند روز ہوئے ہم نے دو کتابیں آپ کی پڑھیں "الهدية السنية" اور "مجموعة التوحيد" ان کے مطالعہ سے بہت

چیزیں جو آپ کی طرف منسوب ہو رہی تھیں ان کا افترا ہونا ثابت ہوا۔ پھر بھی چند مسائل میں اختلاف رہا۔ بعض اختلافات چنداں وقیع اور اہم نہیں جیسا کہ مسئلہ شفاعت میں۔ بعض میں قریب اختلاف لفظی کے ہے۔ ہاں سخت اختلاف ان لوگوں کی تکفیر میں ہے جو قبر کو سجدہ کرتے ہیں یا اس پر چراغ جلاتے ہیں یا غلاف چڑھاتے ہیں۔ ہم ان اُمور کو بدعت اور منکر سمجھتے ہیں اور ہمیشہ مبتدعین سے جہاد بالقلم واللسان کرتے ہیں لیکن عباد الاوثان اور یہود و نصاریٰ کی طرح مباح الدم والمال نہیں سمجھتے جس کا ذکر میں پہلی ملاقات میں آپ سے تفصیلاً کر چکا ہوں اور آئندہ اگر وقت نے مساعدت کی اور خدا نے توفیق بخشی تو شیخ عبداللہ ابن بلیہدؒ وغیرہ سے اس پر مفصل کلام کیا جائے گا۔ ہمارے یہاں یہ مشہور تھا کہ نجدی تقلید کے دشمن اور اس کو شرک سمجھتے ہیں اور ائمہ اربعہ کی کچھ پرواہ نہیں کرتے لیکن ہم نے الہدیۃ السنیہ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بیٹے شیخ عبداللہ کی تحریر پڑھی جس میں لکھا ہے کہ ہم دعوٰی اجتہاد کا نہیں رکھتے بلکہ فروع واحکام میں ہم امام احمد بن حنبلؒ کے متبع ہیں الّا یہ کہ کوئی نص جلی صریح غیر مخصص غیر معارض یا قوی سند یا قابل تاویل آجائے تو ہم مذہب احمد بن حنبل کا چھوڑ کر ائمہ اربعہ میں سے کسی کا قول اختیار کر لیتے ہیں۔ بہر حال ائمہ اربعہ کے دائرہ سے باہر نہیں جاتے۔ حتّٰی کہ حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم کا قول طلاق ثلاث کے مسئلہ میں ہم نے اسی لئے چھوڑ دیا ہے۔ کہ وُہ ائمہ اربعہ سے علیحدہ تھا۔ اگر آپ ایسے حنبلی ہیں تو ہم ٹھیک ایسے ہی حنفی ہیں اور یہ حنبلیت ایسی ہے کہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم یعنی مقلدین ائمہ اربعہ کے نزدیک چنداں محل طعن نہیں ہو سکتی اگر ہوگی تو اس شرذمہ قلیلہ کے نزدیک جو اپنے کو اہل حدیث کہتی ہے اور ہمارے یہاں اس کا نام غیر مقلدین کی جماعت ہے کیونکہ وہ اپنے کو ہر ایک امام کی تقلید سے علیحدہ رکھتے ہیں۔ بلکہ ان میں کے بعض تقلید ائمہ کو شرک بتلاتے ہیں۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپ کی یہ حنبلیت زیادہ نمایاں اور اس سے زائد مشہور ہو جتنا کہ اب تک ہوئی ہے۔

ہمارے ہندوستان میں مقلدین اور غیر مقلدین میں لڑائیاں ہوئیں اور قتال ہوئے لیکن آپ اس آگ کو زیادہ مشتعل ہونے سے بچائیں اور مسلمانوں کو عدم تقلید کی جنگ میں

لہ ابن بلیہد نجد کے قاضی القضاۃ تھے۔

پڑنے سے بچائیں۔ چند ضروری اُمور اور ہیں۔ ہم بناء علی القبر کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ ہم نے فتوے دمے ہیں بحثیں کی ہیں لیکن ہدم قباب (قبے گرانے) میں ضرورت تھی کہ بہت تانی (ڈھیل) اور حکمت سے کام لیا جاتا۔

جب ولید بن عبد الملک نے عمر بن عبد العزیز کو حکم دیا کہ حجرات ازواج النبی کو ہدم کر کے مسجد کی توسیع کریں تو انہوں نے ہدم کا حکم دیا۔ حتیٰ کہ تینوں قبریں کھل گئیں اس وقت عمر بن عبد العزیز اس قدر روئے تھے کہ کبھی اس قدر روتے ہوئے نہ دیکھے گئے حالانکہ خود ہی ہدم کا حکم دیا تھا۔ پھر نہ صرف قبر نبی علیہ السلام پر بلکہ تینوں قبروں پر بنار کرائی میری غرض اس وقت تجویز بنار نہیں۔ بلکہ یہ بتلانا ہے کہ قبور اعاظم و اکابر کے ساتھ ہدم وغیرہ کا معاملہ ایسا ہے۔ جس کو قلوب میں ایک تاثیر اور دخل ہے۔ مقابر کے معاملہ میں زائد نہیں کہنا چاہتا۔ اور شیخ کفایت اللہ مجھ سے پہلے کہ چکے ہیں۔ ماثر کے متعلق میں کہوں گا کہ حدیث اسرار میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ آپ کو جبریلؑ نے چار جگہ اُتارا اور نماز پڑھوائی۔ اور بتلایا کہ یہ یثرب یا طیبہ ہے والیہ المہاجرۃ یہ طور سینا ہے حیث کلم اللہ موسیٰ تکلیما یہ مدین ہے حیث درد موسیٰ و مسکن شعیب یہ بیت اللحم ہے۔ حیث ولد المسیح علیہ السلام پس اگر طور پر اس لئے آپ سے نماز پڑھوائی گئی کہ وہاں حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا تو جبل النور پر جانے اور نماز پڑھنے سے ہم کیوں روکے جائیں جہاں کہ اللہ کا کلام لے کر جبریلؑ محمد صلعم کے پاس آئے۔ سب سے پہلے جب مولد مسیح پر حضور سے دو رکعتیں پڑھوائی گئیں تو کیا غضب ہے کہ امۃ محمد مولد النبی میں دو رکعت نہ پڑھ سکے۔ مدین میں حضرت شعیب رہتے اور حضرت موسیٰ چند روز ٹھہرے تھے پھر مسکن خدیجہ جہاں حضور اٹھائیس برس رہے اور جس کو طبرانی وغیرہ نے افضل البقاع بعد المسجد الحرام فی مکہ لکھا ہے کیوں اس قابل نہیں کہ وہاں دو رکعت پڑھ لی جائیں یا جبل ثور جہاں آپ تین روز مختفی رہے اس پر نماز کیوں نہ پڑھی جائے۔ یہ حدیث تبرک بآثار الصالحین میں اصل اصیل ہے پھر قصہ عتبان بن مالک کا ذکر کیا اور حدیبیہ کا قصہ جس میں نخامہ اور شعر اور ماء وضو وغیرہا کا متبرک ہونا مذکور ہے پھر

عبداللہ بن عمرؓ کی بخاری والی حدیث ذکر کی۔ پھر کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ ابن سعود نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے شجرۃ الرضوان کو کٹوا ڈالا تھا۔ لیکن یہ صرف مصلحت تھی قطع ذرائع شرک اور حسم مادہ شرک کے لئے اگرچہ یہ مصلحت اب بھی موجود ہے۔ لیکن دوسری طرف آج مسلمانوں کے ائتلاف قلوب کی مصلحت ہے اور ان کو ان بلاد مقدسہ کی طرف اور اس حکومت کی طرف سے جو یہاں حکومت کرے نفور ہونے سے بچانا ہے۔ اور تشتت و تفرق کو کم کرنا ہے دونوں مصالح کا موازنہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ بہر حال کلام اب اصل مسئلہ میں نہیں۔ بلکہ مصالح کے توازن میں ہے۔ اس میں پوری احتیاط کرنی چاہیئے۔ آپ بدعات و منکرات سے لوگوں کو روکیں نصیحت کریں۔ تادیب کریں۔ لیکن اصل چیز کو محو نہ کریں۔ وایاکم والغلو فی الدین فان الغلو فی الدین قد اھلک من کان قبلکم اوکما قال۔ وقال اللہ تعالیٰ یَا اَھْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ۔ فیسّروا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا۔ ہماری غرض یہ ہے کہ آپ ان حقائق پر غور کریں۔ ہم لڑنے نہیں آئے۔ لیکن بات صاف کرنے آئے ہیں۔ آپ تعجیل نہ کریں اور ایسا کام کریں جو دلوں کو مطمئن کر دے واللہ ولی التوفیق۔ یہ گفتگو یہاں ختم ہوئی۔

۳۰ ذوالقعدہ ۱۳۴۴ھ

۳۰ ذوالقعدہ کو قاضی القضاۃ اور اشہر علماء نجد عبداللہ بن بلیہد نے مدعو کیا۔ دونوں وفد گئے۔ وہاں فلسطینی وفد کے ارکان اور بعض دوسرے معززین بھی تھے۔ کوئی خاص مسئلہ نہ تھا۔ مختلف مذاکرات ادبی و علمی رہے۔ مجادلہ کی مشروعیت پر رئیس نے قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَکْثَرْتَ جِدَالَنَا پیش کیا۔ اور امام ابوالحسن اشعری کے استدلال کا حوالہ دیا اور کہا کہ کہیں اکثار مجادلہ کی ضرورت ہوتی ہے قوم نوح علیہ السلام نے کفر و ضلالت میں تمادی کی اس لئے اکثار مجادلہ کی ضرورت ہوئی چنانچہ دوسری جگہ ہے رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَہَارًا الی آخر الآیات۔

تعریف مجادلہ

مجادلہ کے معنی کسی مسئلہ یا معاملہ میں زور اور جدّ کے ساتھ کلام کرنا ہے کما فی قولہ تعالیٰ یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ یہاں مجادلہ کی ذم نہیں۔ نہ یہ مجادلہ فی آیات اللہ ہے البتہ اس مجادلہ کے غیر مؤثر ہونے

پر تنبیہ کر دی ہے یَا اِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ لا یہ اختلاف مشاہد انبیا کا ذکر آیا۔ تو میں نے یہ حدیث پڑھی۔ نحن احق بالشک من ابراهيم ولو لبثت فی السجن طول لبث یوسف لاجبت الداعی ویرحم الله لوطاً لقد کان یأوی الی رکن شدید۔

ما عاتب المرء الکریم کنفسہ کے سلسلہ میں میں نے کہا کہ میرے خیال میں اس کے معنی یہ ہیں کہ ما عاتب المرء الکریم احداً معاتبۃ لنفسہ۔ فان من شان الکریم ان ینظر الی معائب نفسہ ویلومہا ویعاتب علیہا اشد کما یعاتب ویلوم غیرہا۔ کما قال الله تعالیٰ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ فالمرء الکریم لا یلقی معاذیرہ بل یلوم نفسہ وَإِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ۔ وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ۔

ظرافت ابن بلیہد نے ضیافت کے لئے کہا۔ تو شوکت صاحب نے کہا کہ میں اس کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ میں نے کہا۔ ان ھذا ھو ما ینافی العقل والاکل۔ اس پر سب لوگ نہایت محظوظ ہوئے۔ میں نے کہا لما نزلنا بجدہ رأینا الاطفال الصغار یقولون مشیراً الی شوکت علی شف ھذا الرجال کبیر۔ قلت ولفظ الرجال وان کان من اغلاط العامۃ الا انہ صحیح فی حقہ فانہ لیس رجل بل ھو رجال

۴ ذی الحجہ۔ بحث کسوۂ کعبہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۶ء کو لجنۃ الاقتراحات میں کسوۂ کعبہ کا مسئلہ پیش ہوا کہ اس میں بہت اسراف ہوتا ہے اس کے مصارف گھٹا کر دوسرے وجوہ خیر میں صرف کیا جائے۔ حریر اور ذہب وغیرہ کا استعمال بالاتفاق حرام ہے اس پر محمد علی صاحب نے اور عبداللہ شیبی نے سختی سے مخالفت کی

غلاف کعبہ کے اسراف و عدم اسراف پر علامہ عثمانی کی تقریر پھر میں نے کہا کہ اس میں علماء نے بہت کچھ کلام کیا ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں دو ورق کے قریب اس پر لکھے ہیں۔ تاریخی بحثیں کی ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ پر کسوہ (غلاف) کس نے ڈالا اور کس کس چیز کا ڈالا گیا۔ بعض روایات سے معلوم

ہوتا ہے کہ اولاً دیباج وحریر کا کسوہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کی والدہ نے ڈالا۔ اور بہی اقوال ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عہد میں دیباج وحریر کا غلاف تھا۔ پھر اس میں تکلفات ہوتے رہے علما نے کسی وقت منع نہیں کیا بلکہ جن لوگوں نے اس کا زیادہ اہتمام کیا۔ ان کو علما نے دعائیں دیں۔ کما فی الفتح۔ کعبہ کا حکم دوسرے تمام بیوت اور مساجد سے مستثنیٰ ہے۔ اس پر علما کا اتفاق ہے اس کو بدعت یا منکر قرار دینا صحیح نہیں۔

تجویز جزیرۃ العرب (۵ ذی الحجہ)

۵ ذی الحجہ کو لجنۃ الاقتراحات میں بعد بڑی ردوکد کے جزیرۃ العرب کی تجویز پیش ہوئی۔ اس کی مخالفت میں رئیس وفد روسیہ نے طویل تقریر کی اس میں زیادہ (زور) اس پر تھا کہ اس ریزولیشن کا نتیجہ حکومت حجازیہ اور مؤتمر کے حق میں برا ہوگا۔ یہ اعلان کرکے تمام دول اجنبیہ کو تشویش اور ہیجان میں ڈالنا ہے۔ ہم کو حکمت اور تدبیر کے ساتھ قدم اٹھانا چاہیئے۔ ایسا کام نہ کریں جس سے یہ حکومت حدیثہ حجازیہ جو چنداں قوی نہیں ہے فنا ہو جائے وصیت رسول صلعم کا کسی کو انکار نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت اس کے اعلان کا موقع بھی ہے، اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ یورپ مؤتمر اور اس نئی حکومت کی طرف تاک رہا ہے اور اس کے اعمال کا مراقبہ کر رہا ہے۔ ہم اس کو فوراً مشتغل نہ کریں۔ باقی جو مقصد تجویز کا ہے۔ وہ سب مسلمانوں کے سینوں اور دلوں میں ہے۔ دیکھئے رسول اللہ صلعم نے حدیبیہ میں کس طرح صلح اور معاہدہ کیا۔ کیا اس میں ہمارے لئے اسوہ نہیں ہے۔ اس پر میں نے تقریر کی۔

تقریر مولانا شبیر احمد صاحب تجویز جزیرۃ العرب و تردید تقریر رئیس وفد روسیہ

میں نے کہا کہ وصیت کے ثبوت سے کسی کو انکار نہیں۔ صحیح احادیث میں مذکور ہے اور مقترح نے اسی وصیت پر اپنے اقتراح کی بنیاد رکھی ہے۔ آپ سب اس کی ضرورت اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ یہ ہر مسلمان کا عزیز ترین مقصد اور محبوب ترین تمنا ہے۔ لیکن آپ کہتے ہیں کہ حکومت حجاز کے لئے اس میں خطرہ ہے وہ اپنے کو اس

طرح کے خطرات میں کیسے ڈال سکتی ہے۔ نہ ہم اُس کو ایسا مشورہ دے سکتے ہیں مَیں کہتا ہوں کہ آپ حکومت کی طرف سے ایک ایسی چیز پیش کرتے ہیں جس کو خود حکومت پیش نہیں کرتی نہ غالباً وہ ہماری اس مصلحت اندیشی سے راضی ہوگی ہمارے سامنے رسول کریم صلعم کی دو وصیتیں ہیں جو اس دنیوی حیات کے آخری لمحات میں آپ نے ساتھ ساتھ فرمائی ہیں ایک اخرجوا الیھود والنصارٰی من جزیرۃ العرب دُوسرے لعن اللہ الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیائھم مساجد یحذرھم ما صنعوا۔

یہ دونوں وصیتیں آپ نے ساتھ فرمائیں۔ فرق اتنا ہے کہ پہلی وصیت بصیغۂ امر ہے۔ دُوسری تحذیر کے پیرایہ میں ہے۔ اب آپ دیکھئے کہ حکومت حجاز نے دوسری وصیت کے انفاذ اور اجرا میں جو قبور سے متعلق تھی۔ کس قدر اہتمام اور مسارعت سے کام لیا۔ نہ عالم اسلامی سے مشورہ کیا۔ نہ ان کے اجتماع کا انتظار کیا۔ نہ علماء و فضلاء سے مبادلہ خیالات کی ضرورت سمجھی نہ اس کی قطعاً پرواہ کی کہ مسلمانوں میں اس فعل سے بجا یا بیجا کیسی تشویش اور ہیجان ہوگا۔ کتنی بڑی تعداد مسلمانوں کی اور کتنی قوی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بیجا طور پر۔ ۔ ۔ ۔ اس عمل سے متوحش اور نفور ہوں گے، حکومت نے کہا کہ ہم کتاب و سنّت سے تمسک کرتے ہیں۔ جب سُنّت صحیحہ ہمارے سامنے ہے پھر ہم کو کسی کا کوئی خوف نہیں دُنیا راضی ہو یا ناراض۔ کوئی ہمارا ساتھ دے یا نہ دے۔ ہم کو کچھ سروکار نہیں کائناً من کان۔ ایسی حکومت جس نے رسول اللہ صلعم کی ایک وصیت کے نفاذ میں کسی طرح کی مصلحت اندیشی اور اسلامی جماعتوں کی خوشی یا ناخوشی کی کوئی پرواہ نہیں کی مَیں خیال نہیں کرتا کہ وُہ رسول اللہ کی دوسری وصیت کے صرف اعلان کرنے میں کفار کی تشویش اور اضطراب کی پرواہ کرے گی۔ ہم حکومت کی طرف اس خوف کو منسوب کرتے ہیں۔ جسے خود حکومت اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرتی میری غرض یہ ہے کہ مؤتمر کو یا حکومت حجاز کو جبکہ اُس کا تعلق تمام عالم اسلام سے ہے ہر کام میں تأنّی اور تدبیر اور مصلحت اندیشی سے کام کرنا چاہیئے ہم کو یہ مناسب نہیں کہ ہم ایک بُرائی کے دفع کرنے میں اس سے بھی بڑی بُرائی پیدا کر دیں۔

میرے نزدیک ریزولیشن کے اعلان میں کوئی ضرر نہیں۔ الفاظ میں توسط اور تعدیل کا

مضائقہ نہیں لیکن اس ریزولیشن سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ تمام دُنیا آگاہ ہوجائے کہ مسلمانانِ عالم باوجود اپنے غایت تفرق و تشتت احوال کے اور باوجود سخت اختلاف اجیالِ و اقوام کے پھر بھی ایک متفقہ نصب العین رکھتے ہیں اور وہ جزیرۃ العرب خصوصاً حجاز کی حفاظت و صیانت ہے۔ یہ ایک ایسا مقصد ہے جو حاکم و محکوم، ضعیف و قوی، مستقل اور غیر مستقل، آزاد اور غلام ہر مسلمان کا مطمح نظر ہے جو ان کے سینوں اور دلوں میں نقش فی الحجر ہے۔ جس کے لئے وہ اپنے تمام وسائل اور اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار رہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حکومت حجازیہ کے متعلق بہت سے لوگ ظنون و اوہام میں مبتلا ہیں۔ جن پر ہم ہندوستان میں مطلع ہو چکے ہیں۔ (یعنی انگریزوں سے تعلقات رکھنے کی نسبت) اس ریزولیوشن سے مسلمانوں کے قلوب حکومت حجاز کی طرف سے مطمئن ہو جائیں گے اور ان کو شفاء صدور حاصل ہو گی۔ صلح حدیبیہ کی سنت کا جو حوالہ دیا گیا ہے مَیں اُس کو مانتا ہوں لیکن میں ایک دُوسری سنّت بھی یاد دلاتا ہوں کہ اس وقت جس سے بڑھ کر اسلام کے حق میں سختی اور مصیبت کا کوئی وقت نہ تھا اور جبکہ چند معدودے نفوس آپ کے ساتھ تھے اسی بلد اللہ الحرام میں جہاں ہم اور آپ مجتمع ہیں۔ نبی کریم صلعم کو لوگوں نے اعلان حق اور دعوت الٰہیہ سے روکنا چاہا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اُس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ (صلعم) کی جان ہے اگر وہ لوگ آسمان سے اُتار کر سُورج کو میری ایک مٹھی میں اور چاند کو دُوسری مٹھی میں رکھ دیں تب بھی محمدؐ (صلعم) اس چیز سے ہٹنے والا نہیں ہے جس کے لئے اُس کے پروردگار نے اُسے بھیجا ہے۔ بس میں کہتا ہوں مقترح کی تجویز دونوں سنتوں پر مشتمل ہے پہلے جز میں اعلان حق کیا جاتا ہے جس میں کوئی پرواہ نہیں کہ کون اس سے خوش ہوگا اور کون ناخوش اور تجویز کے دوسرے جز میں سنّت حدیبیہ کی رعایت ہے کہ ہم کوئی اعلان جنگ نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ جزیرۃ العرب ایک سلمی اور صلحی اور حیادِی مقام رکھنا چاہتے ہیں اور یہ ہی ہماری کوشش ہے۔ ھذا ما کنت ارید ان اتکلم بہ والامر بید اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

شیخ قاضی ابو العزائم نے اُس کی بہت داد دی۔ ایک مصری نے کہا کہ ہم دونوں صیغوں میں سے ایک کی استطاعت رکھتے ہیں دُوسری کی نہیں اور حدیث میں آیا ہے کہ اذا امرتکم بشئی فاتوا منہ ما استطعتم۔ مَیں نے کہا کہ اخراج یہود و نصاریٰ اگر ہماری استطاعت

ہیں فی الحال نہیں لیکن اپنے فریضہ اور نصب العین کا اعلان ہماری استطاعت میں ہے اور اعلان میں جو فوائد ہیں وہ میں بیان کر چکا ہوں۔

عبداللہ الشیبی نے کہا کہ اگر سلطان کو یہ معلوم ہوتا کہ قبور والی وصیت پر عمل کرنے سے اس قدر تشویش اور ہیجان مسلمانوں میں پیدا ہو جائے گا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔

نوٹ:۔ افسوس علامہ عثمانی کی ڈائری یہاں آکر ختم ہوگئی اور اس کے بعد آپ نے کچھ تحریر نہیں فرمایا۔ اسّی صفحہ خالی ہے اور ۸۱ - ۸۲ - ۸۳ - ۸۴ اور ۸۵ صفحوں پر ڈائری کے مختلف نسخے لکھے ہوئے ہیں اور یہ نسخے علامہ عثمانی کے ہاتھ کے نہیں ہیں۔ ۸۵ صفحے کے بعد آخر کے ۷ صفحات پر ان کی پرائیویٹ یادداشتیں یا حساب اپنے دست مبارک کے لکھے ہوئے ہیں۔ اور کچھ کسی اور کے ہیں۔ پنسل سے مولانا کے ہاتھ کی تحریریں ہیں اور قلم سے کسی اور کی۔

ذیل میں ہم ایک نوٹ "الجمعیۃ" اخبار دہلی مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۵۳ء کے المفتی نمبر سے پیش کرتے ہیں:۔

مؤتمر اسلامی مکہ معظمہ کا سفر از مولانا عمر دراز بیگ منیجنگ پروپرائٹر ڈیلی جدت مراد آباد۔ قبوں کو چونکہ ابن سعود شاہ حجاز نے گرا دیا تھا اس پر جمعیۃ کے وفد نے اعتراض کیا تھا۔ ابن سعود نے کہا کہ ہمارے علما سے اس پر بحث ومباحثہ کیجئے۔ چنانچہ جمعیۃ کے وفد اور سعودی علما کا ایک مشترکہ جلسہ ہوا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی وحضرت مفتی صاحب نے احادیث نبوی کی روشنی میں اپنے دلائل و براہین، سعودی علما سے منوا لئے۔

نوٹ:۔ درمیان میں حسب موقع ہم نے یہ ڈائری پیش کی ہے۔ جو علامہ کا علمی تبرک ہے۔ اس کے بعد ہم پھر مکتوبات کی طرف چلتے ہیں۔

مکتوب گرامی علامہ شیخ زاہد الکوثری بنام علامہ عثمانی

(تعارف) علامہ شیخ زاہد الکوثری دراصل استنبول ترکی کے رہنے والے تھے مصطفیٰ کمال آتاترک کے دور حریت میں علامہ کوثری اور شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری کو سزائے موت کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ سلطان خلیفۃ المسلمین کے مؤید تھے۔ مگر خوش قسمتی سے عمائدین ملک کی سفارش پر سزائے موت کی جگہ ان کو جلاوطن کیا گیا۔ جلاوطنی کے بعد علامہ کوثری نے قاہرہ (مصر) میں قیام کیا اور سلسلۂ تالیف و تصنیف جاری رکھا۔ وہ عظیم المرتبت عالم اور بلند پایہ مصنف ہیں۔ ۱۳۵۷ھ میں علامہ عثمانی نے اپنی رفیع الشان کتاب فتح الملہم شرح مسلم علامہ کوثری کو مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مولانا احمد رضا بجنوری کی معرفت جو ان دنوں حج کے بعد قاہرہ گئے ہوئے تھے بھیجی۔ علامہ کوثری اس کو پڑھ کر سخت متأثر ہوئے اور علامہ عثمانی کے علم و فضل کا مقام ان کے دل میں گھر کر گیا۔ حضرت کوثری نے حضرت عثمانی کو ایک خط لکھا جو حسب ذیل ہے اور فتح الملہم پر ایک تقریظ اپنے رسالے "الاسلام" میں شائع کی۔ یہ خط اور تقریظ دونوں فتح الملہم جلد سوم کے آخر میں درج ہیں۔ علامہ عثمانی کا مکتوب گرامی جو آگے آرہا ہے عربی میں مولانا کوثری کے جواب میں ہے۔ لہٰذا علامہ کوثری کے خط کا درج کرنا ضروری معلوم ہوا جو یہ ہے۔ (انوار)

مکتوب کوثری

الی حضرۃ العلامۃ المحدث الناقد الفقیہ الباحث العالم الربانی فخر المذہب النعمانی مولانا الشیخ شبیر احمد العثمانی اطال اللّٰہ بقاءہ فی صحۃ وعافیۃ ووفقہ لکل خیر ونفع بعلومہ المسلمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

وبعد فقد کان من حسن حظی ان اتعرف

حضرت علامہ، محدث، ناقد، فقیہ، فائق عالم ربانی، مذہب حنفی کے لئے فخر کے قابل مولانا شیخ شبیر احمد عثمانی، اللہ تعالیٰ صحت اور عافیت کے ساتھ ان کی عمر دراز فرمائے اور ان کو ہر خیر کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے علوم سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

سلام و رحمت کے بعد یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میرا مجلس

الى الاستاذين الجليلين المنتدبين من
قبل المجلس العلمي لموتمر لطبع كتب خاصة
بمصر القاهرة فانشرح صدري جداً اما
علمت من حضرتهما من احوال اخواننا
فى الهند فى سبيل احياء معالم العلم بما
يرضي الله ورسوله وكنا نعلم شيئاً من
ذالك قبل ولكن ايّما كنا نعلمه مما استفدنا
من حضرتهما فى هذا الصدد وبالامس شرفا
منزلي وقدما الي (فتح الملهم فى شرح صحيح
مسلم) من مولفاتكم الذاخرة فعظم سروري
وابتهاجي بذالك جداً وكلما درسته ازددت
اعجابا بالكتاب فانتم يا مولانا فخر الحنفية فى
هذا العصر حقاً، اذ يتم بشرح صحيح مسلم
هذا عن علم غزير وفضل فياض فى هدوء
تام وسكينة كاملة فى كل اخذ ورد كما
هو شان ارباب القلوب من السلف الصالح،
فاشكركم باسم العلم على عملكم النافع هذا كما
اشكركم عظيم شكر على هديتكم القيمة هذه
وادعو الله سبحانه ان يوفقكم لامثال امثاله
من التاليفات النافعة فى خير وعافية،
فالواجب على هذا العاجز ان يرتع فى رياضه
ويعكف على دراسته بقدر ما يسمح له
صحته ليكون ذالك ذخراً لآخرتي وتنويراً

علمی کے دو قابل ولائق اُستادوں سے جو قاہرہ مصر میں
بعض خاص کتابوں کی طباعت کے لئے آئے ہوئے ہیں
تعارف ہُوا مجھے ان دونوں حضرات سے ہندوستان کے ان
بھائیوں کے حالات معلوم ہوکر بہت خوشی ہوئی جو ان علوم کے
پھیلانے میں جن سے اللہ اور رسول راضی ہے لگے ہوئے ہیں۔ ہم
اس بارے میں کچھ تو پہلے بھی علم رکھتے تھے لیکن ان دونوں
حضرات سے ہمیں اس سلسلے میں بہت کچھ معلومات میں اضافہ
ہوا۔ ان دونوں حضرات نے میرے غریب خانے کو تشریف لاکر شرف
بخشا اور مجھے (فتح الملہم فی شرح صحیح مسلم) آپ کی
مفید معلومات سے لبریز کتاب عنایت فرمائی مجھے اس سے بیحد
خوشی اور مسرت حاصل ہوئی۔ میں نے جس قدر اس کو پڑھا
اسی قدر میری حیرانی بڑھتی گئی۔ اے حضرت آپ اس
زمانے میں بجا طور پر فخر حنفیت ہیں آپ نے صحیح مسلم کی
شرح اپنے علم کی فراوانی اور فیض پہنچانے والے فضل
سے ایسے اطمینان اور تسکین کے ساتھ کی ہے کہ قابل
قبول کو قبول کرانے اور قابل تردید مسئلے کو رد کرنے میں جیسا کہ اہل
دل سلف صالحین کی شان ہے عمل کیا ہے۔ میں علم کے نام کے
ساتھ آپ کے اس نفع بخش عمل تصنیف پر آپ کا شکریہ ادا کرتا
ہوں جیسا کہ آپ کے اس کتاب کے ہمیشہ یادگار تحفے پر عظمت سے
لبریز آپ کا شکر گذار ہوں اور اللہ سبحانہ سے دعا کرتا ہوں
کہ وہ آپ کو اس جیسی بہت سی نفع بخش تصنیفات کی خیر و
عافیت کے ساتھ توفیق بخشے پس اس ناچیز کے لئے اہل کوثری
پر یہ ضروری ہے کہ اس کے مضامین سے مزے لوٹے اور حتی المقدور

لقلبي ونظرة عجلى في الكتاب اظهرت لي
عن كنز ثمين وكم كان سروري عظيمًا من
تلك المقدمة النفيسة في مصطلح الحديث
وفي شرح مقدمة صحيح مسلم فانها مما لم
اره مسطورًا في موضع واحد بهذا الجمع و
هذا التحقيق وطريقتكم البديعة في شرح
الكتاب مما يخضع لبالغ استقامة كبار
اهل العلم سلفًا وخلفًا فماذا يكون قول
مثلي من المتطفلين على العلم سوى
الاكبار والاجلال، اطال الله بقاءكم
في عافية كاملة وصحة تامة ونفع بعلومكم
المسلمين وفي الختام ارجو من مولانا
الدعاء لي بحسن الخاتمة۔

من الداعي المخلص

محمد زاهد بن الحسن الكوثري
خادم العلم بدار الخلافة العثمانية
سابقًا، المقيم بالمنزل رقم ۸۰
بشارع العباسية بمصر القاهرة
في ۹ جمادى الثانية سنہ ۱۳۵۷ھ

اس کے مطالعے کا شغل رکھے تاکہ یہ عمل میری آخرت کا ذخیرہ
اور دل کا نور بن جائے۔ کتاب پر سرسری نظر ڈالنے سے
مجھے ایک قیمتی خزانے کا پتہ چلا۔ اور حدیث کی اصطلاحات
میں نفیس مقدمہ اور صحیح مسلم کے مقدمے کی شرح دیکھ کر
میری خوشی کی تو کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ وہ مقدمہ ایک
ایسا کارنامہ ہے کہ ایک جگہ میں اس تحقیق کے ساتھ ایسا
جامع مقدمہ میں نے نہیں دیکھا اور کتاب کی شرح میں آپ کا
نرالا انداز اور بالغ النظری تو ایسی باتیں ہیں جن کے سامنے
متقدمین اور متاخرین علما بھی جھک جائیں بجا یہ (کوثری)
علم کا طفل مکتب کہ اس کے لئے اس کتاب کی عظمت و کبریائی
کو کہتے ہوئے نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ آپکی (علامہ عثمانی) عمر دراز
کرے اس طرح کہ بھر پور صحت اور نقطہ عروج پر پہنچی ہوئی
عافیت سے آپ بہرہ اندوز رہیں اور مسلمانوں کو آپ کے علوم سے
فائدہ پہنچائیں اور آخر میں آپ سے حضرت مولانا اپنے لئے
انجام بخیر کی دعا کا امیدوار ہوں۔

مخلص دعا گو کی طرف سے

محمد زاہد بن حسن کوثری دار الخلافہ عثمانیہ کا سابق خادم علم
مکان ۸۰ شارع عباسیہ (عباسیہ وڈ) قاہرہ (مصر)
۹۔ جمادی الثانیہ ۱۳۵۷ھ

(۱۳) مکتوب علامہ شبیر احمد عثمانی بخط خود بنام زاہد الکوثری (مصر)

(فضل اللہ المدعو بہ) شبیر احمد عثمانی صدر المدرسین جامع اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت

الی حضرۃ الشیخ العلامۃ الحبر المحقق مولانا محمد زاہد بن حسن بن علی الکوثری اطال اللہ بقاءہ واحسن الیہ فی دنیاہ وآخرتہ وافاض علینا من شآبیب علمہ وفضلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وبعد الحمد والصلوۃ فقد تشرفت بمکتوبکم السامی وسررت بمطالعتہ جدًا۔ کیف لا وہو مشتمل علی کلمات طیبۃ مبارکۃ من عالم متبحرٍ ناقد نافذ البصیرۃ عدیم النظیر فی عصرہ قد قرظ بھا کتابی فتح الملھم بعد ما دقق النظر فیہ۔ فواللہ قد حصل لی بہ سرور وابتہاج عظیم لم یحصل لی قط من تقریظ احد من العلماء بعد الشیخ العلامۃ الانور قدس اللہ روحہ۔

وبھذا تم نصاب الشھادۃ واطمأن قلبی وسکن جأشی حین شھد شاھدان خبیران حاذقان ذوا عدل منا بما یدل علی ان عملی لیس بضائع ورجائی غیر خائب ان شاء اللہ تعالیٰ وانی بفضل اللہ تعالیٰ وعونہ اعد ھذہ الشھادۃ العادلۃ وثیقۃ نجاحی

بخدمت جناب شیخ علامہ محقق مولانا محمد زاہد بن حسن علی کوثری اللہ ان کی عمر دراز کرے اور دنیا اور آخرت میں ان پر اپنا کرم فرمائے اور ان کے علم و فضل کی ہم پر بارش برسائے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حمد و درود کے بعد۔ آپ کے مکتوب گرامی سے مشرف ہوا اور اس کو پڑھ کر بے حد مسرور رہا اور کیوں نہ ہوتا کہ وہ بابرکت مضمون پر مشتمل تھا جو ایسے جید عالم و ناقد صاحب بصیرت کی طرف سے تھا جو اپنے زمانے میں بے نظیر ہے اور جنہوں نے وقت نظر کے بعد میری کتاب فتح الملہم پر تقریظ لکھی ہے خدا کی قسم مجھے اس تقریظ سے ایسی مسرت اور خوشی حاصل ہوئی ہے جو مجھے علامہ انور شاہ قدس اللہ روحہ کے بعد علماء میں سے کسی کی تقریظ پر وہ خوشی حاصل نہیں ہوئی۔

اور اس تقریظ پر شہادت کا نصاب (ضابطہ) پورا ہو گیا اور میرا دل مطمئن ہوا اور میرے اضطراب کو تسکین ملی جبکہ دو صاحب خبر، حاذق اور منصف (معتمد) گواہوں نے علماء میں سے اس بات پر گواہی دیدی کہ میرا عمل ضائع نہیں ہوا اور میری اچھی امید انشاء اللہ تعالیٰ مایوسی سے مبدل نہیں ہوئی اور میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی

ومذخيرة فلاحي في آخرتي، والله سبحانه
وتعالى عند ظن عبده به وقد ورد في الحديث
عن عمرؓ مرفوعاً ايما مسلم شهد له اربعة بخير
ادخله الله الجنة فقلنا وثلاثة قال و
ثلاثة فقلنا واثنان قال واثنان
ثم لم نسأله عن الواحد قال
الزين ابن المنير وانما لم يسئل عمرؓ
عن الواحد استبعاداً منه ان يكتفى
في مثل هذا المقام العظيم باقل من
النصاب الخ۔

والتمس من حضرة الشيخ الدعاء
لي بحسن الخاتمة ولهذا الشرح بحسن
القبول عند الله وعند الناس مع
التيسير لاتمامه۔

وها انا ارفع يدي الى الله سبحانه
وتعالى ان يحفظكم ويبارك في مساعيكم
الجميلة وايدكم بنصره لنصرة الدين
واعلاء كلمة الحق ويزيدكم من فضله
ويجمع بيننا وبينكم في احسن احوال
واطيبها آمين۔

وما كنت اظن ان عملي هذا يقع هذا
الموقع من القبول عند امثالكم من
الفضلاء المتبحرين۔ ولكن ذلك فضل

مدد سے اس منصفانہ شہادت کو اپنی نجات کی دستاویز
اور آخرت میں اپنی فلاح کا ذخیرہ سمجھتا ہوں اور اللہ تعالےٰ
اپنے بندے کے ظن کے مطابق ہوتا ہے اور حضرت عمرؓ سے
حدیث مرفوع میں آیا ہے کہ جو مسلمان اس کیلئے چار شخص بھلائی
کی گواہی دیدیں تو اللہ تعالیٰ اسکو جنت میں داخل کردینگے
(صحابہ نے کہا کہ) ہم نے عرض کیا اگر تین گواہی دیدیں تو حضورؐ
نے فرمایا کہ تین بھی۔ پھر ہم نے عرض کیا اگر دو گواہی دیں تو فرمایا
کہ دو بھی کافی ہیں پھر ہم نے ایک کے متعلق حضورؐ سے سوال
نہیں کیا۔ زین بن منیر نے کہا ہے کہ عمرؓ نے ایک گواہ کے متعلق سوال
نہیں کیا کیونکہ اس جیسی اہم بات کیلئے نصاب کم کی گواہی اُنہوں نے بعید سمجھا الخ

اور میں آنجناب سے اپنے لئے انجام بخیر اور اس
مسلم کی شرح فتح الملہم کی بآسانی تکمیل اور اللہ تعالیٰ
اور بندوں کے نزدیک اس کی قبولیت کی دعا کا
خواہش مند ہوں۔

اور یہ لیجئے میں بھی اللہ تعالیٰ سے دست بدعا
ہوں کہ وہ آپکی حفاظت فرمائے اور آپکی علمی کوششوں میں
برکت دے اور اعلائے کلمۂ حق اور دین کی نصرت میں
آپ کی مدد فرمائے۔ اور اپنے فضل مزید سے
نوازے اور آپ کو ہمیں بخیریت ملاقات کا
موقع عنایت فرمائے۔ آمین

مجھے اپنی اس علمی کوشش کے متعلق یہ گمان بھی نہ تھا
کہ آپ جیسے متبحر علما کی نظروں میں قبولیت کا مقام حاصل
کریگی ہاں یہ تو محض اللہ کا فضل ہے جو اس حقیر گنہگار بندے

من الله تفضل به على العبد المذنب الحقير فلله الحمد والمنة والمرجو من حضرة الشيخ اذا اطلع على خطأ او غلط في هذا الكتاب ولابد ان يصححه ويصلحه ويعلمني به حتى اتوقاه في الطبعة الثانية انشاء الله تعالى ولكم مني جزيل الشكر۔

والجزء الثالث من الكتاب تحت الطبع وهو من كتاب الزكوة الى آخر النكاح وسيصل الى فضيلة الاستاذ بعد رمضان انشاء الله۔

ثم اني قد انتفعت بمصنفاتكم من التعليقات على ذيول طبقات الحفاظ على السيف الصيقل وبلوغ الاماني والاشفاق ثم الآن بمقدمة تخريج الزيلعي فسبحان الله ماذا افيض من العلوم والحقائق النادرة، وساقتبس من الاشفاق بعض نوادرها في كتاب الطلاق من فتح الملهم حسبما بذالك المقام۔

والسيف الصيقل عندي مستعار من حضرة الاخ الفاضل مولانا ابي الوفاء الافغاني مدير دائرة المعارف النعمانية بحيدرآباد الدكن والمرجو من

کہ اسکی وجہ سے فضیلت بخشی اس لئے اسی کی حمد اور احسان ہے اور میں آنجناب جیسے شیخ سے امید کرتا ہوں کہ اس کتاب میں اگر کوئی غلطی اور بھول چوک پائیں تو اس کی تصحیح اور اصلاح فرما دیں اور اسکی اطلاع دیں تاکہ طباعت ثانیہ میں اس سے بچا جا سکے انشاء اللہ تعالیٰ۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔

اور کتاب کی تیسری جلد زیر طبع ہے اور وہ کتاب الزکوٰۃ سے کتاب النکاح کے آخر تک ہوگی جو عنقریب آنجناب کو رمضان کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ پہنچے گی۔

پھر میں نے بھی آپ کی تصنیفات یعنی تعلیقات علی ذیول طبقات الحفاظ" اور "السیف الصیقل" اور "بلوغ الامانی" اور "الاشفاق" اور اب "تخریج زیلعی" کے مقدمے سے استفادہ کیا۔ سبحان اللہ کیا کیا نادر تحقیقات اور علوم کے موتی (ان کتابوں میں) بکھیرے ہیں۔ اور میں بھی عنقریب کتاب الطلاق میں کتاب "الاشفاق" سے فتح الملہم کے لئے جہاں مقام مناسب ہوگا بعض نایاب معلومات اخذ کروں گا۔

اور آپ کی تصنیف "السیف الصیقل" برادر فاضل مولانا ابو الوفا افغانی مدیر دائرۃ المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن سے مستعار (ادھار) لی ہوئی ہے اور مجھے آپ کے اخلاق حسنہ سے امید

مکارمکم ان تسمحوا لی بنسخة منه لتکون تذکاراً عندی من حضرتکم ادامکم الله محفوظین۔

والسلام مع الوف الاحترام

ہے کہ اس کا ایک نسخہ مجھے اپنی یادگار کے طور پر عنایت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے ہزاروں احترامات کے ساتھ سلام عرض کرتا ہوں۔

العبد
شبیر احمد العثمانی
من ڈابھیل۔ سورت
(الهند)
٣ رجب سنه ١٣٥٧ هـ

بندہ
شبیر احمد عثمانی
ڈابھیل۔ سورت
(ہندوستان)
٣ر رجب سنہ ١٣٥٧ھ (مطابق سنہ ١٩٣٨ء)

نوٹ:- علامہ کا یہ خط ہمارے پاس موجود ہے جو ان کے گھر کراچی سے ملا ہے۔

(١٤) بنام مولانا محمد یوسف صاحب بنوری

نوٹ:- مولانا محمد یوسف صاحب بنوری زیارت حرمین شریفین سے فارغ ہو کر مصر گئے ہوئے تھے۔ وہاں سے واپس ہوئے ہیں۔ علامہ نے مصر سے ان کی واپسی پر ڈابھیل جلد پہنچنے کی خواہش کا اس خط میں اظہار فرمایا ہے۔ یوسف اور مصر کی مناسبتیں کیا خوب قائم ہیں۔ (مرتب)

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

بخدمت برادر محترم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ محبت نامہ پہنچا، مسرور کیا۔ مع الخیر مراجعت وطن پر مبارک باد دیتا ہوں۔ مدت سے ملاقات کا شوق ہے۔ خیر یوسف مصر سے ہندوستان تو آیا۔ گجرات بھی انشاء اللہ پہنچ جائے گا۔ ہم کو آپ کی باتیں سننے کا اتنا ہی شوق ہے جتنا آپ کو سنانے کا۔ مگر خدا جانے کب ہمارا نمبر آئے۔ دعا کرتا ہوں۔ کہ حق تعالیٰ اس جزو اہم کے حل کی کوئی صورت پیدا فرمادیں تاکہ آپ کو اطمینان نصیب ہو۔ ظاہر ہے کہ مجلس علمی کو جو مادی کامیابی نصیب ہوئی اس میں بڑا دخل میں آپ کا سمجھتا ہوں بہرحال بہت خوشی ہوئی۔

آخر کوئی تخمینی میعاد تو کہدو کب تک یہاں آنے کا قصد ہے؟ یہ سُنا ہے مولوی نافع صاحب تو مل آئے۔ ہاں یہ تو بتائیے۔ وہ کتابیں مصر میں کس کے حوالے کر آئے ہو۔ جو آج تک کسی خط کی بھی رسید نہیں دیتے۔ آخر کب تک یہاں پہنچے گی۔

از ڈابھیل ضلع سورت

۲۹ رصفر ۱۳۵۸ھ (مطابق ۱۹۳۹ء)

(۱۵) مولانا محمّد یُوسف صاحب کے نام

تعارف:۔ یہ خط علامہ کا اس زمانے کا ہے جبکہ آپ ڈابھیل کی ملازمت چھوڑ کر مستقل طور پر دارالعلوم دیوبند کی صدارت اہتمام پر فائز ہیں۔ یہ خط مطبوعہ فارم پر ہے۔ (مرتب)

شبیر احمد عثمانی المدعو بہ فضل اللہ

بیت الفضل دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

بمطالعہ مکرمی جناب مولانا محمّد یوسف صاحب دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ آپ کا الطاف نامہ پہنچا۔ مجھے فرصت کم ہوتی ہے۔ بلاترتیب کیفما اتفق خطوط کے جوابات لکھ دیتا ہوں۔ اس کا کچھ خیال نہ کیجئے۔ مجھے جو کچھ قلبی تعلق آپ کے ساتھ ہے وُہ خود آپ کو معلوم ہے۔ مجھے بہت سی علمی توقعات آپ کی ذات سے ہیں۔

میرے قیام ڈابھیل کی وہ سابق نوعیت تو اب رہ نہیں سکتی البتہ اگر جناب مہتمم صاحب اور احباب کے مشورے اور اہل حل وعقد کی مرضی سے کوئی اور صورت تجویز ہو تو غور کر سکتا ہوں۔

صحیح بخاری کے درس کی نسبت بھی ان لوگوں کے استفسار پر کچھ عرض کر سکوں گا۔ جو حالات آپ نے لکھے ہیں پیش نظر ہیں۔ بلکہ بہت پہلے سے پیش نظر ہیں۔ اپنے نزدیک سوچ سمجھ کر کوئی مفید مشورہ دیا جائے گا۔

سنن ابی داؤد کے درس سے میری تمنا پوری ہوئی۔ میں مدت سے چاہتا تھا کہ اس درجہ کا کوئی سبق آپ کے ہاں ہو۔ الحمدللہ آپ کا درس مقبول ہے۔ اللھم زاد فزد سب احباب اور

بزرگوں کی خدمت میں سلام مسنون۔ مولانا عزیز احمد صاحب وغیرہ کو سلام مسنون۔

پتہ:۔ برادرم محترم مولانا الحاج محمد یوسف صاحب شبیر احمد عثمانی از دیوبند

بنوری دامت مکارمہم۔ گڑھی امیر احمد شاہ۔ پشاور ڈسٹرکٹ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۳۹ء مطابق مہر

PISHAWAR FRONTER موصولہ ۲۲ اپریل ۱۹۳۹ء

علامہ عثمانی کے بعض صدارتی خطوط

(تعارف) دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے علامہ عثمانی کو صدر مہتمم کی حیثیت سے جب چن لیا تو اس سلسلے میں آپ ابتدا میں تو دو ایک سال ڈابھیل کی صدر مدرسی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے اور دارالعلوم کی صدارت کے بھی مگر پھر مستقل طور پر دارالعلوم کی خدمات کے لئے دیوبند میں مقیم ہو گئے۔ علامہ کا یہ دور ۱۳۵۴ھ سے شوال ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۳ء رہا۔ اس سلسلے میں جناب مہتمم صاحب مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ اور نائب مہتمم مولانا مبارک علی صاحب نگینوی کے پاس احکام کے اجراء میں خطوط آئے گئے۔

ہمیں علامہ کے چند خطوط ان کے گھر سے کراچی میں ایک کاپی میں لکھے ہوئے حاصل ہوئے جو ہم درج کرتے ہیں۔ یہ خطوط دراصل دفتری کارروائی سے متعلق ہیں۔

(۱۶) بنام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مکرمی جناب مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ مولوی عبدالحق صاحب محرر اہتمام کی تحریر مورخہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ملی۔ اس بارے میں ان کا کوئی عذر قابل سماعت نہیں۔ بجائے معذرت کرنے کے جو کچھ لکھا ہے وہ خود ان کے اقرار سے غلط ہے۔ جو خود ساختہ ترتیب دعوت نامے یا روئداد وغیرہ بھیجنے کی انہوں نے لکھی ہے اس کے اعتبار سے چاہئے تھا کہ خان بہادر شیخ ضیاء الحق صاحب کے پاس بھی یہ تحریر سب سے آخر میں بھیجی جاتی۔ حالانکہ ان کو ۷ ذی الحجہ کو وصول ہو چکی۔ اس سے قبل گذشتہ جلسہ انتظامیہ کے دعوت نامے

اور التوائے شوریٰ کی اطلاعات میرے پاس اسی روز یا زائد از زائد اگلے دن پہنچی جس دن بعید مقامات پر رہنے والے حضرات کو روانہ کی گئیں۔ ان کے یہ سب اعذار محض لغو اور لاطائل ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس سے پہلے ایک مدت دراز تک انتظامیہ کے دعوت نامے میرے پاس قطعاً بھیجے ہی نہیں گئے تھے۔ جس پر شوریٰ نے سخت اعتراض کیا تھا نتیجہ یہ ہے کہ اس معاملے میں عبدالحق صاحب کو ایک ماہ کے لئے معطل کیا جاتا ہے اگر ان کے تعطل سے دفتر کے کاموں میں کوئی دقت ہو تو لکھا جائے تاکہ اس کا دوسرا بندوبست کیا جائے تعطل کی اطلاع ان کو اور شعبۂ متعلقہ کو کر دی جائے۔

شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم دارالعلوم

۵ محرم ۱۳۵۹ھ - ۱۴ فروری ۱۹۴۰ء

(۱۷) بنام مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند (مولانا محمد طیب صاحب)

بخدمت گرامی مکرمی جناب مہتمم صاحب دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ بجواب تحریر ۳۴۳ مندرجہ رجسٹر احکامات ۵۹ مورخہ ۱۲ محرم ۱۳۵۹ھ عرض ہے کہ پہلے میرے پاس تجویز مجلس انتظامیہ مورخہ ۹/۱/۵۹ کی نقل بھیج دیں۔ اس کے بعد آپ خود کسی وقت یہاں تشریف لے آئیں یا اس میں کوئی حرج ہو تو میں وہاں آجاؤں گا اور رپورٹ آپ کے مطالعے کے لئے پیش کر دوں گا۔ اس میں سے جس حصے کی نقل مطلوب ہو حسب قرارداد مجلس انتظامیہ اس پر نشان فرما دیں۔ اس کی نقل کرا کر آپ کے پاس بھیج دی جائے گی اور جو حوالجات وغیرہ نوٹ کرانے ہوں کرا دئے جائیں گے۔ اگر یہاں تشریف لائیں تو آنے سے پہلے ہی مطلع کریں تاکہ یہاں موجود رہوں۔ ورنہ میں وہاں لے آؤں گا۔ اس کے لئے جو وقت فارغ ہو بتلا دیا جائے۔

شبیر احمد صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند ۱۳/۱/۵۹ھ

(۱۸) بنام نائب مہتمم (مولانا مبارک علی صاحب) دارالعلوم دیوبند

مکرمی جناب نائب مہتمم صاحب دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ جملہ وہ ملازمین جن کو ڈائری روزانہ رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی

ان سب کی ڈائریاں کل ۱۶ ؍ محرم ۵۹ھ کو ۹ بجے میرے پاس بھجوا دی جائیں اور اگر مذکورہ بالا ملازمین سے بعض نے اب تک ڈائری نہیں بنائی تو ایسے ملازمین کی فہرست مجھے دی جائے اور یہ بھی دریافت کیا جائے کہ کیوں اب تک انہوں نے ہدایت اہتمام پر عملدرآمد نہیں کیا۔

شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم دارالعلوم ۱۵ ؍ ۱ ؍ ۵۹ھ

(۱۹) بنام نائب مہتمم صاحب

بخدمت مکرمی جناب نائب ناظم صاحب دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ آپ کی طرف سے ایک حکم گشتی مورخہ ۱۱ ؍ ۳ ؍ ۵۹ میرے ملاحظہ میں آیا اس میں ملازمین دارالعلوم کو میلہ چوردس کی شرکت سے محترز رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ غالباً یہ چیز پار سال کے تتبع میں ہوئی۔ میرے نزدیک اس قسم کا حکم تمام چھوٹے بڑے ملازمین کے نام جاری کر کے ان سے دستخط لینا کچھ غیر موزوں ہے۔ ملازمین میں ہر درجے کے لوگ ہیں۔ ان کو دستخط کرنے میں ضرور انقباض ہوگا۔ کیونکہ اپنی پوزیشن کے اعتبار سے ان کے تصور میں بھی یہ چیز نہ آئی ہوگی اس لئے آئندہ اس طرح کی خفیف چیزوں کے متعلق مناسب ہوگا کہ شعبہ جات کے ذمہ داروں کو بلا کر کہ دیا جایا کرے کہ وہ اپنے اپنے عملے کو تاکید کر دیں۔ ہاں اگر کسی خاص ملازم کی نسبت کوئی صورت پیش آئی ہو تو اس کو خصوصیت سے تحریری تنبیہ کی جائے۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند ۱۲ ؍ ۳ ؍ ۵۹ھ

(۲۰) بنام مہتمم (مولانا محمد طیب صاحب)

بخدمت مکرمی جناب مہتمم صاحب دارالعلوم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ کل جلسۂ شوریٰ کی تاریخ ہے۔ ضرورت ہے کہ جو مسلے یہاں سے باخذ رسید لی گئی ہیں وہ سب واپس کر دی جائیں اور جوابات سوالات بھی میرے پاس بھیج دئے جائیں۔ تاکہ رپورٹ میں اس کے مکمل مواد اور جوابات حسب قرارداد مجلس انتظامیہ ۱۲ ؍ شوال ۱۳۵۸ھ مجلس کے سامنے میں پیش کر سکوں۔ والسلام

ان کاغذات و امسلہ کی فہرست جو بھیجی گئیں :-

۱- مسل تنظیم اوقات

۲- مسل تقرر محمد ہاشم

۳- مسل مولوی محمد فاضل صاحب

۴- شکایت خاکروباں متعلقہ مولوی محمد فاضل

شبیر احمد عثمانی

۷ ۲/۵۹ ج

(۲۱) بنام مہتمم دارالعلوم

بخدمت گرامی مکرمی جناب مہتمم صاحب دارالعلوم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ کاغذات مطلوبہ کی نقل کرائی گئی۔ اس میں کئی روز صرف ہوئے پھر میں دہلی چلا گیا۔ پانچ روز میں واپس آیا۔

گو مجلس انتظامیہ نے رپورٹ کے علاوہ دیگر کاغذات و نقشہ جات کی نقل دینے کو نہیں لکھا۔ بلکہ صرف ان رجسٹروں پر حوالہ کرنا کافی سمجھا ہے جن سے یہ نقشے مرتب ہوئے ہیں لیکن میں نے یہ سمجھ کر کہ آپ کو نقشے مرتب کرانے میں ایک مدت صرف ہوگی نقول کرا دی ہیں اب آپ کل کسی شخص کو بھیج دیجئے تاکہ وہ یہاں آ کر ان نقول کا اصول سے مقابلہ کرے اور تصحیح کے بعد آپ کے پاس بھیجدی جائے۔ والسلام۔

شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۹ محرم ۱۳۵۹ھ

(۲۲) بنام نائب مہتمم

بخدمت مکرمی جناب نائب مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ میں نے شعبہ جات کی ڈائریوں کا سرسری معائنہ کیا۔ حسب ذیل امور پر توجہ دلائی جائے :-

۱- کئی ملازمین ایسے ہیں جنہوں نے اب تک ڈائری نہیں رکھی۔ بہت سی ڈائریاں مہینوں سے خالی پڑی ہیں۔ کوئی اندراج نہیں ہوا۔ جو اندراجات کئے گئے وہ ناتمام ہیں جن سے کام کی روزانہ مقدار کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

۲۔ جملہ نظما کو بھی ڈائری رکھنا چاہیئے۔ ان کو عام نگرانی کے علاوہ جو خصوصی مصروفیات پیش آئیں ان کا اندراج کرتے رہیں اور التزاماً اپنے اہلکاروں کی ڈائریوں پر روزانہ جانچ کر کے دستخط ثبت کریں۔

۳۔ شعبۂ طب کے لئے علیحدہ ڈائری رکھنے کی ضرورت نہیں۔ رجسٹر مرضیٰ جس میں روزانہ مریضوں کی تعداد وغیرہ درج ہوتی ہے وہی کافی ہے۔

۴۔ دارالافتا میں ہر ایک کے پاس یادداشت رہنی چاہیئے جس میں یہ خلاصہ درج ہو۔ کہ فلاں تاریخ میں اتنے فتاوٰی از نمبر ۔۔۔ تا نمبر ۔۔۔ لکھے یا نقل کئے گئے یا فلاں مسئلے سے متعلق بحث وتحیص رہی۔ اس قدر خلاصہ لکھنا کافی ہے۔ تفصیلات معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی تو رجسٹروں سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔ آئندہ کے لئے تاکید کی جائے کہ اس بارے میں تساہل نہ برتیں۔ اہتمام کی طرف سے وقتاً فوقتاً جانچ ہوا کرے گی۔

شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند ۲۲ $\frac{1}{59}$ ھ

تبصرہ یہ ہیں وہ چند احکام جو علامہ عثمانی کی انتظامیہ بصیرت پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ جن سے ان کے اعلیٰ منتظم ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے جس سے وہ سب خدشے صاف ہو جاتے ہیں جو آپ کے صدر مہتمم بنائے جانے کے موقع پر ابتدا میں کئے گئے تھے کہ انتظامیہ کو موصوف کے بس کی بات نہیں۔

مولانا عثمانی کی کمزوری مولانا عثمانی میں جو ایک کمزوری ہمیں نظر آئی وہ یہ تھی کہ وہ جوڑ توڑ کی دنیا سے کوسوں دور تھے وہ پارٹی بنانے اور اسے مضبوط کر کے آگے چلنے اور اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے بھوکے نہ تھے۔ وہ صاحب کمال اور صاحب کلام شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے کمال سے استفادے کے لئے اگر کوئی ازرہ عقیدت آگے بڑھتا تو وہ اسے لبیک کہتے۔ اور اگر علامہ کو کسی مقصد کے لئے کسی کی احتیاج پڑتی اور اس سے سادہ طور پر تائید کی صورت ملتی تو اختیار فرما لیتے ورنہ کسی کو اپنے ساتھ ملانے اور اس سے باصرار تائید حاصل کرنے کے پیچھے نہ پڑتے تھے اور اگر مزید خلاف مزاج واقعات پیش آتے تو اس میدان سے پیچھے ہٹ آتے تھے۔

مکتوباتِ عثمانیؒ بنام مولوی سیّد محمّد ازہر شاہ

تعارف:- آئندہ صفحات پر جو خطوط تاریخی ترتیب کے ساتھ علامہ عثمانی کے درج ہیں وہ مولوی سیّد محمّد ازہر شاہ کے نام ہیں۔ ازہر شاہ صاحب امام العلماء حضرت مولانا سیّد محمّد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے فرزند ارجمند ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کا انتقال ۱۳۵۲ھ میں دیوبند ہوا۔ اور دیوبند میں ہی مدفون ہیں۔ اس وقت شاہ صاحب ڈابھیل ضلع سورت میں شیخ الحدیث تھے۔ انتقال کے بعد اور پہلے بھی مولوی ازہر شاہ ڈابھیل پڑھتے رہے آجکل رسالہ دارالعلوم دیوبند کے ایڈیٹر ہیں۔ مولانا عثمانی ان پر شاہ صاحب کی وجہ سے بہت شفیق تھے حسب ذیل خطوط انہی کے نام علامہ کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ میں نے یہ خطوط ازہر صاحب سے طلب کئے تھے جو انہوں نے دیوبند سے بھیجے تھے اور میں نے نقل کر کے ان کو واپس بھیج دئے تھے حسب ذیل خطوط تاریخ کی ترتیب کے اعتبار سے مختلف جگہ ملیں گے۔ (مرتب)

خطوط کی تاریخی ترتیب مولوی ازہر شاہ کے نام خطوط کی تاریخی ترتیب حسب ذیل ہے:-

پہلا خط ــــــــــ ۵ر شعبان ۱۳۵۹ھ - ۸ر ستمبر ۱۹۴۰ء

دوسرا خط ــــــــــ ۱۲ر ذوالحجہ ۱۳۶۲ھ - ۱۰ر دسمبر ۱۹۴۳ء

تیسرا خط ــــــــــ ۲۵ر ذوالحجہ ۱۳۶۲ھ - ۲۴ر دسمبر ۱۹۴۳ء

چوتھا خط ــــــــــ ۶ر صفر ۱۳۶۳ھ - ۲۵ر فروری ۱۹۴۴ء

پانچواں خط ــــــــــ ۶ر رجب ۱۳۶۳ھ - ۲۸ر جون ۱۹۴۴ء

چھٹا خط ــــــــــ ۲۷ر رجب ۱۳۶۳ھ - ۲۰ر جولائی ۱۹۴۴ء

ساتواں خط ــــــــــ

(۲۳) بنام مولانا ازہر شاہ صاحب

برادر عزیز السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کل مولوی محمّد ادریس صاحب سے معلوم ہوا کہ تمہارے بھائی اکبر کا انتقال ہوگیا۔ بہت ہی

تاسف اور قلق ہوا میں نے اپنے ہاں کے بچوں سے اس کی ذہانت اور شوق تحصیل علم وغیرہ کا حال سنا تھا اس لئے توقعات تھیں کہ وہ اپنے باپ کی میراث حاصل کرے گا۔ افسوس یہ اُمید ختم ہوگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا انجام بہتر کریں اور اس کی غمزدہ والدہ اور بہن بھائیوں کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے اور اس مرحوم کو ان کے لئے اجرو ذخر بنائے۔ جناب حکیمؒ صاحب کی خدمت میں بعد سلام مسنون مضمون تعزیت عرض ہے۔ والسلام

پتہ: برادر عزیز مولوی حافظ سید ازہر شاہ سلمہ اللہ تعالیٰ

شبیر احمد عثمانی

انور منزل۔ محلہ خانقاہ۔ دیوبند

ضلع سہارنپور (یوپی)

از ڈابھیل۔ ضلع سورت

۵ شعبان ۱۳۵۹ھ (۸ ستمبر ۱۹۴۰ء)

نوٹ:۔ ۱۔ مولوی محمد ادریس صاحب سے مراد استاذ محترم مولانا محمد ادریس صاحب مرحوم سکروڈھوی ضلع سہارنپور یو۔پی ہیں۔ جو شاہ محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جان نثار خادم اور سابق دارالعلوم دیوبند کے مدرس اور بعد ازاں ڈابھیل میں شاہ صاحب کے ساتھ مدرس رہے ۱۹۲۷ء میں شاہ صاحب کے ساتھ دیوبند سے ڈابھیل چلے گئے تھے۔ دیوبند میں علم ہیئت کے بلا شرکت غیرے مدرس تھے۔ تصریح، شرح چغمنی وغیرہ پڑھاتے تھے۔ بڑے ذہین تھے۔ مطالعہ کے بغیر پڑھاتے تھے۔ میں نے ان سے میبذی، شرح عقائد نسفی، تصریح وغیرہ کتابیں دیوبند میں پڑھی ہیں۔

۲۔ حکیم صاحب سے مراد حکیم محفوظ علی صاحب ہیں جو مولوی ازہر شاہ کے ماموں ہوتے ہیں طبابت کرتے تھے۔ دیوبند میں بھی کسی وقت طب کے اُستاد رہے ہیں:

(۲۴) بنام مولانا محمد یوسف صاحب بنوری

برادر محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ پہنچا۔ احوال سے اطلاع ہوئی۔ حق تعالیٰ اپنے احباب کے لئے کوئی صورت پیدا کردے کہ علمی ترقیات بھی جاری رہیں اور معاشی مشکلات کا سامنا نہ ہو۔ اگر مجلس علمی ڈابھیل سے یہاں منتقل ہوگئی تو میری امکانی خدمات اس کے لئے بہر حال حاضر ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل سے اُمید رکھتا ہوں کہ آپ کے لئے کوئی نہ کوئی اچھی صورت میسر ہوجائے گی جس میں آپ

پر زیادہ بار بھی نہ ہوگا لیکن شوال سے پہلے مجھے آپ کے ارادے کا علم ہو جانا چاہئے تاکہ امکانی سعی کی جا سکے۔

"تانیب الخطیب" کا کوئی نسخہ آجائے تو میرے لئے ضرور ارسال کیجئے۔ مولانا سید احمد رضا صاحب کا خط بھی ملا۔ ان سے بھی سلام مسنون فرما دیں کہ حافظ[2] صاحب سے وصول کرنے کی جو مناسب تجویز کی جائے میں انشاء اللہ اس میں پوری مدد کروں گا۔ احباب کو سلام مسنون۔ عزیز یعیش[3] سلمہ اچھا ہے مگر آجکل کچھ گرمی مان رہا ہے۔ دعا فرماتے رہیں۔

پتہ: برادر محترم جناب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری	شبیر احمد عثمانی از دیوبند
مدرسہ جامعہ اسلامیہ	(تاریخ ندارد) مطابق مہر ڈاکخانہ ۱۹ / جون ۱۹۴۲ء
سملک۔ ضلع سورت	موصولہ ۲۲ / جون ۱۹۴۲ء

تعارف:۔ [1] اچھی صورت سے غالباً دار العلوم دیوبند میں بعہدہ تدریس مراد ہے ان دنوں علامہ عثمانی دار العلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے۔

[2] حافظ صاحب سے حافظ محمد یوسف صاحب مراد ہیں جو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے نواسے تھے۔ اسی وجہ سے دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے۔ ان کو علامہ عثمانی نے ڈابھیل کے ایک سیٹھ صاحب سے قرض دلا دیا تھا خط میں اسی روپیہ کی واپسی کی طرف اشارہ ہے۔ اس قرض دلانے نے حضرت عثمانی کو سخت کشمکش میں ڈال دیا بلکہ القرض مقراض المحبۃ کا مظہر ہوا۔

[3] یعیش صاحب مولانا محمد یحییٰ صاحب تھانوی مولانا عثمانی کے بھتیجے داماد کے صاحبزادہ ہیں مولانا یحییٰ سے علامہ کی بھتیجی کی شادی ہوئی تھی جس کو علامہ نے پرورش کیا اور اولاد کی جگہ رکھا انہی کے بطن سے یعیش صاحب پیدا ہوئے۔ جس سے علامہ کو بہت محبت تھی۔ اب تو یعیش صاحب اسلامیہ کالج کراچی میں لیکچرر ہیں۔ (مرتب)

(۲۵) بنام مولانا محمد شریف صاحب جالندھری

(تعارف) مولانا محمد شریف صاحب جہت پور ضلع جالندھر کے رہنے والے ہیں ان کے والد محترم حکیم فضل محمد صاحب بڑے صاحب دل اور پُرخلوص و محبت انسان تھے مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اور ہر سال جہت پور کے سالانہ جلسے میں مجھے تقریر کے لئے بلاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے۔ جالندھر میں بھی قیام فرماتے تھے اور جہت پور میں بھی۔ مولانا محمد شریف صاحب تحریک خلافت میں ۳۵ سال کی عمر میں ملازمت چھوڑ کر طلب علم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ وہاں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی سے بیعت ہوئے اور ان کے بیحد معتقد اور خدمت گذار تھے۔ فراغت کے بعد اسلامیہ ہائی سکول طارق آباد لائل پور میں اسلامیات کے اُستاذ رہے اور ریٹائرڈ ہوئے۔ آجکل لائل پور میں ہی مقیم ہیں۔ ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء میں انہوں نے مولانا عثمانی سے اجازت مانگی کہ مجھے حضرت مولانا حسین احمد صاحب سے بیعت ہونے کی اجازت دیجئے۔ (مرتب)

برادر مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے کئی خط مجھے ملے۔ ان میں سے کسی خط میں آپ نے لکھا تھا کہ کسی دوسری جیل میں منتقل ہونے والا ہوں اس لئے جواب نہیں لکھا گیا تھا۔ پھر مَیں سخت علیل ہوگیا۔ اوّل دردِ نقرس میں مبتلا ہوا پھر درد حوالی گردہ کا شدید دورہ پڑا۔ ایک ماہ کے بعد اب دو چار روز سے مدرسہ جانے لگا ہوں اب بھی پاؤں میں خفیف اثر باقی ہے۔

آپ سے مجھے کوئی رنج نہیں۔ مَیں نہایت خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ آپ حضرت مولانا حسین احمد سے اپنے حسب خواہش رجوع کریں۔ آدمی کو جس سے مناسبت ہو اسی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

مَیں نہ تو اس کام کا اہل ہوں اور نہ میرے مسلک سیاسی سے آپ کو مناسبت ہے اس لئے بالکل فراخدلی سے اجازت دیتا ہوں کہ آپ ان سے روحانی فیض حاصل کریں یہ خط یا اس کی نقل آپ ہی ان کو بھیج دیں۔ مَیں براہ راست ان کو نہیں کہہ سکتا کیا مانع ہے

ہاں اگر خود مجھ سے ذکر کرتے تو کہہ دیتا۔ والسّلام

دُعاگو
شبیّر احمد عثمانی۔ از دیوبند
۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ (مطابق ۱۹۴۲ء)

نوٹ:۔ یہ مکتوب مدرسہ عربیہ اشاعت العلوم جامع مسجد لائلپور کی سالانہ روئداد ۶۱-۱۹۶۰ء کے صفحہ ۴۵ پر چھپا ہوا ہے۔

لہ مدرسے سے مُراد دارالعلوم دیوبند ہے۔ اس وقت علامہ عثمانی دارالعلوم کے صدر مہتمم تھے۔

لہ علامہ کا سیاسی مسلک نظریۂ پاکستان اور مسلم لیگ تھا۔

(۲۶) بنام مولانا محمّد یوسف صاحب

برادرم مکرم۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بیشک آپ کے کئی خطوط مجھے ملے۔ جواب میں حسب عادت تاخیر ہوئی۔ دارالعلوم کے معاملات اور اکثر امراض کا تسلسل مانع ہوا۔ آپ بُرا نہ مانیں۔ آپ کی محبّت قلب میں جاگزین ہے۔ اور ایسے دوستوں کا تعلق مایۂ فخر سمجھتا ہوں۔ آپ نے استعفاء دے دیا۔ اللہ بہتر فرمائے۔ آپ کے خریدار تو بہت ہیں۔ خیال جامعہ کی ویرانی کا ہوتا ہے۔ بہرحال اللہ کی مشیت غالب ہے۔ مستقبل کے پردے میں کیا ہے، اس کا پتہ نہیں۔ اب "العرف الشذی" کا کام پورے انہاک سے ہوگا۔ حق تعالیٰ جلد تکمیل کرا دے۔

طلبہ جو آپ کا خط لائے تھے۔ اُن کو داخلہ کی اجازت دے دی گئی۔ گو زمانہ داخلہ کا نکل چکا تھا۔ میاں محی الدین صاحب عثمانی سے فرما دیجئے۔ کہ اُن کے صاحبزادہ کا خیال رکھوں گا۔

یہاں خیریت ہے۔ اُمید ہے آپ سب مع الخیر ہوں گے۔ مولانا مولوی سید احمد رضا صاحب۔ مولانا بزرگ صاحب۔ حاجی صاحب لال مامونی صاحب اور دیگر احباب

کو سلام مسنون - عزیز یعیش سلمہ خیریت سے ہے۔

پتہ | برادر محترم جناب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری
سملک۔ ضلع سورت (گجرات)
SMLAK
P.O. DABHEL SURAT

شبیر احمد عثمانی - از دیوبند
۱۲ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ
(مطابق مہر ڈاک خانہ ۲۳ نومبر ۱۹۴۲ء)
(موصولہ بمطابق مہر ۲۶ نومبر ۱۹۴۲ء)

تعارف :۔ [1] مولانا محمد یوسف صاحب نے استعفا جس مدرسے دیا ہے وہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ہے۔ گویا مولانا محمد یوسف صاحب نے غالباً شوال یا ذیقعدہ میں استعفا دیا ہے یعنی ۱۳۶۱ھ میں۔

[2] مولانا بزرگ صاحب جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے کرتا دھرتا ہیں۔ ڈابھیل والوں میں ہی سے حاجی صاحب سے مراد حاجی ابراہیم صاحب ہیں۔ جو معاونین مدرسہ میں سے معلوم ہوتے ہیں۔ (مرتب)

مکتوب عثمانی بنام ابو سعید صاحب بزمی ایم - اے بھوپالی۔

ایڈیٹر اخبار مدینہ بجنور (یو۔پی)

(تعارف) علامہ عثمانی کا یہ گرامی نامہ جو ابو سعید صاحب بزمی بھوپالی کے نام ہے ایک علمی نادر سرمایہ ہے۔ اس خط کا پس منظر یہ ہے کہ مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی جو ہندوستان کی ایک مایۂ ناز اور فخر روزگار شخصیت ہیں جو علم دین سے کافی واقفیت رکھتے ہیں اور زبردست ادیب بھی ہیں اور بلند پایہ نقاد بھی، اخبار صدق لکھنؤ کے ایڈیٹر بھی ہیں۔ اور انگریزی کے گریجوایٹ بھی انہوں نے ایک دفعہ نیک نیتی سے سینما دیکھا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ کچھ دیکھ کر اس کے عیوب اور نقائص سے آگاہی حاصل کی جائے اور پھر اس پر اصلاحی تبصرہ کیا جائے۔ ان کے خیال میں یہ بات تھی کہ کسی برائی کا ارتکاب اس لئے کرنا کہ اس سے آگاہی حاصل کر کے لوگوں کو مطلع کیا جائے اگرچہ ہے تو نادرست لیکن نیک نیتی کے باعث برائی کو دیکھ کر لوگوں کی اصلاح کرنے کے لئے ایسا کرنا اس شخص کی بہ نسبت بہتر ہے جو حظ نفس کے لئے سینما دیکھتا ہے۔

مولانا عبدالماجد صاحب نے اپنی اس اجتہادی صورت حال کا اظہار اپنے اخبار الصدق میں کیا ہی تھا کہ ابوسعید صاحب بزمی ایم۔ اے بھوپالی نے جو اس زمانے میں اخبار مدینہ بجنور کے ایڈیٹر تھے اور پاکستان بننے کے بعد یہاں آگئے اور اخبار احسان لاہور کے ایڈیٹر رہے اور لاہور میں ہی وفات پائی۔ مولانا عبدالماجد صاحب کے اس خیال سے اختلاف کیا۔ اور لکھا کہ کسی بُرائی پر تبصرہ کرنے کے لئے اس کو چکھنا اور بہ نیک نیت رکھنا کہ اس سے واقفیت حاصل کر کے اس کے عیوب پر روشنی ڈالنے میں آسانی ہوسکے اجتہادی غلطی ہے۔ یہ مئی ۱۹۴۳ء کی باتیں ہیں۔ ادھر مولانا منظور احمد نعمانی ایڈیٹر رسالہ "فرقان" نے بھی مولانا عبدالماجد صاحب سے اختلاف کیا۔ معاملہ اخباروں اور رسالوں میں چل نکلا۔ آخرکار ابوسعید صاحب بزمی اور بعض دوسرے حضرات نے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی شیخ الاسلام کو خطوط لکھے جس میں ان سے عرض کیا گیا تھا کہ آپ اس مسئلے کو فقہ کی روشنی میں حل فرما کر ممنون فرمائیں۔ علامہ اپنے زمانے کے بلند پایہ مفسر، محدث، فقیہ اور متکلم تھے۔ اہل ہند و پاک کی نظریں مشکل مسائل کے حل میں ان کی طرف اُٹھتی تھیں۔ چنانچہ علامہ نے حسب ذیل مکتوب جون ۱۹۴۳ء میں ابوسعید صاحب بزمی کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا۔ علامہ عثمانی کا یہ خط جو مسئلے کے تمام پہلوؤں پر عالمانہ، سنجیدہ اور پُر وقار معتدل انداز میں ہے۔ ۲۵ جون ۱۹۴۳ء کو ابوسعید صاحب بزمی نے اخبار مدینہ میں شائع کر دیا۔ علامہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا یہ خط مسودے کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ جس کو نقل کرا کے انہوں نے ابوسعید صاحب بزمی کو روانہ کیا تھا۔ جو قارئین کی معلومات میں چار چاند لگانے کے لئے پیش خدمت ہے:۔

(۲۷) بنام ابوسعید بزمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شبیر احمد عثمانی ——— ڈابھیل (سورت)

کرم فرمائے محترم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ کچھ دن ہوئے آپ کا کرم نامہ ملا تھا۔ جواب میں ذرا تاخیر ہوگئی جس کی وجہ سابق

کارڈ میں لکھ چکا ہوں۔ ایک مدت سے مسلمانوں کے باہمی منازعات و مناقشات میں بدون اضطرار شدید، میں دخل دینا پسند نہیں کرتا۔ اعتدال و انصاف کی بات کہنا بھی مشکل ہوگیا ہے اور اس کے سننے والے بھی بہت کم نظر آتے ہیں۔ بہر حال مولانا عبدالماجد دریابادی کے "سینما بینی" کے سلسلے میں ان کی شخصیت سے قطع نظر کرتے ہوئے جو اصولی مسائل پیدا ہو گئے ہیں اُن کی نسبت چند اشارات پر اکتفا کرتا ہوں۔

جہاں تک مجھے جانبین سے اس سلسلے کی تحریرات پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ تین اُمور قابل بحث اور لائق توجہ معلوم ہوئے۔

۱۔ کیا کوئی معصیت محض حسن نیت کی بنا پر طاعت کا درجہ حاصل کر سکتی ہے یا کم از کم اچھی نیت بُرے عمل کے وزر (بوجھ) کو ہلکا کر دیتی ہے۔

۲۔ جو عمل مختلف جہات سے حَسَنْ (اچھے) اور قبیح (بُرے) دونوں پہلوؤں پر یا دوسرے الفاظ میں مصالح و مفاسد یا منافع و مضار (نقصانات) پر مشتمل ہو تو کیا ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ محض اس کے جزئی مصالح پر نظر کر کے کلی مفاسد کو عملاً نظرانداز کر دے۔

۳۔ اَھْوَنُ الْبَلِیَّتَیْنِ (دو مصیبتوں میں جو کم درجے کی مصیبت ہو) یا اَخَفُّ الضَّرَرَیْنِ (دو مضر چیزوں میں جو ہلکے درجے کی مضر ہو) کے اختیار کر لینے کی جو اجازت فقہا نے دی ہے کیا مابہ النزاع (جس میں جھگڑا ہے) مسئلہ اس کے تحت میں درج کیا جا سکتا ہے۔

ان تینوں میں مقدم الذکر (جس کا پہلے ذکر ہوا) مسئلہ ہی زیادہ اہم اور اصل ہمیل ہے۔ اس کے متعلق آج دُنیا ایک عظیم گمراہی میں مبتلا ہے۔

آپ ماشاء اللہ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں کہ اس وقت دُنیا میں جتنی تحریکات اور جس قدر بڑے بڑے نظریات نہایت بلند آہنگی سے پھیلائے جا رہے ہیں مثلاً بولشویزم۔ نازی ازم، فسطائی ازم، امپریل ازم وغیرہ، اُن سبھوں نے اپنا اپنا ایک مقصد اور نصب العین طے کر لیا ہے۔ اس کے بعد وہ سمجھتے ہیں کہ اس بہترین مقصد یا نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے ہر طریقہ اختیار کر لینا جائز ہے گویا نصب العین کا جوان کے زعم میں جائز اور صحیح ہو ہر اس طریقے کے جواز و استحسان کی دلیل ہے جو اس نصب العین تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

اس خیال کی جھلک آجکل ہم کو بہت سے اچھے ذی علم اور نیک نیت لوگوں میں بھی نظر آ رہی ہے بلکہ

بعض نام نہاد علما کو میں نے یہ کہتے سُنا ہے کہ جب ہمارا مقصد اعلیٰ اور نیک ہے تو جو راستہ بھی ہم کو وہاں تک پہنچائے اس کے اختیار کرنے میں دریغ نہیں ہونا چاہیئے۔

لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس مسلک کی تردید اسلام کی بدیہیات اوّلیہ میں سے ہے اسلام جہاں ایک اعلیٰ نصب العین ہمارے ہاتھ میں دیتا ہے اس نصب العین تک پہنچنے کے لئے خاص راستہ بھی تجویز کرتا ہے جس سے عدول وانحراف کی اصلاً گنجائش نہیں۔ ساتھ ہی وہ تجویز شدہ راستے پر تگاپو کرنے والوں کو بتاکید ہدایت کرتا ہے کہ اپنی نیتوں کو صاف وصحیح رکھیں۔

بہر حال نصب العین، عمل اور مقصد و نیت تینوں میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بہت سے لوگوں کو حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (اعمال کا تعلق نیتوں سے ہے) کے عموم سے مغالطہ لگ گیا۔ وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ جس طرح نیت کی خرابی سے طاعت، معصیت بن جاتی ہے۔ شاید اچھی نیت کی برکت سے معصیت بھی ایک طرح کی طاعت بن جائے یا کم از کم معصیت کے وبال میں خفت پیدا ہو جائے۔

مگر حقیقت اس طرح نہیں۔ یہاں تو معاملہ یوں ہے کہ خراب اور ردّی غذا کھانے سے تندرست آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔ نیز فی حد ذاتہ (اپنی ذات کی حد میں رہ کر) نفیس اور مقوی غذا کھلانا بیمار کو صحت یاب نہیں کرتا۔ بلکہ بسا اوقات مرض میں اضافہ یا مریض کے اہلاک (ہلاک کرنے) کا سبب بنتا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم کی کتاب النیۃ والقصد میں اس پر کافی وشافی بحث کی ہے۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں:۔

المعاصی لا تتغیر عن موضعها بالنیة فلا ینبغی ان یفهم الجاهل ذالك من عموم قوله صلی الله علیه وسلم "انما الاعمال بالنیات" فیظن ان المعصیة تنقلب طاعة بالنیة الخ (احیاء العلوم کتاب النیة)

گناہ اپنی جگہ سے نیت کی وجہ سے بدل نہیں جاتے اس لئے جاہل کو یہ لائق نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عام فرمان سے کہ "اعمال کا تعلق نیتوں سے ہے" یہ غلط فہمی ہو جائے کہ وہ گمان کر بیٹھے کہ گناہ نیت کے باعث نیکی میں بدل جاتا ہے۔ (ترجمہ از مرتب)

پھر امام غزالی فرماتے ہیں:۔

بل قصده الخیر بالشر علی خلاف مقتضی الشرع شر اٰخر فان عرفه فهو معاند

بلکہ اس کا شر سے خیر کا ارادہ کرنا شرع کے منشا کے خلاف دوسرا شر ہے۔ پس اگر اس نے پہچان کر ایسا کیا

للشرع وان جهله فهو عاص بجهله اذ طلب العلم فريضة على كل مسلم الخ (احياء العلوم)

تو وہ شریعت کا دشمن ہے اور اگر جہالت سے ایسا کیا تو گنہ گار ہے کیونکہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلم پر فرض ہے۔ (ترجمہ از مرتب)

چند سطور کے بعد (امام غزالی) کہتے ہیں :-

والمقصود ان من قصد الخير بمعصية عن جهل فهو غير معذور الا ان كان قريب عهد بالاسلام ولم يجد مهلة للعلم۔

اور مطلب یہ ہے کہ جس نے معصیت سے نیکی کا جہالت کے باعث ارادہ کیا تو وہ معذور نہیں مگر یہ کہ جو تازہ تازہ اسلام لایا ہو اور اس نے حصول علم کی مہلت نہ پائی ہو۔ (مرتب)

آخر میں حدیث انما الاعمال بالنیات کی مراد ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

فاذاً قوله صلى الله عليه وسلم "الاعمال بالنيات" يختص من الاقسام الثلاثة بالطاعات والمباحات دون المعاصى اذ الطاعة تنقلب معصية والمباح معصية وطاعة بالقصد فاما المعصية فلا تنقلب طاعة بالقصد اصلا — نعم للنية دخل فيها وهو انه اذا انضاف اليها قصود خبيثة تضاعف وزرها وعظم وبالها (اى من الاصرار والفرح والاستخفاف) (احياء العلوم)

پس اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ "اعمال نیتوں پر موقوف ہیں"۔ طاعات اور مباحات کی تینوں قسموں کے ساتھ خاص ہیں اور اس وقت معاصی طاعت کے لئے معصیت ہی میں بدل جاتے ہیں اور امر مباح بھی نیت کے ساتھ معصیت اور طاعت میں بدل جائیگا لیکن گناہ نیت سے ہرگز طاعت نہیں بن جاتا۔ — ہاں نیت کو اس میں دخل ہے اور وہ یہ کہ جب اس میں ناپاک نیتیں شامل ہو جائینگی تو ان کا گناہ دوگنا ہو جائیگا اور اس کا وبال (یعنی اصرار، ہنسی مذاق اور ذلیل سمجھنے کے باعث) اور بھی بڑا ہو جائے گا۔ (ترجمہ از مرتب)

مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ حسن نیت سے مرتکب معصیت پر کوئی اچھا اثر نہیں پڑتا ہاں اس کے شر میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق یقیناً اس سے بالا و برتر ہے کہ مجھ جیسا بے بضاعت آدمی ترمیم و اضافہ کی جرأت کر سکے۔ البتہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعض نصوص کی بنا پر بعض اشارات

فرماتے ہیں۔ ان کا ذکر کئے بدون میں سمجھتا ہوں۔ کہ مسئلہ ناتمام رہے گا۔ مولانا مرحوم نیت کی بحث میں حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا مشہور واقعہ یاد دلاتے ہیں جنہوں نے مدینہ سے قریش مکّہ کے نام خفیہ خط روانہ کیا تھا اور اس مہم کی تیاری کی اطلاع دی تھی جسے رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ پورا واقعہ سورہ ممتحنہ کی تفسیر میں دیکھ لیجئے الحاصل وہ خط پکڑا گیا اور حضرت حاطبؓ سے جواب طلب ہوا۔ انہوں نے جو سچی بات تھی بلاکم وکاست عرض کر دی جس کا خلاصہ اتنا ہی تھا کہ :۔

"مَیں نے یہ حرکت کفر و ارتداد کی بنا پر نہیں کی بلکہ قصد صرف یہ تھا کہ ایک احسان کفارِ مکّہ پر کر دیا جائے تاکہ اس کے صلے میں ادھر سے میرے اہل وعیال کی جو مکّے میں موجود ہیں حفاظت ہو سکے"۔

آپ دیکھتے ہیں کہ جرم کھلا ہُوا جاسوسی کا تھا۔ وہ بھی ایسے نازک وقت میں۔ اور جاسوسی کی جو سزا ہو سکتی ہے وہ مخفی نہیں۔ تاہم بارگاہ رسالت میں حاطبؓ کی نیت نے جرم کی شدّت میں کچھ خفت پیدا کر دی۔ ارشاد ہُوا :۔

انہ قد صدقکم ولا تقولوا لہ الا خیرا ۔ (حدیث)	حاطبؓ نے تم سے سچ بات کہ دی ہے اس لئے بھلائی کے سوا انہیں کچھ نہ کہو۔

فاروق اعظم کو جرم کی سنگین نوعیت پر نظر کرکے بار بار طیش آتا تھا اور مجرم کو منافق کے عنوان سے ذکر کرکے قتل کی اجازت چاہتے تھے۔ لیکن رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فاروق اعظمؓ کا سارا غصّہ یہ فرماکر ٹھنڈا کر دیا کہ :۔

لعلّ اللّٰہ اطّلع علیٰ اھل بدر فقال لھم اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم	چونکہ اللہ تعالیٰ اہل بدر سے باخبر تھا اس لئے ان کے متعلق فرمایا کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔

گویا حاطبؓ کی شرکت بدر کا عظیم الشان کارنامہ یاد دلاکر ان کے اس شدید جرم پر قلم عفو کھینچ دیا۔ آخر فاروق رضی اللہ عنہ پر بھی یہ کلمات سُن کر رقت طاری ہوگئی اور پھر کچھ تعرض نہیں کیا۔ ہاں اللہ جل شانہٗ نے قرآن کریم میں ایک رکوع نازل فرمایا جس میں اس سخت حرکت پر تنبیہ وتہدید اور عتاب آمیز فہمائش کی گئی۔

بھائی معصیت اپنی جگہ معصیت رہی کوئی قربت وطاعت نہیں بن گئی۔ مگر صحت نیت کی بنا پر سزا سے اغماض فرمایا گیا ورنہ محض بدری ہونا دنیوی تعزیر کو ساقط نہیں کر سکتا تھا۔ آنحضرت

مسطح بھی بدری تھے تاہم انک کے قصے میں ان پر حدِ قذف[1] لگائی گئی۔

میں اپنے ناقص فہم کے موافق یہ سمجھا ہوں کہ امام غزالی اور مولانا محمد قاسم صاحب رحمہما اللہ کی تحقیق میں کوئی معارضہ نہیں۔ حاطبؓ کے قصے میں صرف اپنے اہل و عیال کے بچاؤ کا پہلو تھا معصیت کے ارتکاب میں تقرب کی نیت یا امید اصلاً نہ تھی نہ اس کے خیر ہونے پر کسی طرح اصرار کیا جو کیفیت عصیان میں اشتداد پیدا کرتی۔ ان کی سچی معذرت پر امام کی رائے نہیں ہوئی کہ سزا جاری کی جائے بلکہ عفو و درگذر کا معاملہ کیا گیا۔

اب ان تمام معاملات سے نتیجہ جو نکل سکے نکال لیجئے۔

(۲) جس عمل میں نفع و ضرر یا بِرّ و اثم (نیکی اور گناہ) کے دونوں پہلو ہوں ان میں موازنہ کرنا ہر ایک کا کام نہیں یہ چیز تو شارع ہی کے سپرد کرنی چاہئے۔ مصالح و مفاسد کا صحیح توازن وہیں ہو سکتا ہے۔ بندے کا کام اس کے صاف اور واضح احکام پر عمل کرنا ہے۔

سورۂ عَبَسَ کی شان نزول میرے فوائد قرآن میں ملاحظہ فرمائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعیان قریش (قریش کے بڑے لوگوں) کی طرف متوجہ ہونا اور ابن ام مکتوم کی طرف التفات نہ فرمانا یقیناً مصالح دینیہ ہی کے پیش نظر تھا لیکن باعتبار نتیجہ کے جس مفسدہ کا مظنہ (گمان) اس طرز عمل میں تھا اس پر حق تعالیٰ نے کس عنوان سے متنبہ فرمایا۔

اگر دنیا کے سب سے بڑے ہادیٔ اعظم کی نسبت یہ خیال، وہم کے درجے میں بھی پھیل جائے کہ وہ غریبوں اور معذوروں کی بہ نسبت اُمراء و اغنیا کی طرف زیادہ التفات فرماتے ہیں تو اس کا ضرر کس قدر عظیم ہے۔

مشہور حافظ حدیث شیخ ابو عمرو بن الصلاح نے اپنے معاصر علاّمہ ابو الفتح موصلی سے (جو معقولات خصوصاً تھوڑی سی منطق پڑھنے کی خواہش کی۔ پڑھنا بھی شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ان کی غرض یہ ہی ہو سکتی تھی کہ علم دین کی خدمت میں اسے استعمال کیا جائے۔ چند روز بعد شیخ ابو الفتح نے فرمایا کہ یہ چیز تمہارے لئے مناسب نہیں۔ لوگ تم سے حسن عقیدت رکھتے ہیں اور منطق وغیرہ میں اشتغال رکھنے والے کی طرف اچھا عقیدہ نہیں

---

[1] حضرت مسطح ایک صحابی تھے جن کی زبان حضرت عائشہ صدیقہ پر جھوٹی تہمت میں پھسل گئی اور اس تہمت لگانے پر ان کے اسّی کوڑے لگائے گئے جیسا کہ قرآن کریم میں حکم نازل ہوا کہ جو لوگ کسی پر جھوٹی تہمت لگائیں وَلَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً۔ یعنی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کریں تو ان کے اسّی کوڑے مارو۔ اسی کو حد قذف کہتے ہیں۔

رکھتے۔ ایسی حالت میں تمہارا اس میں مشتغل ہونا لوگوں کے عقائد کو بگاڑ دینے کے مرادف ہے گویا جو نفع تم نے اس میں سوچا ہے اس سے کہیں زائد یہ نقصان ہے کہ لوگ ایسے بڑے خادم دین سے بدگمان ہو جائیں اور اس طرح کتنی بڑی خیرات وفیوض (بھلائیوں اور فیضوں) سے محروم رہیں۔

موجودہ صورت حال پر بھی یہ مثال بالکل منطبق ہے۔ مولانا عبدالماجد کی دینی خدمات جن کی توفیق حق تعالیٰ نے اس عمر میں انہیں دی میرے خیال میں اس قدر عظیم وجلیل ہیں جو بہت سے علما بھی آج تک انجام نہ دے سکے اور بہت سے دینی دعوت وتبلیغ کا شوق رکھنے والے علما کو ان کے مضامین سے بیش بہا امداد ملی۔ خطا اور تقصیر سے کون مبرا ہے۔ اعتراضات کس پر نہیں ہو سکتے۔ افسوس اس پر ہے کہ مولانا نے اپنے ایک فعل سے بلا ارادہ لوگوں کے لئے ایسا موقع بہم پہنچا دیا کہ وہ ایسے خادم دین سے بدگمان ہو کر ہدف مطاعن (طعنوں کا نشانہ) بنائیں۔

وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا اور اللہ کا حکم تقدیر ہو کر رہا جو مقدر کیا گیا۔

اس ضرر عظیم کا موازنہ اگر مولانا (عبدالماجد صاحب) اس مزعوم (خیال کئے گئے) نفع سے کریں جو ان کے عمل مذکور پر مرتب ہوتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ بہت جلد نظر ثانی پر آمادہ ہو جائیں گے اور میرا حسن ظن یہ ہے کہ انابت الی اللہ (اللہ کی طرف رجوع کرنے) کے راستے میں ان کے لئے کوئی چیز مانع ہوگی۔

(۳) رہا أَهْوَنُ الْبَلِيَّتَيْنِ (دو مصیبتوں میں سے ہلکی مصیبت کو اختیار کرنا) کا مسئلہ اس کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ اگر انسان ایسی صورت حال میں مبتلا کر دیا جائے کہ اس کے لئے دو بلاؤں میں کسی ایک کا اختیار کرنا ناگزیر ہو تو اہون واخف (زیادہ آسان زیادہ ہلکی بلا) کو اختیار کرنا چاہئے (اس کا) یہ مطلب نہیں کہ اپنے اختیار سے ایسی صورت پیدا کرے کہ أَهْوَنُ الْبَلِيَّتَيْنِ کا سوال کھڑا ہو جائے۔

عریضہ بلا ارادہ طویل ہو گیا۔ پھر بھی تفصیل پوری نہیں آسکی۔ اُمید ہے انہی اشارات پر اکتفا کر کے مجھے معذور سمجھا جائے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۔ (اے اللہ ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر اور اپنی طرف سے رحمت عطا فرما کہ تو عطا کرنے والا ہے۔)

مولانا عبدالماجد کا خط علامہ عثمانی کے نام

(تعارف) گذشتہ صفحات میں ہم مولانا عبدالماجد دریا بادی اور سینما بینی سے متعلق بحث کے سلسلے کا پس منظر بیان کر چکے ہیں۔ ذیل میں ہم مولانا دریا بادی کا وہ خط پیش کرتے ہیں۔ جو انہوں نے علامہ عثمانی کو تحریر فرمایا ہے۔ چونکہ علامہ کا عالمانہ اور محققانہ خط ابو سعید صاحب بزمی نے ۲۵ جون ۱۹۴۳ء کے مدینہ اخبار میں شائع کر دیا تھا جس میں مسئلے کے ہر گوشے کو تحقیق کی روشنی میں اجاگر کیا گیا تھا۔ اور ایسے حکیمانہ اور مصلحانہ انداز میں تحریر کیا گیا تھا کہ مولانا عبدالماجد صاحب کے لئے اپنے خیال سے رجوع کر لینا ہی ان کی وسعت قلبی کا تقاضہ تھا لیکن وہ ان کی نرم و نازک تحریر سے مطمئن نہ ہو سکے اور انہوں نے علامہ کو حسب ذیل خط لکھ بھیجا۔ قارئین کی معلومات کے لئے یہ مکتوب گرامی پیش خدمت ہے تاکہ دوسری طرف کے دلائل بھی آپ کو معلوم ہو سکیں اور حضرت دریا بادی کا نقطۂ نگاہ اور نکتۂ تحقیق بھی آپ کے سامنے آجائے۔ اسی لئے ہم نے اس خط کو بھی یہاں جگہ دینا ضروری سمجھا تاکہ واقعات و حالات کے تمام گوشے چمک اٹھیں۔ یہ مکتوب گرامی مولانا دریا بادی کے اپنے قلم کا لکھا ہوا لیٹر فارم پر ہمارے پاس موجود ہے (انوار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اخبار صدق

دریاباد ضلع بارہ بنکی — مورخہ ۲۷ جون ۱۹۴۳ء

مولانائے محترم السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مدینہ ۲۵ جون (۱۹۴۳ء) کا صفحہ ۳ شبلی کے پھول سے کم نہیں۔ آپ تو ہندوستان کے آخری شخص تھے۔ جن سے میں کسی زیادتی، کسی ناانصافی کا خیال کر سکتا تھا۔

اخباری پروپیگنڈا کس طرح رائی کا پہاڑ، رسی کا سانپ بنا دیتا ہے اس کا تجربہ آپ سے بڑھ کر کس کو ہوگا۔ آپ تو اس وقت بھی دیوبند کے معاملات میں خود اس کا شکار ہو رہے ہیں۔ آپ نے جو کچھ شرعی حقائق پر تحریر فرمایا وہ بجائے خود کتنا ہی صحیح ہو لیکن میرے معاملے سے آخر اس کا کیا تعلق؟ مجھے بتائیے تو کہ کس قول پر ان کا انطباق ہوتا ہے؟ میں نے کب سینما کے مسئلے کو اخف الضررین یا اہون البلیتین کی مطلق مکتوت میں کہا ہے؟

میں نے تو اپنے ابتدائی ہی مضمون میں تصریح ہی نہیں مکرر تصریح، تصریح در تصریح کر دی تھی۔ کہ سینما بینی فسق ہے، معصیت ہے، حرام ہے وقس علی ہذا (اور اسی پر قیاس کر لیجئے) میرا مقصود تو صرف اس قدر تھا کہ ایک طرف شر محض ہے، دوسری طرف شر کے اندر، شر کے ساتھ ساتھ کچھ پہلو خیر کے بھی ہیں۔ جو انسان شر کی طرف جا ہی رہا ہے۔ اس کے لئے شر محض کے معاملے میں شر مع الخیر قابل ترجیح ہے۔

چوری یقیناً ہر صورت میں معصیت ہے لیکن ایک چوری محض اپنے نفس کی خاطر ہے، دوسرا چور ہے کہ وہ سارا مال محتاجوں، مسکینوں پر لٹا دیتا ہے۔ نفس سرقہ (چوری) دونوں میں مشترک لیکن کیا عنداللہ دونوں سارق ایک ہی مرتبے پر رہیں گے؟ کیا یہ کہنا چوری کے جرم کی ترغیب دیتا ہے؟

کیا جو شخص شراب محض (خالص) پیتا ہے اور وہ شخص جو شراب میں اتنا پانی ملا لیتا ہے کہ سکر (نشہ) تقریباً جاتا رہتا ہے، دونوں ایک درجے کے ہیں؟ بہتر ان میں سے یقیناً کوئی نہیں لیکن دونوں کی مبغوضیت عنداللہ کیا ایک درجے کی ہے۔

مولانا ذرا تو میرے حق میں انصاف کیجئے یہ جو میں اتنی گرفتیں آج نہیں، سالہا سال سے ناچ رنگ والوں پر، فلم والوں پر، ریڈیو والوں پر، نئے ادب والوں پر وغیرہ وغیرہ پر کرتا رہا ہوں اور جس کی حوصلہ افزائی آپ سب حضرات کرتے رہے ہیں، کیا یہ بغیر نامحرموں کی تصویریں دیکھے، بغیر نامحرموں کی آواز سنے، بغیر گندہ لٹریچر پڑھے اور خوب پڑھے بغیر ممکن ہوا ہے؟ کوئی امکان اس کا بغیر ان چیزوں میں خود ایک حد تک مبتلا ہوئے، ہے؟

سینما کو میرے خاص کرم فرما آج جتنا بھی ہوّا بنا دیں لیکن سوال آپ اور مولانا منظور جیسے متدین علما سے ہے کہ اس معصیت کا بھی عندالشرع کیا درجہ ہے؟ بجز نامحرموں کی تصویر دیکھے اور ان کی آوازیں سننے کے اور یہ کیا ہے؟ —— میں دوسرے حضرات کی تو نہیں کہتا اپنے لئے تو خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ اس سے کہیں زیادہ شدید معصیت میں گناہوں میں پہلے بھی مبتلا رہا ہوں، اب بھی ہوں۔ کہاں تک دنیا کو دھوکے میں رکھوں گا۔ کب تک اپنے تقویٰ اور تقدس کا اظہار کرتا رہوں گا۔

آپ حضرات سے متوقع تو یہ تھوڑی سی حوصلہ افزائی کا تھا کہ کم از کم ایک فاسق کو اپنے اقرار معصیت کی توفیق ہوئی۔ اُلٹے آپ بھی انہیں بزرگ کی کمک پر آ گئے جو نیاز وغیرہ کا انتقام لینے کے لئے مدت سے میری تاک میں تھے۔

میرا نامۂ اعمال یقیناً اس سے کہیں زیادہ سیاہ ہے جتنا میاں ابوسعید بھوپالی کے خیال میں بھی آ سکتا

ہے لیکن مدینہ (اخبار) کے پہلے ایڈوٹوریل مضمون کی ہر ہر سطر میں تبیین وہ دلیل کا جو کمال دکھایا گیا ہے اس کا انصاف تو انشاءاللہ حشر ہی میں ہوگا۔

میں آپ حضرات کے اس فلسفے کا ہرگز ہرگز قائل نہیں کہ پہلے اپنی ذات کا تقویٰ و تقدس ثابت کر لوں، جب کوئی بات میری سننے کے قابل سمجھی جائے۔ اپنے لئے تو کیا، میں تو کسی بڑے سے بڑے عالم اور شیخ کے لئے بھی اس کا قائل نہیں۔ صرف اسکی بات کو دیکھتا ہوں ذاتی معصومیت تو صرف انبیائے کرام کا حصہ ہے (مولانا) محمد علی (جوہر) کے کمرے میں عورتوں کی تصویریں (بعض عریاں تک) لگی ہوئی تھیں۔ اقبال کے ہاں بھی بعض عجب عجب چیزیں تھیں کیا اس بنا پر ان لوگوں نے جو کچھ کیا اور لکھا وہ ناقابل التفات قرار پا جائیگا۔

یہ میرے اُوپر اتہام محض ہے کہ میں نے سینما بینی کی راہ کھول دی ہے۔ شیطانی راہ اسے برابر قرار دے رہا ہوں۔ صرف اتنا کہتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ اس شیطانی راہ میں بھی خدا سے تعلق کسی درجے میں جڑا رہنا ممکن ہے۔ جس طرح انگریز اور ہندو کی نوکری کرکے بھی کسی درجے میں تحفظ ایمان ممکن ہے۔

مکرر۔۔۔ مدینہ وغیرہ کے اتنے سخت سے سخت مضامین پڑھ کر بھی مولانا میرے دل پر وہ اثر نہیں پڑا جو آپ کے اس نرم، ملائم مضمون کا پڑا۔ اور بالکل پہلی بار میرے دل میں آیا کہ جب قوم کے بہترین علما کا یہ حال ہے تو اس قوم کی یہ خدمت گزاری کی ہمت کہاں سے لائی جائے۔ اور ایک ہی مرتبہ "صدق" وغیرہ سے دست برداری کیوں نہ کرلی جائے۔

کیسے کیسے شدید فتنے اس زمانے میں برپا ہوتے رہے اور خود "صدق" ہی میں جناب ان کا ذکر ملاحظہ فرماتے رہے ان میں سے کسی ایک پر بھی میں نے اتنی مفصل تحریر جناب کی نہیں دیکھی۔ گویا یہ فتنہ آپ حضرات کی تشخیص میں ان فتنوں سے کہیں اشد اور کہیں بڑھ کر واجب الاعتناد (پروا کے قابل) ہے۔ والسلام۔

عبدالماجد

تبصرہ | مولانا عبدالماجد صاحب کا مکتوب گرامی آپ کے سامنے ہے۔ ان کو یہ اعتراف ہے کہ مولانا عثمانی کا مضمون نرم اور ملائم تو ہے لیکن میرے دل پر اوروں کے مضامین اور اعتراضات کا اتنا غم نہیں ہوا جتنا حضرت عثمانی کے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو مولانا دریا بادی کو ان کے نرم اور ملائم مکتوب کا ممنون ہونا چاہئے تھا کہ انہوں نے تاریکی میں شمع ہدایت روشن کی۔

مولانا دریا بادی نے اصل مسئلہ میں یہ سمجھا ہے کہ وہ شر کو تو شر سمجھتے ہیں لیکن خالص شر اور

اس شر میں جس میں خیر ملا ہوا ہو وہ فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ چور جو چوری کرکے غریبوں کو دے دیتا ہے اس چور سے اچھا ہے جو چوری کو اپنی ذات پر صرف کرتا ہے ان کے نزدیک وہ شرابی جو خالص شراب پیتا ہے اس سے وہ بہتر ہے جو شراب میں پانی ملا کر پیتا ہے اسی طرح وہ شخص جو سینما اس لئے دیکھتا ہے کہ اس کو دیکھ کر وہ اس کے نقصانات کو بیان کرکے لوگوں کی اصلاح کر سکے اس سینما دیکھنے والے سے بہتر ہے جو محض نفس کی پیاس بجھانے کے لئے سینما دیکھتا ہے۔ ان باتوں کا جواب علامہ عثمانی کے آئندہ گرامی نامے میں پڑھئے۔ لیکن اتنی بات محض اصل مسئلے کے متعلق جو اس راقم الحروف کے خیال میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ بالکل خالص شراب کے متعلق جس میں پانی کا کوئی قطرہ ملا ہوا نہ ہو رب العالمین نے قرآن کریم میں خود فیصلہ فرما دیا۔ پوچھنے والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کیسے ہیں تو وحی الٰہی میں فرمایا گیا "قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ" کہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہیں لیکن اِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا یعنی ان دونوں کے گناہ نفع سے زیادہ بڑے ہیں۔ بعد ازاں شراب کو مطلقاً حرام قرار دے دیا گیا۔ دیکھئے ان دونوں میں بعض منافع کو نظر انداز کر دیا لہٰذا اگر کوئی نفع کے حصول کی نیت سے ان کا ارتکاب کرے گا تو حرام ہی نہیں بلکہ کفر تک نوبت پہنچ جائے گی۔

(۲۸) مکتوب علامہ عثمانی بجواب مولانا عبدالماجد صاحب

میرے نہایت ہی محترم بھائی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کل دوپہر آپ کا عتاب آمیز تلطف نامہ ملا۔ اس وقت سے اب تک جس قدر طبعی صدمے اور قلق میں مبتلا ہوں۔ اس کا اندازہ کس طرح آپ کو کراؤں۔ آپ کی نہایت ہی اہم دینی خدمات کے احساس واعتراف نے دل میں جو مخلصانہ محبت ووقعت پیدا کر دی ہے اس کی موجودگی میں ادنیٰ ترین بدگمانی کی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ وہ محبت اور وقعت ہی اس تحریر کا باعث تھی۔ صدق اور دوسرے اخبارات فرصت ملنے پر کبھی کبھی پڑھ لیتا ہوں ممکن ہے

قصور فہم ہو۔ بہر حال میری سمجھ میں چند مضامین پڑھنے سے یہی آیا کہ ان تین اُمور کے متعلق (جن کا ذکر میرے مضمون میں ہے) شاید کچھ اُصولی غلط فہمی ہو گئی ہے۔

آپ کے قصے سے بہت پہلے اس غلط فہمی میں کتنے ہی مولویوں کو مبتلا پایا۔ بلکہ بعض بہت اُونچے درجے کی کتابوں میں ایسی چیزیں حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات کی شرح کرتے ہوئے میری نظر سے گذریں اس لئے بذریعہ خطوط استفسار کرنے والوں کے جواب میں یہ مضمون لکھنے کی نوبت آگئی جو بلا ارادہ کچھ طویل ہو گیا۔ مطمح نظر برابر یہ رہا کہ آپ کے خصوص واقعہ سے مضمون کا تعلق نہ رہے تاہم ایک آدھ جگہ آپ کا ذکر عمداً آ گیا۔ اگر آپ اپنے مخلص کی نسبت سابق حسن ظن قائم رکھتے ہوئے دوبارہ مطالعہ فرمائیں گے تو انشاءاللہ واضح ہو جائے گا۔ کہ کس موقع پر آپ کا نام آیا ہے کس شان سے آیا ہے اور وہ سیاق مدح کا ہے یا ذم کا۔

میں تو اپنی حماقت سے یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ مضمون پڑھ کر اپنے مخلص خادم کی نسبت کوئی اچھا ہی خیال قائم کریں گے۔ افسوس ہے کہ معاملہ اُلٹا ہوا۔ آپ یقین کیجئے کہ مضمون میں میرا روئے سخن خاص آپ کی طرف نہیں رہا۔ بلکہ لوگوں کو ایک مہلک غلط فہمی میں مبتلا دیکھ کر اس قدر مناسب معلوم ہوا کہ اس سلسلے میں صحیح چیز کا اظہار کر دیا جائے اور بس۔ وہ بھی جب کہ مجھے شخصی طور پر بذریعہ خطوط مخاطب بنا کر استدعا کی گئی کہ محض اُصولی اعتبار سے ان اُمور کی شرعی حیثیت ظاہر کر دی جائے۔ کاش میں یہ مضمون کہیں اور بھیجنے سے پہلے خود آپ کو بھیج دیتا۔ کیونکہ یہ نیت ضرور تھی کہ اگر آپ کو نیک نیتی کے ساتھ کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ تو شاید رفع ہو جائے۔

میرے محترم بھائی! آپ کے اس خط سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلے کی صاف منقح صورت ہنوز آپ کے ذہن میں نہیں۔ دیکھئے آپ نے دو چوروں کی جو مثال دی ہے (یعنی) ایک وہ جو محض اپنے نفس کی خاطر چوری کرتا ہے۔ دوسرا وہ جو سارا مال محتاجوں مسکینوں پر لٹا دیتا ہے۔ آپ دوسرے کو عنداللہ پہلے سے نسبتہً بہتر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ علما کے نزدیک دوسرے کا معاملہ پہلے سے زیادہ سخت ہے۔ درمختار وغیرہ میں دیکھ لیجئے۔ اس دوسرے کی تکفیر تک کی گئی ہے۔ کیونکہ اس تصدیق کا منشا بظاہر استحسان (نیکی سمجھنا) اور استحلال معصیت (گناہ کو حلال کرنے) کے سوا کچھ نہیں۔ اور اگر کوئی دوسرا احتمال ہو بھی تو عام لوگوں کے ذہنوں میں اس خیال کے جاں گزیں ہونے کو کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ ایک صورت دوسری مجبوری کی ہے۔ کہ

کسی شخص نے حرام ذرائع سے مال جمع کرلیا۔ اس کے ذمے تھا کہ وہ سب مالکوں یا وارثوں کو واپس کرتا لیکن کوئی صورت واپسی کی ممکن نہ رہی۔ اب وہ اس مال سے محض اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے اپنے آپ سے علیحدہ کرکے مساکین پر خرچ کردے اس صورت سے ہم کو تعرض نہیں۔ درمختار اور شامی باب المزکاۃ میں تصدق بالحرام (حرام مال کا صدقہ کرنا) کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

بہرحال چوری اپنے نفسانی خواہشات پر خرچ کرنے کی نیت سے ہو یا تصدق علی الفقراء (فقیروں پر صدقہ کرنے) وغیرہ کی غرض سے ہو دونوں حرام ہیں اور دوسری کی حرمت پہلی سے زائد ہے۔ جو کفر کی حد تک پہنچ سکتی ہے۔

بلاشبہ شر ممزوج بالخیر کو شر محض پر ترجیح ہے بشرطیکہ جس خیر کی آمیزش سمجھی جارہی ہے وہ حقیقۃً خیر ہو اور یہ ترجیح بھی اس کے حق میں ہے جو شر کے ارتکاب سے رک نہیں سکا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جو شخص خیر محض کو اختیار کرسکتا ہے اسے مشورہ یا فتویٰ یا اجازت دی جائے کہ وہ بالقصد شر ممزوج کو اختیار کرے جو لوگ بدبختی سے ایک معصیت کو نہیں چھوڑ سکتے اور اس میں مبتلا ہیں بے شک یہ حکیم کا کام ہے کہ ابتلا کے وقت تک تا بحد امکان ان کو ایسے پہلوؤں کی طرف متوجہ کرے جو معصیت کے مضار (نقصانات) کو کم کرنے والے ہوں اور جن پر نظر کرکے وہ بتدریج ہی سہی انجام کار معصیت سے نفور ہوجائیں لیکن شریعت اسلامیہ یہ اجازت نہیں دیتی کہ خود حکیم بالارادہ یہ خدمت انجام دینے کے لئے اپنے کو اس معصیت کی بیماری میں مبتلا کردے۔

آپ نے جو مؤثر خدمات منکرات و فواحش کے روکنے میں انجام دی ہیں اللہ تعالیٰ ہی اس کا صلہ مرحمت فرمائے گا۔ خدا کی قسم انہی خدمات کی قدر و قیمت باقی رکھنے کے لئے اور ان کو آئندہ بے اثری سے بچانے کے لئے میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔

آپ کو ہم لوگ اب ڈاکٹر اقبال اور مولانا محمد علی مرحوم کی صف میں نہیں سمجھتے بلکہ علمائے مصلحین کے زمرے میں شامل سمجھتے ہیں۔ اور یہی کوشش، تمنا اور دعا ہے کہ آپ کی عظیم الشان دینی خدمات پر کسی طرف سے کوئی داغ نہ آئے۔ یہ مطلب نہیں کہ جب تک انسان پورا متقی اور ولی نہ بن جائے اس کی کوئی بات قابل التفات نہیں۔ مگر میں ہوں یا آپ اگر کوئی غیر موزوں صورت پیش آجائے تو بلا ضرورت اسے اس قدر طول کیوں دیا جائے کہ اپنوں کے دل بھی مشوش ہوجائیں۔ میں خود کئی طرح کی آفات میں

ہوں آپ جس تکلیف میں ہوں گے اسے بخوبی محسوس کرتا ہوں جو کچھ تعلق آپ سے ہے کس طرح دل چیر کر دکھلاؤں لیکن نفس مسئلے کی حد تک اگر رائے مختلف ہو تو خالص محبت و دردمندی کے ساتھ عرض کر دینا بھی اپنا وظیفہ سمجھتا ہوں۔ بے شک جو زیادتیاں آپ سے کی گئیں ان کو دیکھ کر انتہائی تکلیف ہوتی ہے۔ مگر یہ سب کچھ انشاء اللہ آپ کے لئے ذخیرۂ آخرت ہیں۔ آپ ہرگز دل شکستہ نہ ہوں۔ ہم کچھ خدمت "صدق" وغیرہ کی نہیں کرسکتے لیکن اسکی بقا کو آج اسلام کی خدمت کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

آپ اپنے متعلق بار بار فسق کا لفظ استعمال کرتے ہیں یہ مناسب نہیں۔ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ (ایمان کے بعد فسقیہ نام برا ہے) اقرار فسق بہتر الفاظ میں اپنے مرشد و مصلح کے سامنے تو ناگزیر ہے لیکن اپنے فسق کی اشاعت سے اگر سچ بھی ہو احتراز کیجئے۔ میں بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ عملی اعتبار سے آپ کو اپنے جیسوں سے کہیں بہتر سمجھتا ہوں۔ ولا ازکی علی اللہ احداً ابداً۔ میرے لئے بھی دعا فرماتے رہیں۔ والسلام۔

شبیر احمد عثمانی از ڈابھیل

۲۸ جمادی الاخری ۱۳۶۲ھ

تبصرہ حضرت علامہ نے مولانا دریابادی کے خط میں مذکورہ دلائل پر جو جوابی روشنی ڈالی ہے اس سے اہل بصیرت کے دلوں پر علوم کے خزانے کھل گئے ہیں۔ انہوں نے دلائل کی روشنی میں وہ شفا بخش کلام کیا ہے جو ایک محقق حق گو کو کرنا چاہئے۔ انہوں نے یہ بات صاف کردی کہ وہ چور جو اس لئے چوری کرتا ہے کہ غریبوں کا بھلا کرے شریعت کی نظروں میں زیادہ خطرناک ہے بہ نسبت اس چور کے جو چوری کو اپنی ذات پر صرف کرتا ہے۔ حالانکہ مولانا دریابادی کے نقطۂ نگاہ سے اوّل الذکر چور بہتر ہے۔ اگرچہ بہتر نہیں کیونکہ چوری کے مال میں غریبوں کو بخش دینے کی نیت کرکے ثواب کی توقع کرنا حرام مال سے اجر کی امید کرنا ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

علامہ عثمانی نے اپنے مکتوب میں جہاں اصل مسئلے کی حقیقت کے واضح کرنے میں پھر بے باکی سے کام لیا ہے جو ایک عالم ربانی کا کام ہے وہاں ان کو اپنے خط میں قدم قدم پر اس بات کا دھڑکا لگا ہوا ہے کہ مولانا عبدالماجد صاحب سے قدیم تعلقات میں کوئی خرابی یا رخنہ پیدا نہ ہو اور یہی ایک عالم کا اخلاق ہونا چاہئے۔ (مرتب)

(۲۹) بنام مولانا ازہر شاہ صاحب

برادر عزیز - بعد سلام مسنون آنکہ

آپ کا خط ملا تھا - علالت کی شدت کا حال معلوم ہو کر قلق ہوا اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ صحتیاب فرمائے اور عافیت و طمانینت کے ساتھ رکھے - مجھے دو روز بخار آیا لیکن اس کے بعد آٹھ دس روز تک بے حد ضعف و اضمحلال ہوا - اشتہا بالکل ساقط ہو گئی، دماغ قطعاً بے کار تھا آج تک کبھی ایک دن کے بخار کا اس قدر اثر میں نے محسوس نہیں کیا تھا - الحمد للہ اب بتدریج افاقہ ہو رہا ہے - اسی لئے خط نہیں لکھ سکا تھا - میں آپ کا مخلص، دعا گو اور ہمدرد ہوں اپنے دل میں تمہاری محبت محسوس کرتا ہوں - جناب حکیم صاحب اور اماں جی کو سلام مسنون کہہ دیجئے - خلیفہ جی، مولوی فضل منان وغیرہ سب کو سلام مسنون کہہ دیجئے - ابھی ضعف باقی ہے الگ الگ خطوط لکھنا دشوار ہے - مولانا ادریس صاحب سکرو ڈھوی کہاں ہیں - کیا کر رہے ہیں - اور ضروری حالات سے بشرط صحت مطلع کیجئے -

شبیر احمد عثمانی از ڈابھیل

۱۲ ذوالحجہ ۱۳۶۲ھ (۱۰ دسمبر ۱۹۴۳ء)

موصولہ ۱۴ دسمبر ۱۹۴۳ء

تبصرہ | حضرت الشیخ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کے فرزند ہونے کی حیثیت سے علامہ عثمانی کے، مولوی ازہر شاہ کے متعلق یہ الفاظ کہ میں تمہارا مخلص، دعا گو اور ہمدرد ہوں ان کی مشفقانہ بزرگی کی صحیح ترجمانی کر رہے ہیں۔ وہ اپنے چھوٹوں پر بڑے ہی شفیق اور مہربان تھے

۲ — مولوی فضل منان پشاوری، علامہ عثمانی کے شاگرد اور جان نثار خادم ہیں - دیوبند کے فاضل ہیں - آج کل کابلی گیٹ بازار پشاور میں بہت بڑا تجارتی کتب خانہ چلا رہے ہیں جس کے وہ خود مالک ہیں۔ (مرتب)

(۳۰) مکتوب بنام ازہر شاہ صاحب

برادر عزیز۔ بعد سلام مسنون آنکہ۔ خط پہنچا۔ آپ کی علالت سے بہت فکر و اضطراب ہے۔ صدق دل سے دعا ہے۔ کہ حق سبحانہ و تعالیٰ صحتیاب فرمائے۔ روزانہ سات مرتبہ درود شریف اور سات مرتبہ سورۂ فاتحہ مع بسملہ کے پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیا کریں۔ جو کچھ آپ نے ادھر کے احوال لکھے ہیں۔ وہ میرے خیال سے اصلا غیر متوقع نہیں۔ میں شروع سے جانتا ہوں لیکن اب کسی قسم کا اشراف نفس ادھر کی طرف موجود نہیں۔ اس لیے کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ والسلام۔ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہو۔ انتظار رہے گا۔ عزیزم مولوی محمد یحییٰ سلمہ کی طرف سے مولانا ظہور احمد صاحب کی طرف سے سلام مسنون۔ مولانا سید ادریس صاحب کی طرف سے فکر رہتی ہے۔ حق تعالیٰ کوئی مناسب صورت پیدا فرمائے۔

شبیر احمد عثمانی ۔۔۔ از ڈابھیل
۲۵ ر ذوالحجہ ۱۳۶۲ھ
(مطابق ۲۴ ر دسمبر ۱۹۴۳ء)
موصولہ ۲۸ ر دسمبر ۱۹۴۳ء

پتہ | برادر عزیز مولوی سید ازہر شاہ صاحب کشمیری سلمہ اللہ تعالیٰ وعافاہ۔ مکان مولانا شیت اللہ صاحب
محلہ قاضی پاڑہ۔ بجنور یو۔ پی
BIJNOR N.P

نوٹ:۔ اس خط میں بیماری سے شفا حاصل کرنے کے لئے سات مرتبہ درود شریف اور سات مرتبہ سورۂ فاتحہ مع بسم اللہ کے پڑھ کر جسم پر دم کرنے سے شفا حاصل کرنے کا مشورہ قابل لحاظ ہے۔

(۳۱) بنام مولانا محمد یوسف صاحب بنوری

برادر محترم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون۔ خط کا جواب بہت دیر سے دے رہا ہوں۔ معاف کیجئے۔ جو کچھ آپ نے مولانا عبید اللہ مرحوم کے سلسلہ میں لکھا ہے۔ میرے نزدیک یہ مسئلہ بیحد قابل توجہ اور اہم ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ جماعت دیوبند میں اب بہت سی شاخیں ایسی نکل رہی ہیں جو آزادی کی مسموم ہوا سے کم و بیش متاثر ہیں۔ شاید کچھ مدت کے بعد ہمارے اکابر کا مسلک ایسا ملتبس ہو جائے کہ

کوشش کرنے والوں کے نزدیک بھی منقح نہ ہو سکے۔ کئی مرتبہ اس سلسلے میں قلم اٹھانے کا خیال ہوا لیکن کم ہمتی کے سوا کیا کہوں کہ کیا چیز مانع ہوئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حقائق و لطائف کو جس طرح تیز مگر زہر آلود چھری سے ذبح کیا جا رہا ہے اس کا احساس بہت ہی دردناک ہے۔ خط میں زیادہ لکھنے کا موقع نہیں انشاء اللہ اُدھر آنا ہوا تو زبانی اس پر تفصیل سے صحیح مشورہ ہو جائے گا۔ یہ کوئی جزئی چیز نہیں۔ ایک فتنہ ہے جس کے آغاز کا انجام خدا جانے کہاں تک پہنچے۔ آپ کا دینی احساس اور صحیح مسلک کے لئے غیرت و جوش یقیناً مستحق تبریک و آفرین ہے۔ اللہ تعالیٰ برکت دے اور اعتدال پر قائم رکھے۔ درس قرآن اور درس حجۃ اللہ کی خبر سن کر بہت مسرت ہوئی۔ حق تعالیٰ آپکے اور دوسروں کے حق میں نافع فرمائے۔

اہلیہ مولوی محمد یحییٰ ڈیڑھ ماہ سے لدھیانہ زیر علاج ہے۔ عزیز موصوف اور میرے گھر میں سے وہیں ہیں۔ میں تو یہاں امسال گویا مسافر در وطن ہوں اب الحمد للہ احباب و مخلصین کی دعاؤں سے اس کو صحت ہے۔ عنقریب واپس آنے والی ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب میرے ہاں تشریف لائے میں بھی ان کے یہاں گیا قدیم معاشری تعلقات ہم دونوں باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ مدرسہ کے سلسلہ میں کوئی بات اصلاً نہیں ہوئی۔ مولانا احمد رضا صاحب، مولانا بزرگ صاحب، حاجی میاں صاحب اور سب احباب کو سلام مسنون پہنچے، مولانا حبیب اللہ صاحب بھی شاید آ گئے ہیں۔ ان کو سلام مسنون۔ بچوں کو دعا۔

پتہ: برادر محترم جناب مولانا محمد یوسف بنوری دامت مکارمہم	شبیر احمد عثمانی
مجلس علمی۔ سملک۔ ڈاک خانہ ڈابھیل	از دیوبند
ضلع سورت (گجرات)	۱۰ شوال ۱۳۶۲ھ
(SMILAK)	مطابق ۴۴-۱۹۴۳ء

تبصرہ: علامہ عثمانی کے اس مکتوب گرامی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دار العلوم کے بعض منتسبین مسلک ولی اللہی سے ہٹ رہے ہیں اور وہ خاندان ولی اللہی کی صحیح راہ پہچاننے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا عبید اللہ صاحب سندھی مرحوم اہل حق کی نظروں میں ہمیشہ کھٹکا کئے ہیں۔ علامہ عثمانی کی ہستی حقیقت کی گہرائیوں تک پہنچنے میں ید طولیٰ رکھتی تھی چنانچہ

ان کا خیال تھا کہ وہ ولی اللہی مسلک کی حقیقت سے نقاب اٹھا دیں۔ تاہم انہوں نے اپنی مختلف تصانیف میں روشنی ڈالی ہے۔

(۳۲) مکتوب بنام ازہر شاہ صاحب

برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون آنکہ۔ آپ کا خط دستی پہنچا۔ امتداد علالت سے بہت تشویش ہے۔ اکثر آپ کی طرف تعلق خاطر رہتا ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے شفاء و صحت عطا فرمائے۔ بندہ صدق دل سے دعا کرتا ہے۔ روزانہ سات مرتبہ درود شریف اور سات مرتبہ سورۂ فاتحہ مع بسملہ پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے تمام بدن پر ہاتھ پھیر لیا کریں۔ یہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا بتلایا ہوا عمل ہے۔ والدہ صاحبہ کی خدمت میں نیز حکیم صاحب کو سلام مسنون کہہ دیجئے۔ گھر میں سب کو سلام و دعا۔ میرے لائق جو خدمت ہو مطلع کریں۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی از ڈابھیل۔ ضلع سورت
۶ر صفر ۱۳۶۳ھ
مطابق یکم فروری ۱۹۴۴ء

پتہ: برادر عزیز مولوی سید ازہر شاہ کشمیری سلمہ اللہ تعالیٰ دعاخاہ۔ انور منزل۔ دیوبند۔ ضلع سہارنپور محلہ خانقاہ۔ یوپی

(۳۳) بقلم غیر و بدستخط خود بنام مولانا محمد یوسف صاحب

برادر محترم دامت مکارمہم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کا مفصل خط پہنچا جس سے تمام حالات معلوم ہوئے۔ میرے گھٹنوں میں اب درد اور ورم تو نہیں مگر چلنے پھرنے کی معذوری بدستور ہے۔ اب اطبا نے مسہل کی تجویز کی ہے۔ اور اس کے لئے منضج پی رہا ہوں۔

مٹو والوں کو جب مولوی بدر عالم صاحب نے انکار کر دیا تھا۔ تو ان کے استفسار پر میں نے ہی آپ کا تذکرہ ان سے کیا تھا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں مجھ سے سفارش بھی چاہی تھی۔ مگر بعض مصالح کی بنا پر میں نے سفارش سے انکار کر دیا تھا۔ اب ان لوگوں نے مولانا

ابراہیم صاحب کی سفارش کے ساتھ آپ سے خط و کتابت کی۔ مجلس علمی سے آپ کے تعلق کے سلسلہ میں جو حالات ہیں۔ انہیں مجھ سے بہتر طریقہ پر آپ ہی جان سکتے ہیں۔ اور اس تعلق کو قائم رکھنے یا ترک کر دینے پر وہاں کے حالات کے پیش نظر آپ ہی کی رائے زیادہ قوی ہو سکتی ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر ذمہ داران مجلس علمی سے بحسن اسلوب آپ رخصت ہو سکیں۔ نیز ترمذی شریف کی جو خدمت آپ وہاں انجام دے رہے ہیں۔ وہ دوسرے کسی مقام پر بھی جا کر ہوتی رہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ پھر ڈیرہ غازی خان کے مقابلہ میں مئو آپ کے لئے زیادہ مناسب رہے گا۔ کہ وہاں عرصہ سے یہ دینی مدرسہ ہے۔ اور علمی ماحول بھی ہے میرا اپنا خیال تو یہ تھا کہ آپ کو دوبارہ جامع میں واپس لانے کی سعی کرتا۔ مگر یہ بیماری اس طرح آئی۔ کہ ابھی تک نہ ڈابھیل جانا ہوا۔ اور نہ یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ کب تک ڈابھیل پہنچوں۔ ادھر یہ بھی خیال ہے کہ بجائے ارکانِ جامعہ کا اس سلسلہ میں کیا خیال ہو۔ ان اسباب کی بنا پر مناسب نہیں کہ دوسری کسی جگہ خیال کرنے سے بھی روکوں۔ بہرکیف اگر مجلس علمی سے خوشگوار طریقہ سے علیحدگی ہو سکے۔ اور پھر یہ خدمت جو آپ سے متعلق ہے۔ اگر التوا میں نہ پڑے۔ تو میں مئو کی اس صورت کو ناپسند نہیں کرتا۔ امید ہے۔ آپ خیریت سے ہونگے۔ اپنی صحت و عافیت کے لئے آپ سے دعا کا امیدوار ہوں۔ مولانا احمد رضا صاحب اور مولانا احمد بزرگ صاحب اور حاجی ابراہیم میاں صاحب کو سلام پہنچا دیں۔

میں خط خود نہیں لکھ سکتا۔ اس لئے دوسرے کسی آدمی سے یہ خط لکھوا رہا ہوں۔ والسلام

(بدستخط خود) شبیر احمد عثمانی

۸ ر ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

(مطابق ۴۵-۱۹۴۴ء)

(تبصرہ) علامہ عثمانی کے مذکورہ بالا خط کو پڑھئے اور اندازہ لگائیے کہ مولانا محمد یوسف صاحب نے مئو کی ملازمت اختیار کرنے کے بارے میں جو مشورہ علامہ سے چاہا ہے اس کے جواب میں موصوف نے کتنی محتاط اور پُر مغز باتیں فرمائی ہیں۔ مشورہ بھی دیا ہے۔ مگر اپنے اوپر کوئی ذمہ داری بھی نہیں لی ہے۔ مشعل ہدایت بھی روشن کی ہے مگر اس کی روشنی میں ہدایت حاصل

کرنے کا کام مستشیر پر چھوڑ دیا ہے۔ عبارت کتنی جامع مانع اور پُرشوکت ہے کہ اُردو ادب کے جسم میں رُوح ڈال دی ہے۔ یہ خط علامہ نے کسی اور سے غالباً مولانا ظہور احمد صاحب لکھوایا ہے البتہ اس پر دستخط آپ کے ہیں۔ (مرتب)

(تعارف) ۱؎ مولانا کو گٹھیا کے درد کا عارضہ اس زمانے میں ایسا رہا کہ چلنے پھرنے اور خط لکھنے سے معذور تھے۔ یہ خط کسی اور ہی سے املا کے طور پر علامہ نے لکھایا ہے۔ اس سے ایک سال پہلے دارالعلوم دیوبند کی صدارت اہتمام کو خود چھوڑ چکے ہیں۔

۲؎ مولانا بدر عالم صاحب میرٹھ کے رہنے والے ہیں۔ دورۂ حدیث دارالعلوم میں پڑھا۔ کئی سال تک مولانا محمد انور شاہ صاحب کے درس بخاری میں دارالعلوم دیوبند میں بیٹھتے رہے اور حضرت شاہ صاحب کی تقریریں نوٹ کرتے جو "فیض الباری" کے نام سے کئی جلدوں میں مصر میں چھپوائی گئی ہیں۔ فراغت کے بعد مولانا بدر عالم دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۲۵ء میں معین المدرسین بن گئے۔ راقم الحروف نے ان سے تہذیب، شرح تہذیب میر قطبی، مسلم اور ملا حسن کتابیں دیوبند میں پڑھیں۔ ۱۹۲۷ء میں جب دارالعلوم میں اسٹرائک ہوئی تو مولانا بدر عالم صاحب بھی اسی جماعت میں آگے آگے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں جامعہ ڈابھیل میں حضرت شاہ صاحب اور علامہ شبیر احمد عثمانی کے ہمراہ چلے گئے اور وہیں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان تشریف لے آئے، بہاولپور مدرسے میں پڑھاتے رہے۔ پھر مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔ اور وہیں مقیم رہے۔ میری ان سے آخری ملاقات ۱۹۵۹ء میں خانۂ کعبہ میں ہوئی۔ پھر مسجد نبوی میں۔ بہت بڑے مصنف، عالم، فاضل، درویش مشرب تھے۔ ۱۸ اگست ۱۹۶۵ء کو ان کا مدینہ منورہ میں انتقال ہو گیا اور جنت البقیع میں ازواجِ مطہرات کے قدموں کی طرف دفن کئے گئے۔

(۳۴) مکتوب بنام ازہر شاہ صاحب

برادر عزیز القدر دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون

کئی روز ہوئے آپ کا کارڈ ملا تھا۔ الحمد للہ یہاں خیریت ہے۔ مجھے عرق النسا کی کچھ

شکایت چلی جا رہی ہے۔ آپ کی علالت سے بہت فکر و تشویش رہتی ہے۔ ہمیشہ دعا کرتا ہوں اس خط سے یہ معلوم ہو کر قدرے اطمینان ہوا کہ علاج الحمد للہ موافق آیا۔ دو حرف خیریت سے جلد از جلد اطلاع دیتے رہا کرو۔ تعلق خاطر رہتا ہے۔ آج خلیفہ جی[1] کی ہمشیرہ مرحومہ کے انتقال کی خبر مفتی صاحب[2] کے خط سے ہوئی۔ آج ہی خلیفہ جی کو خط لکھ چکا ہوں حق تعالیٰ ان کی پریشانی کو دور فرمائیں۔ دعا کرتا ہوں۔ یہاں اب صرف ایک مدرس کی ضرورت ہے۔ اس کا انتظام بھی خاطر خواہ جلد ہو جانے کی اُمید ہے۔ مخالفین جو چاہیں کہیں۔ واقعی جو چیز ہے وہ کسی وقت میں زبانی کہوں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

دورے میں پچاس طالب علم تھے صحیح بخاری کے شروع ہونے کے بعد سے کوئی نہیں گیا۔ بلکہ بعض نئے شامل ہو گئے۔ بلکہ طلبہ نے آکر مجھ سے ظاہر کیا کہ اگر ہمارا یہی ایک سبق حسبِ معمول ہوتا رہے تب بھی اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جانا چاہئے۔ اب صحیح مسلم جو طلبہ نے درخواست کر کے مولوی یحییٰ سلمہ کے ہاں منتقل کرائی اطمینان سے ہو رہی ہے۔ حدیث کی دوسری کتابیں بھی شروع ہو گئیں۔ جو باقی ہیں چار پانچ روز میں شروع ہو جائیں گی۔

مہتمم[3] صاحب یہاں بھی تشریف لائے تھے۔ ملاقات میں کسی تنگدلی کا احساس نہیں ہوا حکیم صاحب، خلیفہ جی، مفتی صاحب کو سلام مسنون۔ گھر میں سب کو خصوصاً والدہ صاحبہ کی خدمت میں سلام مسنون کہہ دیں۔ اگر چند روز کے لئے تبدیل آب و ہوا یا کسی نئے علاج کی غرض سے یہاں آنے کا ارادہ ہو تو بے تکلف آجائے۔ میں خوش ہوں۔ اس کے لئے مصارف کی فکر نہ کرو۔

شبیر احمد عثمانی

از ڈابھیل

۳۰ صفر ۱۳۶۳ھ (مطابق ۲۵ فروری ۱۹۴۴ء)

موصولہ دیوبند بتاریخ ۲۹ فروری

پتہ: عزیز القدر مولوی حافظ سید محمد ازہر شاہ کشمیری سلمہ اللہ تعالیٰ۔ شاہ منزل۔ خانقاہ۔ دیوبند
ضلع سہارنپور

(تعارف) [1] خلیفہ جی سے مراد خلیفہ محمد عاقل دیوبندی ہیں جو حساب کے دار العلوم دیوبند میں مدرس تھے اور آجکل ناظم آباد کراچی میں مقیم ہیں۔

[2] مفتی صاحب سے مراد غالباً مفتی محمد شفیع صاحب ہیں جو دار العلوم دیوبند میں مدرس تھے

اور آج کل ناظم آباد کراچی میں مقیم ہیں۔

ؔ مفتی صاحب سے مراد غالباً مفتی محمد شفیع صاحب ہیں جو دارالعلوم دیوبند میں مدرس اور مفتی بھی رہے ہیں اور اب کراچی میں دارالعلوم کے بانی اور مہتمم ہیں۔ میرے اُستاذ محترم ہیں حضرت نے ایک مدرسہ نانک واڑہ کراچی میں اور جاری کر رکھا ہے۔ بلکہ ابتدائی مدرسہ وہی ہے آپ مفتی اعظم پاکستان بھی کہلاتے ہیں۔

ؔ مہتمم صاحب سے مراد مولانا محمد طیب صاحب ہیں جو ڈابھیل تشریف لے گئے تھے مولانا عثمانی کے صدارت اہتمام دارالعلوم دیوبند سے قطع تعلقات کے بعد اب پہلی ملاقات ہوئی ہے ورنہ اس سے پہلے قدرے تعلقات میں کشیدگی سی تھی۔

تبصرہ | اس خط سے مولانا عثمانی کی وسعت قلبی اور شفقت نیز صاف دلی کا پتہ چلتا ہے اور مولانا محمد طیب صاحب کی سعادت مندی کا:

(۳۵) مکتوب بنام نامعلوم الاسم

(تعارف) علامہ کے اس مکتوب سے مکتوب الیہ کا پتہ نہیں چلتا یہ خط مجھے مولانا محمد عمادالدین صاحب انصاری شیرکوٹی کی وساطت سے ملا خط سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں کسی مقیم شاگرد کے نام ہے۔ غالباً مولوی فضل منان پشاوری کے نام ہے جو علامہ کے خادم شاگرد ہیں علامہ عثمانی جب دارالعلوم دیوبند کی صدارت اہتمام سے دست کش ہو گئے تو اراکین دارالعلوم دیوبند اور مولانا محمد طیب صاحب سے ایک گونہ اختلاف رہا بعض بیانات بھی دونوں طرف سے اخبارات میں شائع ہوئے۔ مولانا محمد طیب صاحب ان حالات کے بعد ڈابھیل پہنچے ہیں اور مولانا عثمانی سے ملے ہیں۔ اس پر طرح طرح کی باتیں لوگوں میں ہوئیں۔ علامہ عثمانی کس صفائی قلب سے واقعات سے نقاب اُٹھاتے ہیں۔ (مرتب)

برادر عزیزہ دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ خط پہنچا۔ مولانا طیب صاحب کا قصہ صرف اس قدر ہے کہ وہ بمبئی سے بعض لوگوں کی دعوت پر رانڈیر اور ترکیسر آئے تھے۔ سملک سے مولانا بزرگ صاحب نے بھی

دعوت دی۔ رانا ریر میں ہی انہوں نے اظہار کردیا تھا کہ میں تھوڑی دیر کے لئے شبیر احمد کے پاس بھی جاؤں گا۔ سملک پہنچنے پر انکا دستی پرچہ میرے نام آیا جس میں ملاقات اور جامعہ کے معائنہ کا اشتیاق ظاہر کیا گیا تھا۔ اور یہ کہ خوش دلی سے اجازت دیں۔ تو حاضر ہوں۔ میں نے تحریری جواب دے دیا۔ کہ گذشتہ ایک سال کے طرزِ عمل سے میرا اندازہ یہ تھا کہ شاید ملنے میں کلفت ہو اس لئے اپنی طرف سے کوئی اقدام مناسب نہیں معلوم ہوا۔ اب جبکہ آپ خود اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ تو شوق سے جامعہ میں آئیے مجھے انکار کی کوئی وجہ نہیں چنانچہ شام کو تین بجے آئے۔ اور اُسی انداز سے ملے۔ جو ان فتنوں سے پہلے کا انداز تھا۔ میں بھی کشادہ پیشانی سے ملا۔ سب جامعہ کی سیر کرائی۔ چائے پلائی گئی۔ بہت زیادہ مسرت کا اظہار کیا گیا۔ پھر مدرسہ کی کتاب پر معائنہ لکھا جس میں اپنے بہترین تأثرات کا اظہار فرمایا۔ نماز عصر کے بعد جامع سے واپسی میں ڈابھیل میں بھوریانے چائے پر مدعو کیا تھا۔ میں بھی ساتھ تھا۔ پھر رات کو دعوت سملک والوں نے میری بھی کی تھی۔ اس میں بھی شریک رہا۔ غازی صاحب اُن کے ہمراہ تھے۔ معائنہ پر اُن کے بھی دستخط ہیں۔

ملاقات اور گفتگو خوشگوار رہی۔ ان کا پرچہ اور میرے جواب کی نقل اور معائنہ سب یہاں موجود ہے۔ یہ میں نے مختصر کیفیت لکھ دی ہے۔ بمبئی میں چندہ دارالعلوم کے لئے ہو رہا ہے یہاں آنے تک بارہ ہزار بتلاتے تھے۔ بغرض اس واقعہ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیوبند میں پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ میرے دارالسلطنت میں انہوں نے دھاوا بول دیا۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ میرے سامنے جھک گئے۔ یہ سب لغویات ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ معاشرتی تعلق جو بالکلیہ ختم ہو چکا تھا اس کا دروازہ کھل گیا۔ معاملات سے کوئی بحث نہیں اسے جو چاہے سمجھ لے۔ میں وہاں کے معاملات سے یکسوئی کر چکا۔ اس ایک سال میں اشارۃً یا کنایۃً کسی کو چندہ سے نہیں روکا سب جانتے ہیں کہ سالہا سال سے میں نے اپنے عوارض کی بنا پر سفر ترک کر رکھے ہیں اس میدان میں میرا اب کوئی مقابلہ کسی سے نہیں۔ حالانکہ اب بھی سینکڑوں جگہوں سے اس قدر اصرار و اشتیاق کے خطوط اور وفود آتے رہتے ہیں کہ جواب دے کر عہدہ برآ ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ بمبئی۔ بڑودہ۔ کھلوڈ۔ نوساری۔ وریاؤ وغیرہ اور ہندوستان کی کتنی ہی جگہوں سے اس وقت

بھی خطوط اور تقاضے آئے رکھے ہیں۔ مگر میں ہر جگہ معذوری کا اظہار کر دیتا ہوں۔ بہر حال مُونا طیب یا کوئی دوسرا آدمی جہاں چاہیں جائیں چندہ کریں دارالعلوم کے لئے پروپیگنڈا کریں تو میرا اس میں کیا نقصان یا حرج ہے۔ میں عمر بھر کے تجربہ کے بعد ایک راہِ عمل اپنے لئے تجویز کر چکا ہوں۔ مدت سے اُسی پر چلتا ہوں۔ قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلًا۔ دہلی سے کوئی دعوت اب تک نہیں آئی۔ آنے پر جیسا کچھ سمجھ میں آئیگا جواب دُوں گا۔ اگر اُن کے ہاں آیا تو انشاءاللہ کچھ وقت تمہارے لئے نکال لینے کی کوشش کروں گا۔ مگر واضح رہے کہ میں مدت سے ایسے احوال وعوارض میں مبتلا ہوں کہ کسی سے پختہ وعدہ کر کے یہ اطمینان نہیں ہوتا کہ وقت پر اُسے انجام دے سکوں گا یا نہیں۔ کوئی عارضہ وقت پر پیش آ جائے تو خواہ مخواہ وعدہ خلافی ہو۔ اور دوسروں کو تکلیف اُٹھانا پڑے۔ اس لئے قبل از وقت کسی سے وعدہ نہ کیجئے۔ مولانا ابراہیم صاحب اور مولوی عتیق الرحمٰن صاحب و دیگر پرسان حال کو سلام مسنون پہنچے۔ مولوی عتیق الرحمٰن صاحب کو کتاب کے لئے کہ دیجئے کہ وہ محفوظ رکھیں اور قیمت مناسب طے کرا دیں۔

شبیر احمد عثمانی

از ڈابھیل

۴ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ (مطابق فروری ۱۹۴۴ء)

(نوٹ) علامہ کا یہ خط اپنی نوعیت کا خاص خط ہے جس میں مولانا محمد طیب صاحب کے ڈابھیل تشریف لے جانے اور علامہ شبیر احمد عثمانی سے ملنے اور اپنی طرف سے اشتیاقِ ملاقات کا خیال ظاہر کرنے کا تاریخی مرقع ہے اور یہ کہ کس طرح مولانا محمد طیب صاحب اپنی سعادت مندی اور علامہ اپنی شفقت کریمانہ کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ (مرتب)

لہ غازی صاحب سے مراد مولانا حامد میاں انصاری غازی ہیں جو مولانا محمد طیب صاحب کے پھوپھی زاد بھائی مولانا منصور انصاری کے صاحبزادے اور قاری صاحب کے نسبتی فرزند ہیں۔ بڑے شاعر، عالم، مصنف، پرجوش اخبار نویس ہیں۔ وہ یاد آتے ہیں تو مہاجر اخبار یاد آجاتا ہے۔

(۳۶) بنام سید صاحب بسلسلہ سفارش مولوی فضل منان صاحب پشاوری تلمیذ عثمانی

بگرامی خدمت کرم فرمائے محترم جناب سید صاحب دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ یہ عریضہ ایک خاص ضرورت سے پیش کرتا ہوں۔ حامل عریضہ مولوی فضل منان صاحب پشاوری، وہ ضرورت زبانی عرض کریں گے۔ میری استدعا یہ ہے۔ کہ جناب تا بحد امکان ان کے حق میں خصوصی شفقت سے دریغ نہ فرمائیں۔ اگر ان سے بہت ہی زیادہ مجبور کن علائق نہ ہوتے تو اس قدر پر زور سفارش کی جرأت نہ کرتا۔ امید ہے بے نیل مرام واپس نہ ہوں گے۔

دعاگو

شبیر احمد عثمانی از ڈابھیل ضلع سورت

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ (مطابق اپریل ۱۹۴۴ء)

(۳۷) مکتوب بنام ازہر شاہ صاحب

برادر عزیز القدر سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون آنکہ۔ چار پانچ روز ہوئے آپ کا خط ملا تھا۔ ہر روز ارادہ جواب لکھنے کا کرتا رہا۔ مگر آجکل اس قدر عدیم الفرصت ہوں کہ خط لکھنے کا موقع بھی بہت ہی مشکل سے ملتا ہے۔ آپ کا پہلا خط بھی مل گیا تھا۔ مگر اس سے قبل میں آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں۔ خدا جانے ملا یا نہیں۔ آپ کی خانگی پریشانیوں سے قلق ہے۔ حق تعالیٰ طمانیت نصیب کرے۔

پہلے ایک مرتبہ آپ نے لکھا تھا۔ کہ جلسہ سے قبل ڈابھیل آنے کا قصد ہے۔ اب تو زمانہ قریب ہے۔ اگر موقع ہو تو ضرور آئیے۔ کچھ دن میرے پاس قیام کیجئے۔ میں بہت علیل ہو گیا تھا۔ اب الحمدللہ صحت ہے۔ چار گھنٹے روزانہ صحیح بخاری ہوتی ہے۔ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ بحسن اسلوب اتمام کو پہنچائیں۔

والدہ صاحبہ، عزیزہ راشدہ، میاں انظر سلمہ اور جناب حکیم صاحب وغیرہ کی خدمت میں سلام مسنون۔ آپ آنے کی خبر سے مطلع کیجئے۔ مفتی صاحب سے ملاقات ہو تو سلام

مسنون کہ دیں۔ شبیر احمد عثمانی از ڈابھیل

۶ رجب ۱۳۶۳ھ (۲۸ جون ۱۹۴۴ء)

(تبصرہ) چار چار گھنٹے بخاری کے یومیہ درس سے علامہ عثمانی کی محنت و مشقت پژوہی اور استقلال و ہمت کا پتہ چلتا ہے۔

لہ عزیزہ راشدہ سے ازہر صاحب کی ہمشیرہ مراد ہوں گی۔

(۳۸) مکتوب بنام ازہر شاہ صاحب

برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون آنکہ آپ کا کارڈ ملا۔ عزیزہ راشدہ کے قضئے سے فکر اور اُلجھن سی ہے۔ دُعا کرتا ہوں۔ کل الحمد للہ تعالیٰ صحیح بخاری تمام ہوگئی۔ حسب معمول دس شعبان کو سالانہ جلسہ ہوگا۔ اسی روز روانگی کا قصد ہے۔ ابھی گاڑی متعین نہیں کی۔ بہرحال ۱۲ یا ۱۳ شعبان تک اُمید ہے کہ انشاء اللہ دیوبند پہنچوں گا۔ اُمید ہے اب آپ کی صحت ٹھیک ہوگی۔ جناب حکیم صاحب اور والدہ صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کریں۔

عزیزہ راشدہ اور میاں انظر سلمہا کو سلام و دُعا۔ پُرسان حال کو سلام مسنون۔ آج تحریری امتحان شروع ہوگیا۔ بارش یہاں بہت ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔

شبیر احمد عثمانی

از ڈابھیل

۲۷ رجب ۱۳۶۳ھ (۲۰ جولائی ۱۹۴۴ء)

(موصولہ ۲۳ جولائی ۱۹۴۴ء)

پتہ

برادر عزیز القدر مولوی سید ازہر شاہ صاحب کشمیری سلمہ اللہ تعالیٰ

انور منزل (محلہ) خانقاہ - دیوبند

ضلع سہارنپور (یو۔پی)

DEOBAND

DISTT SAHARAN PUR

(نوٹ) عزیزہ راشدہ، مولوی ازہر شاہ کی ہمشیرہ غالباً ازدواجی اُلجھن سے دوچار ہیں۔

(۳۹) مکتوب بنام مولانا محمد یوسف صاحب

برادر محترم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ چند روز سے کچھ خطوط لکھنے لگا ہوں۔ آپ کا محبت نامہ آیا تھا جواب میں تاخیر ہوئی مسامحت فرمائیں۔ الحمد للہ اب مجھے نسبتاً بہت افاقہ ہے۔ گھر میں کچھ چل پھر سکتا ہوں۔ مگر قضاء حاجت وغیرہ احوال میں معذوری باقی ہے۔ نماز بیٹھ کر پڑھتا ہوں۔ وضو بھی خود کرنا مشکل ہے۔ بہر حال بالکلیہ صحت نہیں ہوئی۔

دعا کا طالب ہوں۔ سفر حیدرآباد کا حال معلوم ہو کر خوشی ہوئی۔ عزیزم مولوی محمد یحییٰ سلمہ کی طرف سے سلام مسنون۔ امید ہے آپ مع عیال خیریت سے ہوں گے حاجی ابراہیم میاں صاحب۔ مولانا بزرگ صاحب۔ مولانا احمد رضا صاحب اور دیگر پرسان حال کو سلام مسنون پہنچے۔

شبیر احمد عثمانی
از دیوبند
۱۴ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ
مطابق مہر ڈاکخانہ ۱۱ مارچ ۱۹۴۵ء
(موصولہ ۱۵ مارچ ۱۹۴۵ء)

پتہ: برادر محترم جناب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دامت مکارمہم
مجلس علمی سملک ضلع سورت (گجرات)
SUMLAK
P.O. DABHEL
DT. SURAT

(تبصرہ) علامہ اب طویل بیماری کے بعد خود خطوط لکھنے لگے ہیں، گھر میں چل پھرنے کے قابل ہو گئے۔ گذشتہ خط وہ خود تحریر نہیں فرما سکے تھے کسی اور سے لکھوایا تھا۔ ایک خط کے علاوہ بقیہ خطوط خود تحریر فرماتے ہیں، نماز بھی ابھی بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ وضو بھی خود نہیں کر سکتے۔

(۴۰) بنام مولانا محمد یوسف صاحب

برادر محترم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ پرسوں آپ کا دوسرا خط ملا۔ بچے کے انتقال سے قلق ہوا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ والدین کے لئے اجر وذخر بنائے۔ پردیس میں آپ کو اور آپ سے زیادہ اس کی والدہ کو صدمہ پہنچا۔ لیکن ماشاء اللہ آپ خود علم صحیح کے ساتھ تعلق مع اللہ رکھتے ہیں۔ صبر کی تلقین کیا کی جائے۔ جامع ترمذی میں خصوصیت کے ساتھ ثمرۂ فواد کے لے لینے پر بیت الحمد کی بشارت موجود ہے۔

پہلے خط میں کتاب کے متعلق جو کہا ہے۔ انشاء اللہ اپنی رائے قریبی فرصت میں لکھ کر روانہ کروں گا۔ علالت کی وجہ سے سب کام معطل ہیں۔ اور ہمت لکھنے پڑھنے کی نہیں ہوتی۔ اس ایک ماہ میں تین مرتبہ انگوٹھے کے درد اور ورم کا دورہ ہوا۔ ہنوز قدرے ورم اور دکھن پاؤں میں باقی ہے۔ آٹھ ماہ سے علالت کا سلسلہ قائم ہے۔ افاقہ ضرور ہو جاتا ہے مگر استیصال مرض نہیں ہوتا۔ اور معذوری ایک نوع کی باقی ہے دعا سے فراموش نہ کریں۔ حق تعالیٰ سے عافیت اور حسن خاتمہ کا طالب ہوں۔

خیال تھا کہ شاید پشاور سے واپسی میں دیوبند آئیں۔ شاید موقع نہ ہوگا۔ مولانا بزرگ صاحب، امام صاحب، حاجی میاں صاحب اور سب احباب کو سلام مسنون۔

شبیر احمد عثمانی

از دیوبند

۷ر جمادی الاخری ۱۳۶۴ھ

(مطابق ۲۱ر مئی ۱۹۴۵ء بمطابق مہر ڈاکخانہ)

پتہ | برادر محترم جناب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دامت مکارمہم

مجلس علمی۔ سملک۔ ڈاکخانہ ڈابھیل ضلع سورت (گجرات)

AT. SUMLAK

P.O. DABHEL

DT. SURAT

(تاریخی تبصرہ) اس مکتوب سے علامہ کی ۱۳۶۴ھ کے دس ماہ کی طویل علالت پر تاریخی حال ملتا ہے۔

(۱۴) بنام مولانا محمد یوسف صاحب بنوری

(نوٹ) یہ خط بھی علامہ نے خود نہیں لکھا بلکہ مولانا ظہور احمد مدرس دار العلوم سے بول کر لکھایا ہے۔ البتہ دستخط خود فرمائے ہیں۔ (مرتب)

برادر محترم!

بعد سلام مسنون آنکہ۔ آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ اس سے پہلے بھی دو خط مل چکے تھے جواب لکھنے کا ارادہ برابر کرتا رہا مگر کچھ تو کاہلی اور کچھ وقتاً فوقتاً عوارض کا لحوق پھر رمضان میں روزے کا ضعف موجب تاخیر ہوا۔ الحمد للہ کہ اب پہلی تکلیف بہت ہی خفیف باقی ہے البتہ چار پانچ روز سے کچھ بدن کے بعض حصّوں پر پھنسیاں نکل آئی ہیں جن کی وجہ سے بیٹھنا مشکل ہے یہ خط بھی مولوی ظہور احمد صاحب لکھوا رہا ہوں۔ آپ نے جو حالات مولانا سید سلیمان صاحب کے اور اُن کی معیت کے لکھے ہیں۔ اُن سے مسرور اور خوش وقت ہوا۔ اُمید ہے انشاءاللہ یہ ملاقاتیں ایک سلسلہ خیر کی بنیاد ثابت ہونگی۔ جامع ترمذی کی خدمت کے سلسلہ میں تخریج مانی الباب کا التزام نہایت مفید اضافہ ہے۔ حق تعالیٰ اہتمام کو پہنچائے۔ آپ کی اس خدمت کے متعلق میرے قلبی تاثرات بہت گہرے ہیں۔ انشاءاللہ کسی اطمینان کے وقت زبان قلم سے اُن کے اظہار کی نوبت آئے گی۔ حیدرآباد کی نسبت آپ نے سن ہی لیا ہوگا۔ کہ خود حضور نظام نے اپنے نام سے مجھے یہ تار دیا کہ میں مدرسہ نظامیہ کی صدر مدرسی اور نظامت پر آپ کا تقرر کرنا چاہتا ہوں۔ اور یہ معلوم کر کے میں بہت خوش ہوں گا۔ کہ آپ میری اس پیش کش کو منظور کرتے ہیں اس کے بعد بھی تین تار چیف سیکرٹری کے نام سے آئے جو حضور ہی کی طرف سے تھے۔ آخری تار جو میرے مفصل معروضہ کے جواب میں تھا۔ اس کا حاصل صرف یہ تھا کہ جس وقت آپ سفر کے قابل ہو جائیں۔ اکتوبر تک یہاں پہنچ کر مجھ سے خود ملیں تا کہ معاملے کا تصفیہ براہ راست ہو۔ بہر حال جانا تو اب بعد رمضان ناگزیر ہے۔ وہاں جا کر جو تصفیہ ہو اعلیٰ حضرت کے خیالات آجکل مدرسہ نظامیہ کے بارے میں بہت اعلیٰ اور وسیع ہیں تعمیرات بھی سب گرا کر کئی لاکھ روپیہ لگا کر نئی بنانے کا ارادہ ہے۔ اور اس کو ترقی دینا چاہتے ہیں۔ اگر مناسب صورت مجھے

نظر آئی تو کیا آپ میرے پاس وہاں قیام کر سکتے ہیں۔ آئندہ چل کر جواب سے ضرور مطلع کیجئے۔ والسلام۔ مولوی محمد یحیٰی صاحب اور حاضر الوقت ظہور احمد کی جانب سے سلام فقط

پتہ | اکرم منزلہٗ محترم مولانا محمد یوسف صاحب منا زید مجدہ بنوری
مجلس علمی۔ سملک۔ ڈابھیل۔ ضلع سورت

شبیر احمد عثمانی
از دیوبند

SUMLAK
P.O. DABHAL. DT. SURAT.

۱۲ر رمضان ۱۳۶۴ھ
(مطابق مہر ڈاکخانہ ۲۱ر اگست ۱۹۴۵ء)

(نوٹ) نظام حیدر آباد میر عثمان علی خان علامہ عثمانی کی دل سے عزت کرتے تھے۔ علامہ جب پہلی مرتبہ حیدر آباد دکن تشریف لے گئے اور مکی مسجد حیدر آباد میں نظام صاحب نے آپ کی تقریر سنی تو بے ساختہ اُچھل پڑے۔ جب سے مولانا ہر سال حیدر آباد جاتے۔ فتح الملہم شرح مسلم کے لئے نظام صاحب نے پچیس ہزار روپیہ عنایت فرمایا۔ اور تین سو روپیہ ماہوار بطور وظیفہ عنایت فرماتے رہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی مدرسہ نظامیہ کی ہے۔

(۴۲) بنام مولانا عبد اللہ صاحب فاضل دیوبند خلیفہ مجاز مولانا ابو سعد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی بسفارش بیعت مولوی عبد الخالق صاحب

کرم فرمائے محترم جناب مولانا عبد اللہ صاحب۔ دامت معالیہم۔
بعد سلام مسنون آنکہ۔ الحمد للہ مجھے اب بہت کچھ صحت ہے کچھ خفیف سا بقیہ مرض ہے۔ انشاء اللہ وہ بھی زائل ہو جائے گا۔ بہر حال دُعا کا طالب ہوں۔
عریضہ ہذا لکھنے کی ضرورت یہ ہے۔ کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے فضل و رحمت سے آپ کو اپنے مقام قرب سے نوازا۔ اور اپنے شیخ علیہ الرحمۃ کے اختصاص فیوض سے بہرہ یاب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے متوسلین کے قلوب آپ

پر جمع ہو گئے۔ حق تعالیٰ کے اس احسان عظیم کا شکریہ کیجیے۔ آپ بھی تا بحدِّ امکان دُوسروں کو سیراب کرنے کی سعی سے دریغ نہ فرمائیں۔

حامل عریضہ مولانا عبدالخالق صاحب مدرّس دارالعلوم بحمد اللہ حضرت شیخ سے مستفیض ہو چکے ہیں۔ لیکن باطنی تشنگی دُور ہونے سے پہلے شیخ کی وفات نے شکستگی پیدا کر دی اب جو کچھ اُمیدیں ہیں آپ سے وابستہ ہیں۔ گو اس معاملہ میں سفارش کی ضرورت نہیں۔ مولانا کو آپ سے خاص عقیدت اور تعلق ہے مگر ان کے احوال پر نظر کرتے ہوئے اپنے دیرینہ تعلقات نے مجبور کیا کہ میں بھی شفاعت کر کے مستوجب اجر بنوں۔

مجھے اُمید ہے۔ کہ میرے معروضہ پر خیال فرما کر مولانا موصوف کی طرف خصوصی توجّہ اور ہمّت مبذول فرمائیں گے۔ اس صورت میں بندہ بھی کالدال علی الخیر اور ساعی فی الحسنہ کے ثواب حاصل کرنے کا اُمیدوار ہے۔ والسّلام۔

شبّیر احمد عثمانی

از دیوبند

۱۲ر ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

(تبصرہ) مولانا عبدالخالق صاحب دیوبند کے فاضل ہیں۔ جن کے لئے یہ سفارش کی گئی ہے آپ ملتان کے علاقے کے رہنے والے ہیں۔ لیکن آجکل تحصیل کبیروالا ضلع ملتان میں مقیم ہیں حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں اور دو سال دارالعلوم دیوبند میں مدرس رہے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد یہاں تشریف لائے اور جامعہ عباسیہ میں شیخ الحدیث کی اسامی پر بلائے گئے تھے۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں خلافت بھی دی تھی اور خلافت بھی حرم شریف میں۔ مولانا عبداللہ صاحب مرحوم کا مقام علامہ عثمانی کے مکتوب سے واضح ہے کہ ان کی نظروں میں وہ ایک خاص رُوحانی مقام رکھتے ہیں۔

علامہ عثمانیؒ کے

سیاسی خطوط

جو مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کی تائید میں لکھے گئے۔ پہلے دو خطوں کے سوا باقی چودہ ۱۴ خط پیغام کلکتہ کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے موصول شدہ خطوط کے جوابات میں لکھے گئے ہیں۔ پیغام کلکتہ علامہ عثمانی کا وہ تحریری پیغام تھا۔ جو جمعیۃ العلمائے اسلام کلکتہ کے اجلاس منعقدہ ۲۶-۲۷-۲۸-۲۹- اکتوبر ۱۹۴۵ء مطابق ۱۸-۱۹-۲۰-۲۱ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ کو محمد علی پارک کلکتہ میں مولانا محمد متین صاحب فاضل دیوبند نے پڑھ کر سنایا تھا جس نے لوگوں پر بے خودی طاری کردی تھی۔ اور جس کو سن کر بار بار نعرہ ہائے تکبیر اور علامہ شبیر احمد زندہ باد کی صدائیں بلند ہوتی رہیں۔ اکثر جملوں کو مکرر پڑھنے کی درخواست ہوتی رہی اور تقریباً پون گھنٹے تک اجلاس کی کوئی کارروائی نہ ہو سکی۔ پنڈال کے ہر گوشے سے لوگ اس کے خیر مقدم کے لئے وفور جوش سے اُبلتے رہے۔ اور اس کو کثیر تعداد میں شائع کرانے کے لئے چندہ پیش کرتے رہے۔

(نوٹ) سائلین کے چودہ [14] خط اور علامہ عثمانی کے جوابات
مراسلات سیاسیہ کے نام سے شعبہ نشر و اشاعت آل انڈیا
مسلم لیگ دہلی نے، مسلم لیگ پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپا کر شائع
کئے تھے۔ ہم ان سیاسی خطوط کو مجموعۂ مکتوبات عثمانی میں شامل
کر کے قارئین کی معلومات کے لئے شائع کر رہے ہیں ۔

(مرتّب)

(۳۴) بنام ناظم صاحب جمعیۃ العلمائے اسلام کلکتہ

تعارف خط: جمعیۃ العلمائے اسلام کلکتہ کے قیام کے بعد علامہ عثمانی کو جمعیت کے اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ آپ دس ماہ کی گٹھیا کی بیماری کے باعث کہیں آمد و رفت سے معذور تھے اس لیے حسب ذیل جواب ناظم صاحب کے خط میں علامہ نے کانفرنس میں شرکت سے معذوری کا ارسال فرمایا۔ یہ مکتوب اخبار عصر جدید کلکتہ نے اپنی ۱۶؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں چھاپا تھا۔ (مرتب)

بیت الفضل دیوبند

۲۸؍شوال ۱۳۶۴ھ مطابق ۶؍اکتوبر ۱۹۴۵ء

محترم المقام جناب ناظم صاحب جمعیۃ العلمائے اسلام کلکتہ دامت مکارمہ۔

بعد سلام مسنون آنکہ۔ بلاشبہ یہ وقت مسلم قوم کے لئے بہت نازک ہے اور سیاسی کشمکش بہت اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ شاید ایسی فیصلہ کن ساعت یہاں کی صورت حال سے متعلق موجودہ دور سیاست میں کبھی پیش نہ آئی تھی۔ جس کا سب سے زیادہ افسوس ناک اور رسوا کن پہلو یہ ہے۔ کہ چھوٹی بڑی مسلم پارٹیوں کی باہمی آویزش و تصادم کا تماشہ دیکھ کر اغیار خوش ہوتے ہیں۔ اور اسی کو لطور ایک مؤثر حربے کے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ بھی عذاب کی ایک قسم میں داخل ہے۔ جس کی طرف اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ[1] میں اشارہ فرمایا ہے لیکن کیا کیا جائے کوئی تدبیر باہمی اختلاف اور اس عذاب کے پنجے سے نکلنے کی بن نہیں

[1] یہ آیت سورۂ انعام پارہ ۷ رکوع ۹ کی ہے پوری آیت ہے قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ یعنی اے ہمارے رسولؐ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ وہ اللہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر سے یا نیچے سے عذاب نازل کر دے یا تمہیں فرقہ فرقہ بنا دے اور بعض کو بعض کی سختی کا عذاب چکھا دے۔ اس آیت میں اوپر سے پتھروں کی بارش یا آندھیوں کے طوفان کا عذاب مراد ہے اور نیچے سے زلزلہ یا سیلاب وغیرہ کا۔ اس قسم کے عذاب پہلی قوموں پر آئے ہیں۔ امتِ مسلمہ حضورؐ کی دعا سے محفوظ ہے۔ البتہ اس امت میں پھوٹ اور فرقہ وارانہ تقسیم کا عذاب آنا واضح ہے۔

پڑتی۔ آپس کی منافرت بڑھتی جا رہی ہے جو درجۂ عناد تک پہنچ گئی ہے عظیم ترین قومی مفاد کو چھوٹے چھوٹے اور محدود نظریات یا شخصی و جماعتی اقتدار کی خواہش پر قربان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ قلوب کو بدل ڈالے اور ہر طرف سے ہٹا کر خالص اسلامی نقطۂ نظر پر سب کی توجہات کو مرکوز کر دے۔

ہماری تیرہ بختی دیکھئے کہ آج ہم کو ہندوستان میں یہ دن دیکھنا پڑا ہے جبکہ مسلمانوں کا قومی اور سیاسی استقلال ثابت کرنے کے لئے بھی دلائل کی ضرورت ہے اور استقلال کی مخالفت میں خود قوم کے بعض اعضا ہی سینہ سپر ہو رہے ہیں گویا ان کو اس کا احساس ہی نہیں ؎

کامیابی خارج از ملّت سے ناکامی بھلی　　لطفِ دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی
بے وفا سمجھیں تمہیں اہلِ حرم اس سے بچو　　دیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی

یہ چند جملے اس وقت بے ساختہ قلم سے نکل گئے ورنہ اس عریضے کا موضوع یہ نہ تھا بہرحال مَیں آں مکرم سے اُمیدوار ہوں کہ میری عدم شرکت کا عذر وہاں کے ذمہ داروں کو پہنچا دیں گے بندہ مسلم قوم کی کامیابی اور نصرت کے لئے دُعا کرتا اور یقین رکھتا ہے کہ علما کا وقار اور انکی خادی شان کا تحفظ صرف اسی صُورت میں ہے کہ وہ کسی دُوسری جماعت یا عوام کے تابع محض بن کر نہ رہیں اور سچی بات کہنے میں کسی قسم کے خوف و طمع سے متاثر نہ ہوں۔ والسلام

شبّیر احمد عثمانی از دیوبند

(۴۴) بنام ناظم صاحب جمعیۃ العلمائے اسلام کلکتہ

(تعارفِ خط، حسب ذیل مکتوب علاّمہ شبّیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ناظم جمعیۃ العلمائے اسلام کلکتہ کو ارسال فرمایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مسلم لیگ کی تائید میں جمعیۃ العلمائے اسلام کی بنیاد ڈالی گئی اور اس کے ماتحت کلکتہ میں ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو محمد علی پارک میں کل ہند جمعیۃ العلمائے اسلام کے اہم اجلاس ہوئے اور اسی اجلاس میں علاّمہ موصوف کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا پیغام کیا تھا ایک خطبۂ صدارت تھا جس میں لیگ

کی تائید اور نظریۂ پاکستان کی حمایت کی گئی تھی۔ یہ پیغام اور حسب ذیل خط علامہ نے مولانا ظہور احمد صاحب استاد دارالعلوم دیوبند کے بدست کلکتہ بھیجا تھا:

بیت الفضل دیوبند
ضلع سہارنپور (یو۔پی)

بخدمت محترم المقام جناب ناظم صاحب جمعیۃ العلمائے اسلام کلکتہ دامت مکارمہ۔

بعد سلام مسنون آنکہ۔ میں بوجہ معذوری خود حاضر نہ ہو سکا۔ ایک مختصر پیغام بھیجنے کا خیال ہوا مگر لکھنے بیٹھا تو بلا ارادہ بہت طویل ہو گیا۔ صاف کرانے میں دیر لگی۔ ڈاک سے روانہ نہ ہو سکتا تھا اس لئے مجبور ہو کر بدست مولانا ظہور احمد صاحب مرسل ہے۔ مولانا موصوف خود دیوبند کے فضلا میں سے ہیں۔ مناسب تو یہ تھا کہ دعوت نامہ ان کے نام مستقل آتا۔ مگر یہ نہ ہوا۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ اگر جاؤں تو اپنے ہمراہ لے جاؤں مگر اذا فات الشرط فات المشروط۔ اب دونوں حیثیتوں کا لحاظ کر کے ان کو روانہ کیا جاتا ہے۔

یہ مضمون اگر رسالے کی صورت میں وہاں سے شائع کرایا جائے تو زیادہ تعداد میں پوری تصحیح کے ساتھ بلا کمی بیشی شائع ہونا چاہیئے۔ اور اس کی کم از کم ایک سو کاپیاں یہاں میرے پاس بھیج دی جائیں۔ ممنون ہوں گا۔ والسلام (پیغام کلکتہ مطبوعہ صفحہ)

شبیر احمد عثمانی از دیوبند
۲۵ر اکتوبر ۱۹۴۵ء۔ ۱۸ر ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ

نوٹ:۔ جس پیغام کا ذکر علامہ نے اس مکتوب میں فرمایا ہے وہ کلکتے کی کانفرنس میں پڑھا گیا۔ پیغام کا غلغلہ تمام ہندوستان میں برپا ہوا۔ یہ پیغام اردو، بنگلہ اور گجراتی زبان میں ہزاروں کی تعداد سے بھی زیادہ شائع ہوا۔ (مرتب)

سائلین کے چودہ خطوط اور اُن کے جوابات

مکتوب ایم سعید الدین بہاری بنام علامہ عثمانی

محترم المقام حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش ہے کہ کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس کے اجلاس کلکتہ منعقدہ ۲۶-۲۷-۲۸- اکتوبر ۱۹۴۵ء میں ایک رُوح پرور پیغام یہ کہ کر سنایا گیا کہ یہ پیغام حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب کا ہے۔ اور وہی پیغام اخبار روزانہ عصر جدید میں بھی شائع ہوا جو عریضہ ہذا کے ساتھ نظر انور سے گذرے گا۔ اور ایک رزولیوشن کے ذریعہ جناب والا کو کانفرنس ہذا کا مستقل صدر بھی منتخب کیا گیا ہے جناب والا کا پیغام اور انتخاب صدارت کی پاس شدہ تجویز کو پڑھ کر مجکو تعجب ہوا کیونکہ مجھ کو آجتک یہی معلوم تھا کہ آنجناب بھی جمعیۃ علمائے ہند دہلی کے رکن و ممبر ہیں۔ اور جمعیۃ مذکورہ کا رکن و ممبر ہوتے ہوئے یہ پیغام جناب نے کیسے ارسال فرمایا اور مولود جمعیۃ علمائے اسلام کی صدارت کیونکر آپ کو تفویض کی گئی۔ بنابریں چند سوالات میرے دل میں پیدا ہوئے۔ جو درج ذیل ہیں۔ اُمید ہے کہ جواب باصواب عنایت فرما کر رہبری فرمائیں گے۔ یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ سوالات ذیل سے میرا منشاء صرف تحقیق حق ہے۔ خدانخواستہ کسی قسم کا اعتراض کرنا مقصد نہیں۔

سوالات

۱- جمعیۃ علماء ہند دہلی میں جناب والا شریک ہیں یا نہیں۔

۲- جناب نے کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس منعقدہ کلکتہ کے اجلاس میں پیغام بھیجا ہے یا نہیں اور اگر بھیجا ہے تو بجنسہ وہی پیغام ہے جو اخبار عصر جدید میں شائع ہوا ہے یا اس میں تحریف کی گئی ہے۔

۳- کل ہند جمعیۃ علماء اسلام کی صدارت منظور فرمالی ہے یا نہیں۔

۴ - عصر جدید میں شائع شدہ پیغام اگر جناب نے ارسال فرمایا ہے اور اس میں قائداعظم کے خیالی پاکستان کی حمایت فرمائی ہے تو وہ پاکستان کیا ہے۔ کیا جناب نے اس پر غور فرمالیا ہے

۵ - ایک طرف جمعیۃ علمائے ہند دہلی ہر صوبہ کی اندرونی خود مختاری کی زبردست حامی ہے اور مسلمانوں کی اکثریت والے صوبوں میں کسی قیمت پر بھی ان کی اکثریت کو فنا کرنا نہیں چاہتی۔ ہاں مرکز کو چند شرائط و قوانین کے ماتحت ایک رکھنا چاہتی ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ اگر کوئی صوبہ مرکز سے علیحدہ ہونا چاہے تو علیحدہ ہو سکتا ہے۔ دُوسری جانب مسٹر جناح صاحب کا پاکستان ہے۔ جو میری فہم ناقص کے مطابق ہندوستان کے چند ٹکڑے کرکے حاصل ہوگا۔ بلکہ خود پاکستان بھی دو حصے یعنی مغربی پاکستان۔ مشرقی پاکستان پر منقسم ہوگا۔ تو کیا جناب یہ بہتر خیال فرماتے ہیں کہ ہندوستان پاش پاش کر دیا جائے یا یہ بہتر ہے کہ وحدت بھی برقرار رہے اور اقلیت و اکثریت والی سب قوموں کو پھلنے پھولنے اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ باعزت زندگی گذارنے کا موقع ملے۔

۶ - کیا جناب والا کی نظروں سے مسٹر جناح کی وہ تقریر گذری ہے جو کوئٹہ کے جلسہ میں فرمائی۔ جس میں ارشاد ہوا ہے کہ پاکستان حاصل ہونے کے بعد بھی اس وقت تک انگریزوں کو ہندوستان سے جانے نہ دیا جائے گا۔ جب تک پاکستانی مسلمان مضبوط نہ ہو جائیں گویا موصوف کو کمزوری کا اعتراف ہے اور پاکستان کو بھی محفوظ نہیں سمجھتے اگر بالفرض پاکستان مل گیا اور مسلمان زیر سایہ انگریز کچھ عرصہ تک اپنی طاقت کی دُرستگی میں مصروف رہ کر دس بیس برس میں طاقتور ہو جائیں تو کیا اس عرصہ میں برادرانِ وطن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے یا وہ بھی مضبوط سے مضبوط تر ہو جائیں گے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نہ کبھی مسلمانوں کی طاقت ہندوؤں کے برابر ہوگی نہ کبھی انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے کی نوبت آئے گی۔ ہمیشہ ہندوستانیوں کے سروں پر مسلّط رہیں گے۔

۷ - ہندوؤں کی طرف سے تو صرف مسلمانانِ ہند کو خطرہ ہے اور انگریزوں کا غلبہ و تسلّط سارے یورپ و ایشیا پر ہے اور تمام عالم اسلامی ان کے جبر و تشدد کی چکی میں پس رہا ہے نہ عرب محفوظ ہے نہ عجم۔ نہ شام کو آرام میسر ہے نہ فلسطین کو آزادی۔ نہ مصر کو پناہ ہے نہ عراق کو

اور یہ سب کچھ ہندوستان کی بدولت ہو رہا ہے۔ اگر ہندوستان آزاد ہو جائے تو ان کی ساری طاقتوں کا جنازہ نکل جائے اور کم از کم پورا ایشیا ان کے پنجۂ ظلم سے نجات پا جائے۔ جب صورت حال یہ ہے تو اگر خدا نخواستہ ہندوستانی مسلمانوں کو کچھ اپنا نقصان کر کے بھی ہندوستان کو آزاد کرانا پڑے تو کیا ایسا نہ کیا جائے اور اپنے ساتھ ساتھ پورے ممالک اسلامی کو غلام رکھا جائے۔

۸۔ اگر بغیر پاکستان دئے ہوئے برٹش حکومت ہندوستان کو آزادی عطا کرنا چاہے تو مسلمانوں کو خیر مقدم کرنا چاہیئے یا ٹھکرا دینا چاہیئے۔ امید ہے کہ مندرجہ بالا سوالات کے جواب کامل غور و توجہ کے بعد ارسال فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں تاکہ رفع شکوک ہو جائے اور ایک مخلص مسلمان کو سیاست کا درس حاصل ہو۔

جواب کے لئے لفافہ کے اندر ٹکٹ بھی حاضر خدمت ہے۔ فقط والسلام مع الاکرام۔ مکرر عرض یہ ہے کہ اگر ہفتہ عشرہ کے اندر جناب نے تسلی بخش جواب سے سرفراز نہ فرمایا تو آیندہ یہ سمجھنے پر مجبور رہوں گا کہ جناب والا یہی مناسب خیال فرماتے ہیں کہ عوام آپ کی صحیح پالیسی کی نسبت تذبذب و گومگو کی حالت میں رہیں۔

(۴۵) مکتوب علامہ عثمانی بجواب سعید الدین صاحب بہاری

جوابات

برادر محترم بعد سلام مسنون آنکہ۔ آپ کا گرامی نامہ جو چند استفسارات پر مشتمل ہے ۶ نومبر ۱۹۴۵ء کو وصول ہوا۔ آپ کے سوالات کے جوابات مختصراً نمبروار معروض ہیں:۔

مولانا کی جمعیۃ دہلی سے علیحدگی (۱) میں کچھ مدت سے جمعیۃ العلماء دہلی سے علیحدہ ہو چکا ہوں اور سہارنپور سیشن کے بعد ادھر سے جو رکنیت کی دعوت دی گئی تھی۔ میں نے لکھ دیا تھا کہ اب میں اس کا رکن بننا پسند نہیں کرتا۔

(۲) جو پیغام "عصر جدید" کلکتہ میں میرے نام سے شائع ہوا ہے وہ حرف بحرف میرا بھیجا ہوا ہے کوئی تحریف اس میں نہیں ہوئی۔

(۳) صدارت کا رزولیوشن ابھی باقاعدہ میرے پاس نہیں پہنچا اس کے پہنچنے پر منظوری یا نامنظوری کے متعلق کوئی رائے قائم کروں[۱] گا۔

پاکستان کیا ہے

(۴) پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے جس کا سادہ مطلب یہ ہے کہ جن صوبوں میں مسلم قوم کی اکثریت ہے وہاں اس کی آزاد حکومت قائم ہو۔ آگے وہاں کے دستور و آئین کی تشکیل کس نوعیت کی ہوگی۔ یہ وہاں کے احوال و ظروف کی مناسبت سے اہل حل و عقد کی مشاورۃ کے بعد وقت پر بروئے کار آئے گی۔ اور وہاں کی اکثریت اس بارہ میں اپنی قدرت کی حد تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مکمل ترین قانون عدل و حکمت اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے استنارۃ و استفادہ کی پوری سعی کرے گی۔

جمعیۃ دہلی کے فارمولا میں ہندوؤں کی غلامی سے نجات نہیں

(۵) جمعیۃ العلماء کے فارمولا کے موافق مرکز سے جو امور مہمہ متعلق ہونگے ان میں مسلم قوم محض اکثریت کے رحم و کرم پر رہے گی۔ اور کوئی آزاد طاقت یہاں ایسی نہ ہوگی جو ان کو عام مسلم مطالبات کے ماننے پر مجبور کردے۔

پاکستانی تقسیم ملک کے لئے مضر نہیں بلکہ مفید ہے

اس کے برخلاف جب دو قومیں الگ الگ اپنے اپنے مستقر میں آزاد ہوں گی تو ہر ایک قوم کو دوسری قوم کے ساتھ اپنا معاملہ درست رکھنا پڑے گا۔ اور آزاد قوموں کے باہمی تحالف اور معاہدات کے ذریعہ وہ تمام کام باحسن اسلوب انجام پائیں گے جو ایک وفاقی مرکز کے ذریعہ انجام پاسکتے ہیں۔ اگر ملک کی تقسیم اس طرح ہو جائے تو کیا نقصان ہے۔ ملک کی تقسیم تو اب بھی کئی وجوہ سے قدرتی طور پر موجود ہے۔

مسلمان اور ہندو میں قومی وحدت ناممکن ہے ہاں بذریعہ معاہدہ عملی وحدت ہوسکتی ہے۔

نیز قوموں کی تقسیم اس سے زیادہ صاف اور واضح کسی دوسرے ملک میں کہاں مل سکتی ہے کہ ایک قوم پر دوسری قوم کا سایہ اگر پڑ جائے تو وہ شودروں اور کتوں سے زیادہ اسے نجس سمجھتی ہے اور لطف یہ ہے کہ مسٹر گاندھی نے اچھوت سدھار کی اتنی جان توڑ کوشش کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ اس چھوت چھات کو دور کرنے کا کبھی ہلکا سا اشارہ بھی اپنی قوم کو نہیں کیا۔ اب پاکستان اور جمعیۃ العلماء کے فارمولا میں فرق یہ ہے کہ جمعیۃ بزعم خود ایک خاص درجہ میں ملک کی قومی وحدت ایک مخلوط مرکز کے ذریعہ قائم رکھنا چاہتی ہے جس میں اقلیت میں ہونے کے اعتبار سے مسلم قوم کا عمومی

۱؎ الحمد للہ کہ اب منظور فرمالیا

نقصان ہے۔ اور پاکستان کے حامی جدو قوم کا صحیح نظریہ رکھتے ہیں۔ ملک کی ان ہی ضروریات میں مستحکم اور مساویانہ معاہدات کے ذریعہ عملی وحدت کو استوار کرنا چاہتے ہیں پھر غور کیجئے کہ جمعیتہ کے فارمولانے جب یہ اجازت دیدی کہ جو صوبہ مرکز سے علیحدہ ہونا نامناسب سمجھے علیحدگی کرسکتا ہے، تو ملک کی تقسیم کا جواز تو انہوں نے بھی تسلیم کرلیا۔ اب اگر دوسرے لوگ ابتداء سے ایسا کرنا چاہیں تو ایک جائز چیز کو اختیار کرلینا کیوں جرم ہوگیا۔

جمعیتہ کا فارمولا کم از کم کانگریس ہی سے منوادیں

آخر میں یہ بھی گذارش ہے کہ کم از کم جمعیتہ کے اس فارمولا کے تسلیم کرنے کا اعلان اگر جمعیتہ والے آج کانگریس سے کرادیں تو شاید بہت سے مسلمان ایک درجہ میں مطمئن ہوجائیں اور عجب نہیں کہ بہت آدمی لیگ کو چھوڑ کر جمعیتہ العلماء کے دائرے میں آجائیں۔ مشکل تو یہ ہے کہ یہ فارمولا تو بڑی چیز ہے، آجتک واردھا اسکیم وغیرہ کی تنسیخ بھی وہ کانگریس سے نہ منوا سکے جس کی مذمت بالاجماع تمام مسلمان جماعتوں نے کی تھی۔

یہ خیال غلط ہے کہ مسٹر جناح انگریزی تسلط سے ملک کی آزادی نہیں چاہتے

(۶) مسٹر جناح کی یہ تقریر میں نے نہیں پڑھی ممکن ہے نقل کرنے والوں نے کوئی تحریف کی ہو اس کی تحقیق خود مسٹر جناح سے ہوسکتی ہے۔ ان کی سیکڑوں تقریریں اس کے خلاف علانیہ ہوچکی ہیں۔ وہ مسلمانوں کے اطمینان کے لئے کافی ہیں۔

انگریز جانا بھی چاہیں تو ہندو عدن تک جاکر واپس لانے کی کوشش کریں گے

یہ مطمح نظر تو ہندوؤں کا ہے جب کہ پنجاب کے وزیر مسٹر چھوٹو رام نے کہا تھا کہ بحالت موجودہ اگر انگریز اپنی خوشی سے نکلنا بھی چاہے تو ہندو کم از عدن تک جاکر اس کو واپس لانے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ ہندوستان کو خالی دیکھ کر اگر آزاد قبائل اور کوئی آزاد اسلامی سلطنت یہاں کے مسلمانوں کی مدد سے حملہ کربیٹھے تو ہندو بحالت موجودہ اس قابل نہیں کہ اس کی مؤثر مدافعت کرسکیں۔ اسی لئے ان کا منصوبہ یہ ہے کہ ایک مدت تک انگریز کے تسلط اور نگرانی میں بتدریج آئینی طور سے اکثریت کی بناء پر حکومت کے شعبوں کو اپنے قبضہ میں لیتے چلے جائیں تا آنکہ وہ ایسی طاقت اندرونی طور پر مہیا کرلیں گے کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد کوئی خطرہ انہیں دوسری طرف سے باقی نہ رہے جو مسلمان ان کے آلۂ کار بن رہے ہیں۔ اپنی سادہ دلی سے ان کی چالوں پر دھیان نہیں دیتے

اور آزادیٔ کامل کے زبانی دعووں پر مفتون ہو جاتے ہیں اور شملہ کانفرنس کے صریح مشاہدات کی بھی تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔ کیا عجیب بات اور افسوس کا مقام ہے کہ ان کی ساری بدگمانیاں اپنے بھائی مسلمانوں کے حصّہ میں آگئیں اور مشرکین کو کمال حسن ظن کی بنا پر بطانہ ہمراز بنا لیا گیا۔

ہندو قوم ہی ملک کی آزادی میں روڑے اٹکا رہی ہے

(۷) مسلم لیگ اور جناح یہ چاہتے ہیں کہ خارجی اور داخلی دونوں قسم کے خطرات اور نقصانات کا سدِّباب ہو جائے۔ آج اگر سب مسلمان بشمول نیشنلسٹ متحد ہو کر کانگریس سے پاکستان کا منصفانہ مطالبہ تسلیم کرا لیں تو مسٹر جناح وغیرہ کے اعلان کے مطابق کل کی صبح کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے دونوں قومیں مل کر جنگ آزادی لڑیں گی اور اس میں مسلمان پیش پیش ہوں گے۔ اب ایسے صاف اعلان کو ٹھکرا کر اور پاکستان کے صحیح مطالبہ کو مسترد کر کے ہندو قوم ہی ملک کی آزادی میں روڑے اٹکا رہی ہے۔ اور جو کچھ تاخیر اس معاملہ میں ہو رہی ہے اس کی ذمّہ داری اُسی پر ہے بلکہ یہ چیز اس کی دلیل ہے کہ ان کی نیت میں کھوٹ ہے ان کا اولین نصب العین یہ ہے کہ پوری آزادی ملے یا نہ ملے۔ مگر مسلمانوں کے گلے سے اکثریت کی حکومت کا طوق کبھی نکلنے نہ پائے۔ گویا مسلمان یہاں انگریز اور ہندو کی ڈبل غلامی میں پستے رہیں۔

پاکستان دوسرے ممالک اسلامیہ کے لئے مفید ہوگا۔

اور ہندوستان سے باہر اسلامی ملکوں پر استعمار پرست انگریزوں کی دست درازیاں بھی بدستور قائم رہیں۔ خود اسلامی ممالک اس کو محسوس کرتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کو پاکستان حاصل ہونا ان ممالک کی آزادی میں بھی ممد و معاون ہے اسی لئے عرب لیگ نے مسٹر جناح کو اس کی تائید میں تار دیا۔ آخر ہندو منصفانہ تقسیم اور اس کے بعد آزادانہ معاہدات کے قبول کرنے سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ یاد رکھئے اگر آزاد پاکستان سے معاہدہ کرنا نہیں چاہتے تو پاکستان سے متصل دُوسرے ملک ہیں جن سے پاکستان بسہولت معاہدات کر سکتا ہے جو اس کے حق میں زیادہ نافع ہو سکتے ہیں۔ بنیادی حقیقت تو یہ ہے کہ اگر پاکستان آزاد اور طاقتور ہوگا پھر نہ اُسے ہندوستان سے کوئی خوف ہو سکتا ہے اور نہ اپنے اجزاء بعیدہ کی حفاظت دُشوار ہے ان سب صُورتوں اور طاقت حاصل ہونے کے ذرائع پر پاکستان کے حامیوں نے اچھی طرح غور کر لیا ہے

۸۔ اس کا فیصلہ آزادی کی نوعیت معلوم ہونے اور اس وقت کے حالات کا جائزہ لینے پر

موقوف ہے۔ ابھی سے کچھ کہنا قبل از وقت اور نا تمام ہوگا۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی۔ از دیوبند

۲ر ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ م ۸ر نومبر ۱۹۴۵ء

مکتوب مولانا بہار الحق صاحب قاسمی امرتسری بنام علامہ عثمانی رح

حضرت مخدومنا المکرم مدظلکم العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج گرامی!

آج روزنامہ "نوائے وقت" لاہور میں آپ کا ایک اعلان نظر سے گذرا جس میں آپ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ اس اعلان میں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"مسلم لیگ مسلمانوں کے لئے سفینۂ نجات ہے"

یقین نہیں آتا کہ یہ اعلان آپ ہی کی طرف سے ہو اگر فی الواقع یہ آپ ہی کا اعلان ہے تو میں اس کے متعلق چند گذارشات پیش خدمت کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ براہ کرم اولین فرصت میں جواب باصواب سے مجھے سرفراز فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلم لیگ کے ممبر کمیونسٹ بھی ہیں اور کمیونزم کی بنیاد ہی دہریت اور عداوتِ مذہب پر قائم ہے۔ مرزائی بھی لیگ کے ممبر ہیں اور ان کی دونوں پارٹیاں (قادیانی اور لاہوری) الیکشن میں لیگ کو کامیاب بنانے کے لئے سرتوڑ کوشش اور انتہائی جدوجہد کر رہی ہیں۔ بلکہ مرزا محمود قادیانی نے اعلان کر دیا ہے کہ "مسلم لیگ کی کامیابی "احمدیت" کی کامیابی ہے"۔ ان کے علاوہ آج لیگ کی سیاست پر وہ شیعہ لیڈر چھائے ہوئے ہیں جنھوں نے تبرا ایجی ٹیشن میں تبرائیوں کو ہر طرح امداد دی۔ جس جماعت کی تشکیل اس قسم کے بددینوں اور زندیقوں سے عمل میں لائی گئی ہو اور جو جماعت کمیونسٹوں اور مرزائیوں کو "مسلمان" ہونے کا سارٹیفکیٹ دیتی ہو۔ اس جماعت کو "سفینۂ نجات" قرار دینا آپ کی ذاتِ گرامی سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ ازراہ لطف و کرم مطلع فرمایئے کہ کیا مذکورہ بالا اعلان آپ ہی کا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو براہِ کرم اس کی توجیہہ بیان فرمایئے۔ اور اگر یہ اعلان آپ کا نہیں ہے تو اخبارات کے ذریعہ اس کی تردید فرمایئے تاکہ اہل علم

اور دیندار حلقوں میں اس اعلان سے جو اضطراب پیدا ہو گیا ہے دُور ہو جائے۔ والسلام مع الاکرام۔
منتظرِ جواب:۔ محمد بہاء الحق قاسمی۔ گلوالی دروازہ امرتسر

(۴۶) مکتوب علامہ عثمانی بجواب بہاء الحق صاحب قاسمی

کرم فرمائے محترم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ صادر ہوا۔ ممنون فرمایا۔ نوائے وقت تو میں نے دیکھا نہیں مگر اس قسم کا ایک اعلان کسی کے استفسار پر نکلا ہے جس کے اصل الفاظ اصل مقصد کے بیان کے بعد یہ ہیں "اس مقصد کے پیش نظر میں مسلم لیگ کو اس وقت مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کے لئے سفینۂ نجات تصور کرتا ہوں"۔

مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کی دعوے دار اُس وقت صرف مسلم لیگ ہے اس مقصد کے لئے اس کو سفینۂ نجات کہنا صحیح ہے

میں جناب سے دریافت کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں اس وقت کوئی جماعت بجز مسلم لیگ کے یہ دعویٰ لے کر کھڑی ہوئی ہے کہ الیکشن میں یہاں کے مسلمان ایک جداگانہ اور مستقل قوم ہیں۔ اور ان کو یہاں کی دُوسری قوموں سے ایسی پوزیشن میں رہ کر معاملہ طے کرنا ہے۔ کیا اس خاص حیثیت سے مسلم لیگ سفینۂ نجات نہیں۔

مسلم لیگ میں بعض بے دینوں کا جمہور مسلمین کے ساتھ شریک ہو جانا اگرچہ غلطی ہے مگر اس کی شرکت و حمایت سے مانع نہیں اور نہ حمایت کرنے والے علماء پر اس کا الزام

اب رہا مسلم لیگ کی تشکیل کا قصہ۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ اس تشکیل میں ہم حصہ دار[۱] نہ تھے کسی نہ کسی طرح تکوینی طور پر یہ تشکیل ہو گئی جس میں بے خبری یا لاپروائی سے بہت سے اہل باطل یا بے دین حتیٰ کہ بعض مرتدین[۲] کو اس بناء پر شامل کر لیا گیا کہ وہ اپنے مسلم ہونے

۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے اختیار سے کسی جماعت کی تشکیل خلاف شرع کرنا اور قائم شدہ جماعت میں شرکت جس میں کچھ امور خلاف شرع بھی ہوں مگر مقصد صحیح ہو۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے فقہاء نے اس فرق کا بہت سے احکام شرعیہ میں اعتبار کیا ہے اپنے اپنے اختیار سے امام و امیر فاقد شروط کا نصب کرنا جائز نہیں لیکن کسی طرح بدون ہمارے اختیار کے کوئی ایسا شخص امیر و سلطان بن گیا تو اس کی اطاعت واجب ہے۔ امامت نماز میں بھی افضل القوم کا انتخاب مامور بہ ہے لیکن غیر افضل امام بن جائے تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ وغیر ذلک ۱۲ بندہ محمد شفیع عفی عنہ۔ ۲؎ ہمارے اکابر نے قادیانیوں اور دوسرے مرتدین کی شرکت جمیعت علماء یا کسی دُوسری خالص مذہبی تبلیغی جماعت میں گوارا نہیں فرمائی جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ علماء یا مبلغین کی جماعت میں ان کو شریک کرنا ایک گونہ اسلام کا اقرار و اعلان ہے مسلم لیگ ایک خالص سیاسی جماعت ہے۔ (بقیہ نوٹ بر صفحہ ۱۴۴)

کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ لیگ کو کوئی مذہبی فتویٰ دینا نہیں کہ کون لوگ فی الواقع مسلمان ہیں کون نہیں ان کے دستور میں صرف یہ ہی ہے کہ جو اپنے کو مسلم کہے وہ اس کا ممبر ہو سکتا ہے۔

میں ان کے اس عمل کی تصویب نہیں کر رہا ہوں مقصد صرف یہ ہے کہ غلط بحث سے قطع نظر کر کے ایسے لوگوں کو بھی لیگ میں شریک کر لیا گیا اور لاکھوں مسلمانوں کی شرکت سے اب وہ بدون ہماری ادنیٰ شرکت یا سعی کے ایک مضبوط جماعت بن گئی۔ اندریں صورت ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو اس میں شامل کرنا سخت غلطی اور ایک ناجائز چیز کا ارتکاب کرنا ہے لیکن اصلی بحث یہ ہے کہ ایسی جماعت جس کے نظام میں غالب اکثریت اہل السنہ والجماعۃ مسلمانوں کی بہت مغلوب تعداد شیعوں کی اور نا قابل التفات کمیونسٹ یا قادیانیوں کی ہے اور دس کروڑ مسلمانوں کے لئے اس کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ اُدھر آئینی طور پر اس کے تمام کام کثرت رائے کے اُصول پر انجام پاتے ہیں۔ اور اگر کسی شخص کو اختیارات بھی سپرد کئے جاتے ہیں وہ بھی کثرت یا اتفاق رائے سے ایسی جماعت کے ساتھ مل کر کفار محاربین کے خواہ انگریز ہو یا ہندو یا اور قوم مسلمانوں کے قومی استقلال و آزادی اور نفس کلمۂ اسلام کے اعزاز و اعلاء کی غرض سے کسی نوع کی جنگ کرنا شرعاً کہاں تک درست ہے۔

مسئلہ مذکورہ پر حضرت امام محمد بن حسنؒ کی تصریحات | اللہ تعالیٰ کی ہزاراں ہزار رحمت امام محمد بن الحسن شیبانی پر کہ انہوں نے یہ مشکل میں ڈالنے والا مسئلہ پہلے سے صاف کر دیا۔ اور تصریح کر دی کہ اہل حق مسلمان خوارج کے ساتھ ہو کر مشرکین سے لڑیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ جنگ دفع فتنۂ کفر اور اظہار اسلام کے لئے ہوگی۔ اور اس میں اعلاء کلمۃ اللہ اور اثبات اصل طریق ہے (دیکھو شرح السیر الکبیر للسرخسی صفحہ ۲۴۱ ج ۳) اس سے شیعہ اور دوسرے فرق باطلہ کا قصہ تو صاف ہو گیا کیونکہ کسی فرقہ کے متعلق اتنی واضح اور اس قدر کثرت سے نصوص صریحہ صحیحہ موجود نہیں جس قدر خوارج کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں جنکے متعلق یہ ارشاد ہوا ہے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۳) اسکی شرکت میں یہ مانع موجود نہیں۔ مولانا کا اشارہ اسی فرق کی طرف ہے اور بایں ہمہ اسکے یہ معنی نہیں کہ اس شرکت کو جائز قرار دیا جا رہا ہے۔ بلکہ گفتگو اس میں ہے کہ اس طرح ان لوگوں کی شرکت دوسرے مسلمانوں کو شرکت سے مانع نہیں۔ ۱۲ بندہ محمد شفیع عفی عنہ۔

لہ اور شمس الائمہ سرخسی نے اپنی مبسوط میں بعض اوقات بمقابلہ کفار انکی حمایت کو ضروری بھی قرار دیا ہے۔ دیکھو مبسوط جلد ۱۰-۱ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے بمقابلہ ہنود تعزیہ داری کرنے والے شیعوں کی امداد و حمایت کا فتویٰ دیا ہے جس کو سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اپنے رسالہ الروضۃ الناضرہ فی المسائل الحاضرہ میں بیان فرمایا ہے۔ یہ رسالہ مجموعہ افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ میں شائع ہو چکا ہے ۱۲ بندہ محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے ان کو پایا تو عاد و ثمود کی طرح ان کو تباہ کر دوں گا۔

قادیانیوں کی حمایت لیگ اور اس کی حقیقت

اب رہ گیا کلمہ گو مرتدین کا معاملہ ان کی تعداد لیگ میں لائیعبأ بہ ہے جن کے غلبہ کی کوئی صورت نہیں اور خدانخواستہ آیندہ ایسا ہو تو اس وقت جو حکم ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا۔ اب الیکشن کے موقع پر اگر مرزا محمود وغیرہ نے بدون لیگ میں شرکت کے لیگ کی تائید کا اعلان کر دیا یہ ان کا فعل ہے جو ہمارے لئے مضر نہیں اور لیگ کی کامیابی کو احمدیت کی کامیابی بتلانا اس کا سودائے خام ہے۔

ایک چیز اور بھی ملحوظ خاطر رہے کہ یہ مرتدینؒ و ملحدین اس طرح کے نہیں جو نفس کلمۂ اسلام ہی سے اعلانیہ بیزار ہوں۔ وہ بھی بزعم خود مشرکین سے اسی نام پر لڑتے ہیں کہ مشرکین کے غلبہ و تسلط سے مسلم قوم کو بچایا جائے اور کلمۂ اسلام کو ان کے مقابلہ میں پست نہ ہونے دیا جائے اور مسلمانوں کے قومی و ملی استقلال کی حفاظت ہو۔ گو حقیقۃً و باطناً وہ کلمۂ اسلام سے بالکل دور جا پڑے ہوں جیسا کہ بہت سے علماء نے خوارج کے متعلق بھی ظواہر احادیث کی شہادت کی بناء پر یہ حکم لگایا ہے اس کے اعتبار سے جو علت خوارج اور مشرکین کے مسئلہ میں اوپر بیان ہوئی وہ یہاں بھی موجود ہے جو قدرے توسیع مسئلہ مبحوث عنہا میں پیدا کر دیتی ہے۔

قادیانی اور کمیونسٹ اس وقت بھی لیگ میں شریک تھے جب جمعیۃ دہلی نے اسمیں شرکت اور وقت کے ساتھ حمایت کی تھی

شاید ۱۹۳۶ء میں ہمارے بعض اکابر علماء جمعیۃ نے شد و مد کے ساتھ مسلم لیگ میں شرکت کرتے وقت اس نکتہ پر نظر کی ہو۔ ورنہ سر ظفر اللہ قادیانی کی رکنیت کے باوجود اس میں ایک لمحہ کے لئے بھی کیسے شرکت گوارا کرتے۔

مشکلات موجودہ کا صحیح حل

ان تمام چیزوں کے علاوہ مسلم لیگ کی ایسی غلطیوں کا علاج بھی یہی تھا کہ ذی اثر علماء کی جماعت جمہور کی طاقت کو ساتھ لے کر اور کثیر تعداد میں اہل حق کو لیگ کا ممبر بنا کر اس کے دستور اساسی کے موافق اکثریت کے زور سے ایسے لوگوں کو نکالنے کی کوشش کرتی نہ یہ کہ فوراً نفس لیگ ہی سے

له مرتدین کی اس قسم کو فقہا کی اصطلاح میں زنادقہ یا ملاحدہ یا باطنیہ وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کا ارتداد گو بعض حیثیات سے اشد ہو۔ لیکن اگر یہ لوگ کفار مجاہرین سے بزعم خود اعلاء کلمۂ اسلام کے لئے قتال کریں تو ان کے مقابلہ میں کفار مجاہرین کی اعانت گوارا نہیں کی جا سکتی ۱۲ بندہ محمد شفیع عفی عنہ۔ عہ قابل پروا نہیں۔

خفا ہو کر کفار (مہاجرین کی اکثریت میں (جنگی دشمنی اور ظلم بالکل عیاں ہو چکے ہیں) اپنے وجود کو تحلیل کر دیتے۔ اور جو کوشش ایسے حضرات کانگریس میں رہ کر کرنا چاہتے ہیں وہ لیگ میں رہ کر بریعے کار لاتے

رہا مسلمانوں کی قومی وحدت اور استقلال کا مسئلہ اس پر میرے متعدد مضامین حال میں شائع ہو چکے ہیں۔ انہیں ملاحظہ فرمالیں۔

جناب چونکہ ماشاء اللہ اہل علم ہیں اس لئے ذرا تفصیل سے جواب عرض کرنے کی ہمت ہوئی۔ یقین ہے کہ میرا مطلب اخذ کرتے وقت کسی ایک دو جملے کو پورے مضمون سے علیحدہ نہیں کریں گے۔

آخیر میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ جناب نے اس وقت دوسری طرف مشرقی پر بھی نظر کی کہ اس کے ساتھ آج ہمارے علماء و زعماء کا کیا معاملہ ہے کیا اس کا فتنہ آپ کے نزدیک قادیان کے فتنہ سے کم ہے۔

لیگ پر اگر بعض بے دینوں کی کثرت کا الزام ہے تو کیا کانگریس اس سے بری ہے	نیز کانگریس میں ہر قسم کے لوگ بے شمار۔ ہندو، عیسائی، سکھ، مرتد دہریے، اور اگر چاہیں تو قادیانی اور مشرقی بھی شریک ہو سکتے ہیں

یعنی کسی کے لئے ممانعت نہیں۔ کیا محض سیاست کے حیلہ سے ایسی جماعت کی شرکت جناب کے خیال میں درست ہے کیا جناب ادھر بھی کچھ توجہ فرمائیں گے۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی۔ از دیوبند

۱۹ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ۔ ۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء

مکتوب از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان بریلی بنام علامہ عثمانی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دفتر الفرقان بریلی ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

حضرت مخدومنا۔ دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خدا کرے مزاج گرامی بخیر و عافیت ہو یہ عریضہ

(۴۷) مکتوب مولانا عثمانی بجواب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی

مکرم بندہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

(خط کے جواب طلب جملوں پر نمبر ڈال کر جواب لکھا گیا ہے)

(۱)

یہ مایوسی امکانی جدوجہد اور استفراغ کے بعد ہوئی یا محض حالات کو دیکھ کر مایوس ہو بیٹھے غالباً

ایک نہایت گہرے تأثر سے لکھ رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ غور سے ملاحظہ فرما کر جواب سے سرفراز فرمایا جائے گا۔

(۱) حضرت کو غالباً علم ہو گا کہ ۱۹۳۶ء میں جنرل انتخابات کے بعد جب کانگریس نے وزارتیں قبول کرلیں اور اس کے بعد جو خاص نہج پر ایک سیاسی آویزش شروع ہوئی اور ہمارے بزرگان جمعیۃ نے جو راہِ عمل اپنے صوابدید سے اختیار کی تو یہ عاجز اس سے متفق نہ رہ سکا اور جب اس پالیسی میں ترمیم و تبدیلی سے مایوسی[1] ہو گئی تو جمعیۃ کے نظام سے بھی الگ ہو گیا اور عمومی رکنیت سے بھی معذرت کر دی اور اب تک بھی الگ ہی ہوں۔

(۲) مسلم لیگ[2] کی سیاست بھی کسی دن دل کو نہیں لگی اور اس لئے اس میں بھی کسی طرح کا کوئی عملی حصہ نہیں لے رہا ہوں۔

(۳) لیکن اس انتخابی ہنگامے میں مسلمانوں کے دین و اخلاق کا جو خون ہو رہا ہے اور دیانت و آدمیت جس بری طرح پامال اور ذبح کی جا رہی ہے اور شیطنت و درندگی کے تمام اوصاف جس وسیع پیمانہ پر اُمت میں اس وقت فروغ پا رہے ہیں، اخباروں میں اس کا حال پڑھ پڑھ کر اور مقامی حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر مجھ جیسے ایک عامی اور سیاہ کار کے دل پر بھی جو کچھ گذر رہی ہے۔ لفظوں میں اس کی تعبیر سے

۱۹۳۹ء میں اجلاس جمعیۃ العلماء ہند دہلی کے موقعہ پر یاد ہو گا کہ آپ نے قبل از اجلاس کچھ گفتگو مجھ سے کی تھی مجھے بہت کچھ اُمید ہو گئی کہ آپ جیسے لوگ وہاں میری ہمنوائی کریں گے۔

میں ورکنگ کمیٹی میں دو روز تک ان حضرات سے بحث کرتا رہا خیر اس میں تو آپ شامل نہ تھے پھر سبجکٹ کمیٹی میں مسئلہ آیا آپ بھی اس میں شریک تھے۔ میں نے اپنے خیالات کا برملا اظہار کیا مجھے یقین تھا کہ آپ اس کی تائید میں آواز اٹھائیں گے مگر میں نے دیکھا کہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی تقریر پر کوئی شخص نہ بولا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا اس کا بھی کوئی احساس آپ حضرات کو نہ ہوا۔

مسلم لیگ کی حمایت اگر جرم ہے تو اس کی پہلی مرتکب جمعیۃ علماء ہند ہے

آپ آج لیگیوں کے جس طغیان و عدوان کا ماتم کر رہے ہیں۔ اس کی بنیاد فی الحقیقت ہمارے علماء نے اپنے ہاتھوں سے اس وقت ڈالی جب انہوں نے ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کی انتہائی حمایت شروع کی اس کے بورڈ میں شامل ہو کر تمام مسلمانوں کو اس کی امداد کی طرف گرمجوشی سے متوجہ کیا۔ پھر ۱۹۳۷ء میں جب لیگ طاقتور ہو گئی تو خدا جانے کن جھگڑوں میں پڑ کر اس سے علیحدہ ہو گئے اور ہندو قوم کی پیروی میں اس کے خلاف

عاجز ہوں۔ مَیں اپنے تأثر و احساس پر قیاس کر کے قسم کھا سکتا ہوں۔ کہ اگر جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہماری اس دنیا میں تشریف لے آئیں اور ہمارے اس الیکشنی ہنگامے اور اس کے سلسلے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سب کو دیکھیں تو یقیناً آپ کو اتنا عظیم صدمہ ہوگا کہ اس سے پہلے شاید کوئی سانحہ اتنا تکلیف دہ نہ ہوا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ لاکھوں مسلمانوں کا کافروں کی تلواروں سے شہید ہو جانا اور بڑے بڑے ملکوں کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے ہاتھ میں چلا جانا بھی مزاجِ نبوی کے لئے اتنا تکلیف دہ نہیں جتنا کہ مسلمان قوم کا دین اور اخلاق و آدمیت کو خیرباد کہہ کر شیطان و درندہ بن جانا اور صرف سیاسی اختلافِ رائے کی وجہ سے خصوصاً صلحاء و علماء کی آبروؤں اور جانوں کے درپے ہو جانا۔

(۴) اخباری اطلاعات اور دیگر نجی ذرائع سے جو کچھ علم میں آتا ہے اور یہاں بریلی میں جو کچھ خود دیکھ رہا ہوں اس کی بنیاد پر یہ بھی یقین پیدا ہو گیا ہے کہ شیطنت و درندگی کا یہ فروغ اس وقت تک یک طرفہ سا ہے یعنی اس بارہ میں جو ترقیاں ہو رہی ہیں۔ وہ عموماً لیگ والوں میں ہی ہو رہی ہیں ممکن ہے کہ بعض مقامات پر ایسا نہ ہو

مستقل محاذ جنگ قائم کر دیا گیا۔

اصلاح حالات کی بہترین اور واحد صورت

حالانکہ اصلاح حالات کی اگر نسبتہً کوئی سہل صورت تھی تو یہی کہ عام مسلمانوں کو کثیر تعداد میں لیگ کا ممبر بنا کر آئینی اکثریت پیدا کرنے کی سعی کی جاتی اور افہام و تفہیم یا معقولیت کے ساتھ نصیحت و فہمائش اگر مؤثر نہ ہوتی تو جمہور کی اخلاقی طاقت سے کام لیتے۔ جب انہیں سے کوئی چیز نہ ہوئی اور لیگ کا اثر بڑھتا گیا اور اس کے قائد کی پوزیشن نے کم از کم سلطان متغلب کی نوعیت اختیار کر لی تو ہم وہاں سے کٹ کر ہندو اکثریت میں مدغم ہو گئے۔

۲ ———

مگر کم از کم آپ کو یکسوئی سے پہلے مسلم لیگ کی سیاست پر کسی ماہر سے تبادل خیالات کرنا مناسب تھا اس کے بعد جو سمجھ میں آتا کرتے کیونکہ فی الوقت ملک و قوم کی سیاست ایک فیصلہ کن مرحلہ پر ہے

۳ ———

کیا چند شریر اور فتنہ انگیز اشخاص کا نام مسلم قوم ہے

۴ ———

لیگ کے بعض غیر ذمہ دار افراد کی بعض ناشائستہ حرکات کا شکوہ اور اس کا جواب۔ جمعیۃ علماء ہند کے حامیوں کی حرکات سے موازنہ۔

مبالغہ کی حد ہو گئی۔ میرے بھائی محض سیاسی اختلافات

یا کہیں اس کے برعکس بھی ہو۔ لیکن جہانتک میرا علم و مشاہدہ ہے وہ یہی ہے کہ لیگی کیمپ ہی اس وقت دین و اخلاق کا ناریخ بنے ہوئے ہیں اور ظلم و عدوان اور غنڈہ پن کو انہوں نے اپنا ہتھیار بنالیا ہے کہ جہاں وہ موقع مناسب دیکھتے ہیں اس ہتھیار کو ضرور استعمال کرتے ہیں۔

(۵) ۱۹ نومبر ۱۹۴۵ء کو یہاں بریلی میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی تشریف لائے تھے۔ میں چونکہ اس الیکشن سے بالکل یکسو اور غیر متعلق ہوں اس لئے مجھے مولانا کی تقریر تو سننی نہ تھی البتہ حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے اور اس واسطے کہ اخبارات وغیرہ سے مسلمان قوم کے فساد مزاج کا جو عمومی اندازہ مجھے ہو رہا ہے مشاہدہ سے اس کی تصحیح کر سکوں۔ میں بھی چلا گیا اور خاص جلسہ گاہ میں بیٹھنے کے بجائے الگ ایک ایسے مقام پر کھڑا ہو گیا کہ سب کچھ وہاں سے دیکھ سکوں پھر بد نصیبی نے جو کچھ دکھایا زبان یا قلم سے کسی طرح بھی اس کو ادا نہیں کیا جا سکتا گالیوں اور بدتمیزیوں کا ایک عجیب و غریب طوفان تھا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب کے سب نہ صرف دین و اخلاق ہی کو خیر باد کہ کر آئے ہیں۔ بلکہ ادنیٰ درجہ کی انسانیت کا جامہ بھی اُتار کے بھوت اور درندے ہو گئے ہیں غدار

کی بنا پر تو کبھی کبھی خون کی ندیاں بہ گئی ہیں اور غیر ضروری فروعی مسائل کی بحثوں میں بڑے بڑے ائمہ کو خود مسلمانوں کے ہاتھوں سے وہ ذلت انگیز اور اہانت آمیز ایذائیں پہنچی ہیں جنکو پڑھ کر صدیوں کے بعد رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ میں شیطنت بہیمیت اور درندگی کا جواز ثابت نہیں کر رہا ہوں۔ اس قسم کے واقعات سُن کر میرا دل بھی آپ سے کم متاثر نہیں صرف خبر اور معائنہ کا فرق ہے لیکن تأثرات کے بیان میں اس قدر مبالغہ آپ جیسے ذی علم اور باخبر شخص سے بہت ہی حیرت انگیز ہے آپکے بیان سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ گویا تاریخ اسلامی میں کبھی کوئی سانحہ اس کی برابر پیش ہی نہیں آیا۔ بے شک جو واقعہ آپ کی آنکھوں کے سامنے گذرا نہایت رنجدہ۔ ایذا رساں اور افسوس ناک تھا۔ مگر میں گمان کرتا ہوں کہ بعض اسی نوعیت کے دُوسرے واقعات کو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو شاید اس سے کم اثر پذیر نہ ہوتے۔ وہ قضیہ کسی کالج اور اسکول کے طلبہ کا نہیں۔ بلکہ ایک مشہور دار العلوم کے طلبہ کا ہے جس کے آپ رکن بھی ہیں۔ اس دار العلوم کا ہے جو دین علم اور اخلاق و رُوحانیت کا مرکز ہے۔ جہاں بخاری کی کتاب الادب پڑھائی جاتی ہے۔

کہ کہ کر کسی کے خلاف نعرے لگانا تو آجکل کا عام فیشن ہے اس کا تو ذکر ہی کیا لیکن اس کے علاوہ جو سخت متعفن اور گندی غلیظ گالیاں ان لوگوں نے بکیں اور خالص حیوانیت و شیطانیت کے جو شرمناک اور انسانیت سوز مظاہرے کئے اور جوتے۔ ڈنڈے اور ہاکیاں دکھا دکھا کے جس اخلاق باختگی کا نمونہ دکھایا اور پھر آخر میں جس بے دردی کے ساتھ سارے جلسہ پر پتھراؤ کیا جس سے قریباً پچاس ساٹھ یا اس سے بھی زیادہ آدمی زخمی ہوئے اور جن میں سے بعض رات بھر بیہوش رہے۔ جلسہ گاہ کے گرداگرد کئی جگہ سڑک کوٹنے کے لئے پتھروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے صرف میرے قریب والے ایک ڈھیر سے پتھر اٹھا اٹھا کر جو لوگ بلا توقف اور مسلسل پتھر برسا رہے تھے ان کی تعداد میرے اندازے میں سَو کے قریب ہوگی مجھے تو حیرت ہے کہ جلسہ کا کوئی آدمی بھی کیونکر صحیح و سالم رہا۔ بہرحال شیطنت اور درندگی کا یہ منظر جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا یہ واقعہ ہے کہ وہ کبھی بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ پھر یہ حرکتیں کرنے والے محض جاہل عوام ہی نہ تھے بلکہ اس کی قیادت کالجوں اور اسکولوں کے وہ تعلیم یافتہ اور وہ زیر تعلیم طلبہ کر رہے تھے جو اس وقت مسلم لیگ کی روح حیات اور اس کے

بریلی میں جن شریروں نے یہ حرکات کیں وہ مولانا کے مرید یا شاگرد نہ تھے اور اپنے زعم میں یہ سمجھ بیٹھے کہ مسلم قوم کو ہندوؤں کا دائمی غلام بنایا جا رہا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ مولانا الیکشن کے سلسلے میں دورے کر رہے ہیں۔ وہ ہی مضامین یہاں بیان کریں گے۔

لیکن دارالعلوم کے طلبہ نے اس شخص کے حق میں وہ حرکات کیں جو ادارے کا صدر اور ان کے اکثر استادوں کا بلا واسطہ یا بالواسطہ استاد تھا۔ فحش اور گندی گالیاں لکھ لکھ کر بھیجیں جو بازاری لوگ بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ کارٹون بنا کر لگائے جنازے نکالے اس پر لکھا کہ ابوجہل کا جنازہ جا رہا ہے۔ نعروں کا تو ذکر ہی کیا۔ پندرہ طلبہ نے قتل کے حلف اٹھائے۔ محلہ کی مسجد کے اندر دیوار پر لکھا کہ اس مسجد میں نماز جائز نہیں کیونکہ فلاں شخص اس میں نماز پڑھتا ہے۔

نیچی داڑھیوں اور لمبے کرتوں کا مذاق اڑایا۔ ان حرکات کو دیکھ کر بہت سے استاد اور ذمہ دار خوش ہوتے تھے اور ایسے نالائق مفسدوں کی پُر زور حمایت وہاں کی سب سے بڑی ذمہ دار مجلس نے برملا کی جس کے ایک رکن اب تک بھی ہیں۔ کسی کی زبان سے حرفِ ملامت بھی نہ نکلا۔ حالانکہ وہ ان کے کنٹرول میں تھے۔

جسم کا خون بنے ہوئے ہیں بلکہ کہنا چاہئے کہ مسلم لیگ اسی طبقہ کا نام ہے اس یورش کے کرنے والے کئی سو لیگی تھے جن میں غالب تر تعداد ان تعلیم یافتوں ہی کی تھی سب سے زیادہ تاریک اور اہل دین کے لئے قابل غور پہلو اس مظاہرہ کا یہ تھا کہ ہندو یا کانگریس کے بجائے ان تمام گندگیوں کا نشانہ صرف مولویت اور ملائیت اور اس کے لوازم کو بنایا جا رہا تھا صاف نظر آ رہا تھا کہ اس سارے لشکر کو اصل غیظ صرف مولوی اور مُلّا اور اسلامیت کے ان بچے کھچے نشانات سے ہے جن کا حامل اب بیچارہ مولوی رہ گیا ہے۔ پھر یہ سارا طوفان بد تمیزی کسی تقریر پر مطلق نہ تھا بلکہ صرف مولانا کی آمد پر اس انداز سے گویا استقبال کیا گیا تھا۔ تقریر کی تو نوبت ہی نہیں آئی۔

اس طرح کا منظر دیکھنے کا میرے لئے یہ پہلا موقع تھا اور اب میں اس یقین کو باسانی اپنے دل سے نہیں دھو سکتا کہ ان لیگی عناصر کے ہاتھ میں کسی اقتدار کا آنا بدترین دشمن دین طاقت کے پاس اقتدار جانے کے مرادف ہے۔ اور دین و اہل دین کو جو نقصان اس اقتدار سے پہنچ سکے گا۔ غالباً انگریز اور ہندو وہ نہ پہنچا سکے گا۔ اگر یہ اپنی خواہشات کے مطابق دین کا مُثلہ[1] بھی کرنا چاہیں اور اہل دین کو اگر پھانسیاں بھی دیں گے تو اسلامی مفاد کا نعرہ

ہمارا کنٹرول کالجوں کے طلبہ اور عوام پر کیا ہے پھر بھی ہم نے سخت ترین الفاظ میں ملامت تنبیہ اور اظہار بیزاری تو کیا۔ افسوس آپ کی نظر کبھی ادھر ملتفت نہیں ہوئی یہ سب کچھ اس جماعت کی طرف سے ہوا جو دنیا کی ہادی بننے والی ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو علماء کی ان حرکات سے کوئی صدمہ نہیں پہنچتا ہوگا۔

۵

مگر یہ طوفان لایا ہوا کس کا ہے اس کے اصل اسباب پر غور کیجئے۔ جن کی طرف ہلکا سا اشارہ شروع خط میں کر چکا ہوں۔

۶

> مسلمانوں سے بدگمانی اور ہندوؤں سے حسن ظن۔

یہ آپ کی حد سے زائد بدگمانی کلمہ گو مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ یا حد سے زائد حسنِ ظن ہندو اور انگریز کے ساتھ فانا للہ و انا الیہ راجعون

۷

> علماء کے اقتدار کی یہ تدبیر غلط ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف محاذ بنائیں

پھر اس مسئلہ کا حل آپ کے نزدیک کیا ہے۔ کیا یہی کہ بڑے بڑے علماء اور کام کرنے

[1] صورت بگاڑ دینا۔

لگا کر اور غدار غدار کا شور مچا کر، دین کے اور مسلم قوم کے مفاد کے نام پر عوام مسلمانوں کو بھی اتنا گمراہ کر سکیں گے کہ پھر رائے عامہ ان سے کوئی احتساب نہ کریگی۔ انگریز یا ہندو کو کبھی یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ کئی سال ہوئے ایک بہت بڑے مسلمان سرکاری عہدہ دار نے (جو غالباً سر کا خطاب بھی رکھتے ہیں) مجھ سے دورانِ گفتگو میں کہا تھا کہ آپ لوگ اور آپکے یہ مذہبی گھروندے (مدرسے اور خانقاہیں) صرف اس لئے ہندوستان میں باقی ہیں کہ انگریزی حکومت کی پالیسی ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے جس دن پالیسی بھی ہمارے ہاتھ میں آجا ئیگی ہم آپ لوگوں اور آپکے ان اڈوں کو ختم کر دیں گے اور دین اغلت فی الدین کے نعروں سے آپ عوام میں جو ہیجان انگریز یا ہندو کے خلاف پیدا کر دیتے ہیں۔ ہمارے خلاف پیدا نہیں کر سکیں گے۔ ہم جو کچھ کریں گے مسلمان قوم کو ساتھ لیکر کریں گے اور رائے عامہ کو اتنا زیادہ تیار کر دینگے کہ وہ آپ لوگوں کو اپنے مفاد کا دشمن اور قابل قتل سمجھنے لگیں گے جیسا کہ ٹرکی میں ہو چکا ہے بریلی میں جس دن سے یہ ہنگامہ دیکھا ہے مجھے برابر ان صاحب کی یہ گفتگو یاد آتی رہتی ہے۔

جس دن سے بریلی میں یہ واقعہ میری آنکھوں نے دیکھا ہے میں دین اور اہل دین کے مستقبل کے بارہ میں سخت فکر مند ہو گیا ہوں۔

والے لوگ مشرکین اور کفار مجاہرین کے ساتھ مل کر لیگ کے مقابلہ میں محاذ بنائیں اس کے نتیجہ میں دس کروڑ فرزندان اسلام کو ہندو اکثریت کا دائمی غلام بنائے رکھیں۔ اور دوسری طرف غیظ و غضب اور نفرت و عداوت کی اس آگ کو بیش از بیش مشتعل کرتے رہیں جو سیاسی اختلاف کی بنا پر نئی اور پُرانی روشنی والوں میں خوب بھڑک چکی ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ علماء کی موجودہ روش سے اب مسلم لیگ یا مسلم لیگ والے ختم ہو جائیں گے یا آئندہ حکومتی اقتدار ان کی جگہ انگریز یا ہندو ہمارے علماء کے سپرد کر دیں گے۔ اگر یہ تصور ہے تو خوش فہمی کی انتہا ہو گئی۔ اگر غور کرو گے تو ان مشکلات کا حل بجز اس کے کچھ نہیں جس کی طرف میں اوائل تحریر میں اشارہ کر چکا ہوں کہ کانگریس کے رحم و کرم پر پڑے رہنے کے بجائے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر سب مل کر قبضہ اور فاسد عناصر سے اس کو صاف کرو۔ اور اصلاحی اور ارتقائی دونوں قسم کی مساعی جاری رکھو۔

—— ۸ ——

آپ کے وہ کون کون ذی اثر بزرگ لیگ میں

یہ واقعہ ہے کہ سیاست ملکی میں عدم توافق کے علاوہ یوں بھی حضرت مولانا مدنی سے میرا ایسا خاص تعلق نہیں ہے جیسا ان کے خواص کو ہوگا اس لئے میرے یہ تأثرات محض ان کی شخصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ میرے نزدیک یہ معاملہ دین اور اہل دین کا ہے اور سب سے زیادہ ہمارے ان حضرات کی توجہ کا مستحق ہے جو لیگ کی حمایت فرما رہے ہیں میرے نزدیک اس صورت حال کی اصلاح کے لئے یہ بالکل ناکافی ہے کہ کبھی کبھی کسی بیان کے ضمن میں اس کے متعلق چند لفظ لکھ دیئے جائیں بلکہ ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کی واقعی ضرورت کو محسوس کر کے اس کو اپنی توجہ اور کوشش کا خصوصی مرکز بنایا جائے ہمارے جو بزرگ[۸] لیگ کی حمایت میں خیر کا یقین رکھتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ لیگ کے لئے وہ اتنا زیادہ کام عوام میں آکر کریں کہ عوام سب سے زیادہ ان سے متاثر ہوں۔ آزاد خیال مسلمانوں کے طبقے میں اپنی بے انتہا جد و جہد کی وجہ سے حضرت مدنی کو جو مقام حاصل ہے۔ اگر آپ حضرات ایسی ہی بے تحاشا کوشش سے لیگ کی دنیا میں ایسا ممتاز مقام حاصل نہیں کرتے تو آپ کی موجودہ طرز کی کاغذی حمایت کا نتیجہ ایک بدترین دشمن دین و انسانیت عنصر کو شامل ہیں ایک چنا تو بھاڑ کو نہیں پھوڑ سکتا یہ مشورہ ان حضرات کو بھی دیجئے جو اپنی بے انتہا جد و جہد سے دوسری طرف خاص مقام حاصل کر چکے ہیں کہ وہ مع آپ کے ادھر آ جائیں۔ تاکہ سب کے اتحاد سے کایا پلٹ ہو سکے۔

۹ ———

ہر شخص اپنی وسعت اور طاقت کے موافق ہی کام کر سکتا ہے۔ اور اگر اللہ چاہے تو کسی ضعیف و معذور کے تھوڑے سے کام میں بہت برکت دے سکتا ہے۔ پھر جب کوئی شخص عوام میں بے اثر ہے اس کی معمولی سی ایک آدھ تحریر سے مولانا مدنی کے طوفانی دوروں کے بالمقابل کیا خاص فائدہ لیگ کو پہنچ سکتا ہے۔ اور اگر یہ معمولی تحریر عوام پر کچھ مؤثر ہے تو آئندہ کوئی اصلاحی قدم بھی انشاء اللہ ایک درجہ میں اثر انداز ہو سکتا ہے۔ پھر آپ بھی تو محض کاغذی نصیحتوں پر قناعت نہ کر کے اس میدان میں تشریف لائیں

۱۰ ———

بحالت موجودہ مسلم لیگ کی حمایت کانگریس کے مقابلہ میں کیجاتی ہے اعتراض کیوقت مقابلہ سے قطع نظر کر لینا بھاری غلطی ہے

آپ ایک سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ لیگ کی حمایت د

مزید قوت بہم پہنچانے کے سوا اس نیازمند کے نزدیک تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ لہٰذا میں اپنی کمتری کا پورا احساس کرتے ہوئے اتنا عرض کرنے کی جسارت کرنے پر مجبور ہوں کہ جناب والا یا تو حضرت مدنی کی طرح لیگ کے کام کے لئے کمربستہ ہوں اور کم سے کم آنے والے صوبجاتی انتخابات تک جناب کے بھی مسلسل طوفانی دورے ہوں۔ تاکہ لیگ کی دنیا میں آپ حضرات کا اثر و رسوخ ہو اور دین کی باتوں کے لئے وہاں امکانات پیدا ہوں اور شیطنت کا جو طغیان اس میں اُٹھ رہا ہے۔ اس کا انسداد ہو سکے۔ اور اگر طبع سامی اس کے لئے آمادہ نہ ہو تو لیگ کی موجودہ ہیئت اجتماعیہ ہرگز اس لائق نہیں ہے کہ بیانات سے اُس کی تائید کرکے اس کو تقویت پہنچائی جائے مجھے معلوم ہے کہ اس طرز کے حمایت کرنے والے حضرات (۱۱) کو لیگی زعماء اپنے آلۂ کار سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے اور ان کو کوئی وقعت نہیں دیتے بلکہ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے۔ کہ وہ ان کی حمایت کو بھی مخلصانہ اور بے غرض نہیں سمجھتے۔ میں نے خاص تاثر کی حالت میں یہ عریضہ لکھا ہے اور اندازہ ہے کہ اپنے منصب سے میرا

تقویت کا ذکر کرتے وقت یہ پیش نظر نہیں رکھتے کہ یہ تقویت و حمایت مشرکین و کفار محاربین کے مقابلہ پر ہے۔ خوارج کے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیة	وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کا جسم چھید کر صاف نکل جاتا ہے۔
اور لئن ادرکتهم لا قتلهم قتل عاد و ثمود	اگر میں نے ان کو پایا تو عاد و ثمود کی طرح ان کو تباہ و برباد کردوں گا
اور انهم کانوا مسلمین ثم صاروا کفاراً۔	وہ مسلمان تھے۔ پھر کافر ہو گئے

انکے دوسرے عقائد و فضائح کو چھوڑ کر شامی کے ان الفاظ پر غور کیجیے

یستحلون دماء المسلمین و اموالهم و یکفرون الصحابة

وہ مسلمانوں کے خون اور مال کو حلال سمجھتے ہیں اور صحابہ کو کافر کہتے ہیں اور خوارج کو اگر مشرکین سے قتال کی نوبت آئے تو امام محمدؒ لکھتے ہیں کہ اہل حق کے لئے انکی اعانت و امداد کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ وہ بہرحال اصل کلمۂ اسلام اور اثبات اصل طریق کے لئے لڑ رہے ہیں جو علت بیان کی گئی ہے وہ یہاں موجود ہے۔ پھر امام محمدؒ نے یہ بھی شرط نہیں لگائی کہ اعانت جب صحیح ہے جبکہ اہل حق کا اس سے غلبہ حاصل ہوتا ہو۔ اس مسئلہ کو جس قدر گہری نظر سے دیکھا جائے گا انشاء اللہ اسی قدر خلجانات سے نجات مل جائیگی۔

تجاوز ہے۔ اس کے علاوہ بھی نہ معلوم کیا کیا
بے اعتدالی سرزد ہوگئی ہو اس لئے استدعاء
معافی پر ختم کرتا ہوں۔
آخر میں پھر مکرر معروض ہے کہ امت اس وقت
جس ابتلا میں ہے اس کیلئے دعائیں بھی فرمائیں
اور اصلاح حال کے لئے سعی بھی۔ والسلام
خادمکم
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۱
نہ سمجھا کریں۔ کیا ہم نے اس لئے کوئی کام کیا ہے
کہ وہ قدر کریں اور ہمکو مخلص سمجھیں اسی کے ساتھ یہ
بھی ضروری نہیں کہ وہ سب کو خود غرض ہی
سمجھتے ہوں۔ مولوی صاحب اخلاص اگر ہوگا تو
اپنا اثر لائے بدون نہ رہے گا۔ والسلام۔
شبیر احمد عثمانی۔ از دیوبند۔
۲۹ ر دسمبر ۱۹۴۵ء - ۲۳ محرم ۱۳۶۵ھ

مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کا خط بنام حضرت عثمانی

حبیب روڈ۔ لدھیانہ
۷۸۶
۱۷ ر نومبر ۱۹۴۵ء

حضرت استاذ المکرم علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دامت برکاتہم۔
السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ جو فتوے قتل کے جواز میں کلکتے[1] میں تیار کیا گیا اس پر آپ کے دستخط پڑھ کر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ اس دنیا میں ہر چیز کی امید کرنی چاہئے۔ آپ کے ان دستخطوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حق بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں ہونا چاہئے۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہونگے۔ والسلام۔
حبیب الرحمن[2]

[1] جمعیۃ علماء اسلام کے اجلاس کلکتہ میں جو حضرت مولانا عثمانی دامت برکاتہم کا پیغام پڑھا گیا اس کی طرف اشارہ ہے۔

[2] خط میں غصے کے تیور ابھر رہے ہیں۔ اگرچہ خط کا آغاز استاذ مکرم سے کیا گیا ہے۔ (مرتب)

(۴۸) مکتوب مولانا عثمانی بجواب مولانا حبیب الرحمٰن

برادر محترم! بعد سلام مسنون آنکہ نوازش نامہ پہنچا۔ بحمداللہ اس کے مضمرات کو میں نے سمجھ لیا۔ اپنے مسلک سیاسی کے خلاف میری نرم سے نرم تحریر کو فتویٰ قتل سے تعبیر کرنے کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی کیا عام حالات کا جائزہ لے کر اس پر کوئی رائے قائم کرنا اور زیادہ سے زیادہ مہذّب انداز میں اس کا اعلان صرف آپ ہی حضرات کا حق ہے کسی دوسرے کو اس کی آزادی نہیں۔ اور اگر محض تعلقات کی بنار پر یہ شکوہ کیا گیا ہے۔ تو اس کا جواب اگر کبھی ملاقات ہوئی۔ تو زبانی عرض کر دوں گا۔

اگر میرے طرزِ عمل سے آپ کو یہ واضح ہو گیا۔ کہ حق بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرنا چاہیے تو یقیناً میں اس سے خوش ہوں۔ بشرطیکہ اسی طرز و شان سے حق کہا جائے۔ جس طرح میں نے کہا ہے۔ اگر بدلحاظی کا جواز اس سے نکالا جاتا ہے تو حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل واللّٰہ المستعان علی ما تصفون۔ والسّلام

العبد

شبیر احمد عثمانی۔ از دیوبند

۱۴ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ - ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء

لہ علاّمہ کے خط کا انداز اپنے شاگرد کے لئے کس قدر شفقانہ، شستہ، مہذب، منصفانہ اور ادبیانہ ہے۔ (مرتب)

مکتوب ثانی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی بنام علاّمہ عثمانی

اُستاذ المکرم حضرت علاّمہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

السّلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ۔ آپ کا گرامی نامہ پہنچا۔ جواب کا بہت بہت ممنون ہوں۔ آپ کی عزت اور محبت جس قدر میرے دل میں ہے۔ اس کا اندازہ آپ نہیں فرما سکتے۔ آپ نے مجھ ہی کو نہیں بلکہ اپنے سیکڑوں بے غرض مخلص محبت کرنے والوں کو بے گناہ قتل کر دیا ہے جناح کی قیادت کا اعلان اور پاکستان کی حمایت کو سوائے قتل کے فتوے سے اور کن الفاظ سے تعبیر

کروں یہ کس کی مجال ہے کہ کوئی آپ کو یہ کہے کہ آپ کو اپنی رائے کے اظہار کا حق نہیں لیکن آپ انصاف فرمائیں جو شخص کسی سیاسی جماعت میں کوئی کام نہ کر رہا ہو اسے کسی سیاسی رائے دینے کا کیوں حق حاصل ہے آپ یقین فرمائیں کہ آپ نے ہمارے ہی قتل کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ آپ نے اپنے اور تمام علماء کے خلاف قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ زمانہ میری اس بات کی شہادت دے گا اور وقت بتائے گا کہ علماء نے جناح کے پیچھے لگ کر اسلام کو کتنا نقصان پہنچایا۔ آپ آج اس جماعت کے ساتھ کھڑے ہیں۔ جو قادیانیوں۔ تبرائیوں۔ اور خدا و مذہب کے منکر کمنسٹوں کو ہمراہ لے کر اسلام کو سربلند کرنے کے لئے چلی ہے۔

آپ کے بزرگواروں کا فتویٰ تو یہ تھا کہ سر سیّد احمد خاں کے ساتھ اشتراک عمل بھی جائز نہیں، اور ہندوؤں سے مل کر دنیاوی کام چلانے میں کوئی حرج نہیں تقریباً بتیس برس کا عرصہ ہوا آپ نے دیوبند میں مجھ سے نصرت الابرار کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ "تمہارے بزرگوں نے سر سیّد احمد اور قادیانیوں کے بارے میں جس رائے کا اظہار فرمایا وہ ان کا کشفِ صریح تھا اور انہوں نے مسلمانوں کو گمراہی سے بچا لیا"۔ رسالہ نصرت الابرار بھیج رہا ہوں اس پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی دستخط ہیں۔ اللہ کی شان ہے سر سیّد احمد کو کافر کہنے والوں کی روحانی اولاد اس سر سیّد کی روحانی اولاد کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہے اور اسی کو اسلام اور مسلمانوں کا نجات دہندہ سمجھتی ہے۔

میں اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سہارنپور میں آپ کے اس بیان کا ذکر کر رہے تھے کہ مولانا حفظ الرحمٰن کے آنسو آ گئے اور انہوں نے کہا کہ آگے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے ہمارے اور اسلام کے دشمن ہم کو ذبح کرتے تھے اب آپ نے ان کی جگہ لے لی۔ ایک طرف آپ کی عظمت و عزت اور دوسری طرف دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں اپنی اور اسلام کی تباہی دیکھ رہے ہیں اور خاموش بھی نہیں رہ سکتے آخر آپ ہی فرمائیے ہم کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

آپ نے بدلحاظی کا تحریر فرما کر مجھے بہت دُکھ پہنچایا میری بدلحاظی کی حقیقت یہ ہے کہ میں نے سہارنپور کے جلسے میں آپ کے اس بیان کا ذکر کرتے ہوئے یہ لفظ کہے ہیں "کہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے جوتوں کو اپنے سر پر باندھنا فخر اور اپنے لئے باعث نجات سمجھتا ہوں" آپ نے

مجھے جناح خیال فرمالیا ہے کہ میں اپنے سے اختلاف رکھنے والے کو گالی دُوں اور ان کی بے عزتی کروں۔ مَیں نے آجتک اپنی کسی تقریر میں معمولی سے معمولی لیگی کے متعلق سخت باتیں نہیں کہی چہ جائیکہ آپ جیسی بزرگ ہستی کے متعلق کوئی سخت بات کہوں یا دل میں بھی لاؤں۔

حضرت اقدس غور سے سنئے یہ مسلم لیگی طبقہ کسی بھی عالم کا وقار اور اُس کی عزت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اپنے اقتدار کو بڑھانے کے لئے اور مذہب کو مٹانے کے لئے مذہب کے نام پر آپ حضرات سے کام لے رہا ہے۔ میں نے اعلان کیا تھا کہ اگر مسلم لیگ میں صداقت ہے تو پچاس فیصدی نشستیں علماء کے لئے مخصوص کر دے۔ ہم پنجاب سے احرار اور کانگریس کے ٹکٹ پر چھ مستند علماء کو کھڑے کر رہے ہیں۔ اور دو تین دوست مثل علماء کے ہیں۔ عالموں کے لئے میں کوئی شرط نہیں لگاتا عالم ہوں خواہ بریلوی ہوں خواہ دیوبندی ہوں کیوں کہ میرے نزدیک ہندوستان کی آزادی اور ہندو مسلمان کے مسئلے کا حل اور مذہب کی حفاظت صرف علماء کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے۔ اسمبلیوں کے اندر اور باہر سیاسیات پر قبضہ ہونا چاہئے جب تک علماء اسمبلیوں میں پچاس فیصدی نہیں ہوں گے۔ ہندوستان کا مسئلہ کبھی حل نہیں ہوگا اور یہ پاکستانی مسلمان اسمبلیوں کے ذریعہ سے ایسا نصاب تعلیم بنائیں گے جس سے مذہب کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔ اور اگر علماء اسمبلیوں کے اندر موجود ہوں گے تو نصاب تعلیم میں مذہب کا خیال رکھا جائے گا۔

حضرت والا کیا یہ حقیقت نہیں کہ جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ کو اس لئے وجود میں لایا گیا کہ وہ جناح کی قیادت اور مسلم لیگ کی واحد نمائندگی کی لوگوں میں تبلیغ کرے نہ کہ علماء کی قیادت اور مذہب کی سر بلندی کے لئے۔ دوسرے لفظوں میں اس جماعت کا وجود انگریزی اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے عمل میں لایا گیا ہے۔ آپ خود جانتے ہیں ان میں اکثر وہ علماء ہیں۔ جو تحریک خلافت سے لے کر آج تک ہر اسلامی تحریک کی مخالفت کرتے رہے۔ اگر آپ یا یہ علماء یہ کہتے ہماری تقلید کرو ہم قربانی اور ایثار کے راستے سے ہندوستان کو آزاد کرائیں گے اور اسلام کو سر بلند کر کے دکھائیں گے۔ تاکہ دنیا کو معلوم ہو جاتا کہ ہم صرف مسجدوں کے مُلّاں ہی نہیں ہیں۔ بلکہ ہم قرآن شریف کی تعلیم کے ذریعہ سے دُنیا کی سیاسی رہنمائی بھی کر سکتے ہیں

اور قرآن شریف کی تعلیم ہی سے دُنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے تو میرے دل کو بیحد مسرت حاصل ہوتی۔ مگر آپ نے اور جمعیتہ العلماء اسلام نے کہا تو یہ کہا کہ جیناح کی تقلید کر و وہی ہندوستان کا سیاسی رہنما ہو سکتا ہے۔ اس اعلان کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے اس اعلان کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ قرآن جاننے والے قرآن کے ذریعہ سے سیاسی رہنمائی نہیں کر سکتے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی عزت اس وقت میرے دل میں اس لئے سب سے زیادہ ہے کہ وہ کانگریس کے صدر ہو کر مذہب اور اسلام کی حفاظت کر رہے ہیں۔ انہوں نے کانگریس کی صدارت لے کر دہریوں اور تمام غیر مذاہب ہی پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے اس غیر اسلامی ذہن رکھنے والے طبقہ پر یہ بات ثابت کر دی کہ قرآن کا عالم اور صرف قرآن کا عالم جو دنیا کی موجودہ تعلیم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا وہ اس دُنیا میں بڑی سے بڑی سیاسی رہنمائی کر سکتا ہے مولانا آزاد کے اس طرز عمل نے یہ اعلان کر دیا کہ قرآن کا جاننے والا ہی حقیقی معنی میں غلاموں کو آزادی دلا سکتا ہے اور امن قائم کر سکتا ہے۔ کاش آپ آج بجائے جیناح کے مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ ہوتے تاکہ دُنیا پکار اُٹھتی کہ قرآن جاننے والے مُلّاں ہی ہندوستان کو آزاد کرائیں گے۔

مجھ کو آپ کے اس لکھنے سے کہ جیناح کو ہندوستان کا سیاسی لیڈر تسلیم کیا جائے بڑا دُکھ ہُوا۔ گویا کہ ہندوستان کے قرآن کے مفسر نے انگریزی دان طبقے کے سامنے اقرار کر لیا ہے کہ مولوی سیاست نہیں جانتا اور یہ بھی اقرار کر لیا کہ وقت کی سیاست کو قرآن کا سب سے بڑا مفسر نہ چلا سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ یہ علماء کے قتل کا فتوے نہیں تو اور کیا ہے۔

میرے محترم و مکرم پاکستان الیکشن کے لئے ایک نعرہ ہے۔ الیکشن ختم ہو جائے گا۔ تو مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ مل کر وزارتیں بنانے کی کوشش کرے گی۔ واحد نمائندگی کا مقصد یہ ہے کہ تمام اقتدار بددین طبقے کے ہاتھ میں رہے۔ اور سیاسی اقتدار کسی ایسی جماعت کے ہاتھ میں نہ آجائے۔ جو مذہب کی سربلندی اور ہندوستان کی آزادی کی خواہش مند ہو۔ اور یہ بھی میری بات آپ کو خیال شریف میں رکھنی چاہیئے۔ کہ یہ انگریزی طبقہ کانگریس سے صلح کے بعد علماء کو کچلنے کے لئے علماء کے ہی فتوے پیش کرے گا کہ ان علماء نے

ہمیں کانگریس میں شامل ہونے اور وطن کی آزادی سے روکا تھا۔ کیونکہ اس طبقے کے سامنے مذہب نہیں ہے چند نوکریاں اور نشستیں ہیں اور بس۔ اور جب ہندو نے یہ ٹکڑا ان کے سامنے ڈال دیا اور یہ طبقہ انگریز سے مایوس ہو گیا۔ تو پھر یہ طبقہ اپنی ملازمتوں اور نشستوں کے لئے اسلام کو مٹا کر ہندو دوستی کا ثبوت دے گا۔

مَیں نے اپنے دل کا سارا دُکھ ان الفاظ میں آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ آپ کا جی چاہے اپنوں کا ساتھ دیں یا نہ دیں۔ مصیبت زدہ درد مند اور بالخصوص جس کو اپنے ہی مارا ہو وہ اچھی زبان[1] اور اچھے الفاظ لکھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ معافی کا خواستگار ہوں۔

والسلام

حبیب الرحمٰن

(۴۹) مکتوب علامہ عثمانی بجواب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی

برادر محترم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ مدّت ہوئی خط اور رسالہ "نصرۃ ابرار" مل چکا ہے میں اپنے احوال و عوارض کی وجہ سے جلد جواب لکھنے کا موقع نہ پا سکا۔ اصولی بحث سے آپ کو اولاً میری تحریرات پر شرعاً یا عقلاً تنقید کر کے یہ ثابت کرنا تھا کہ جن مقدمات[2] پر وہ مبنی ہیں وہ صحیح نہیں۔ محض زور دار اور مبالغہ آمیز الفاظ میں اپنے جذبات یا تخمینیات کا اظہار دیرے مسلک کے ابطال کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔

مسلم لیگ سے جن خطرات کا اندیشہ کیا جاتا ہے اگر وہ پیش آئے تو ان کے ذمہ دار کانگریس کی حمایت کرنے والے ہوں گے

جن خوفناک عواقب دینیہ پر آپ متنبہ فرما رہے ہیں، میں بحمد اللہ ان کے امکان سے غافل نہیں

لہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے اپنے مکتوب میں اچھی زبان اور اچھے الفاظ سے کوتاہی کا خود اقرار کیا ہے لیکن ابتدا کے خط میں دل میں بے حد احترام کا اقرار کیا ہے۔

لہ ایک نہایت اہم اُصولی چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کو نظر انداز کر دینا ہی تمام اشکالات کا سبب بنتا ہے۔ اُصول کو چھوڑ کر سرسری اور سطحی چیزوں کو مدار کار بنا لینا غلطیوں کی بنیاد ہے۔ ۱۲

لیکن اگر خدانکردہ وہ وقوع میں آگئے تو اس کا سبب صرف وہ لوگ ہوں گے جو آنکھ بند کر کے ہندوؤں کی کانگریسی سیاست کے پیچھے چل پڑے اور اپنی قوم کے بہترین احساسات اور صحیح نصب العین کو نہایت لاپروائی سے بے سوچے سمجھے ٹھکرا دیا۔ مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر مستقبل میں آپ لوگوں کی مہلک غلطیوں کا خمیازہ طالبین دین کو بھگتنا پڑا تو میری ذات بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے گی۔ تاہم اگر میری بہت ہی ناتوان اور ضعیف مگر بروقت کوشش سے ان بُرے نتائج کی شدت میں کچھ کمی ہوگئی، تو میں اسے بھی سب کے حق میں ایک طرح کی خوش قسمتی سمجھوں گا۔ کاش آپ سب حضرات دینداری اور سرفروشی کے سچے جذبہ کے ساتھ اس سیاسی ادارے میں داخل ہوکر جس کا دروازہ ہر مدعی اسلام کے لئے ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ سچائی کی طاقت اور جمہور مسلمین کی پشت پناہی سے اس پر قبضہ کر لیتے اور بھیڑ بکریوں کے گلے کو بھیڑیوں کی پاسبانی میں چھوڑ کر دوسری طرف نہ بھاگ جاتے تو اللہ کے فضل سے اس روز سیاہ کے دیکھنے کا کوئی اندیشہ نہ رہتا جس کے تصور سے آپ گھبرا رہے ہیں (اور وقت نہیں گیا اب بھی ایسا کر سکتے ہیں) آپ لوگوں نے اپنی قوم کا ساتھ دینے اور ان کی غلط کاریوں کی اصلاح کرنے کے بجائے کھلم کھلا ایسا رویہ اختیار کر لیا جو قوم سے بیوفائی اور احکام شرعیہ سے لاپروائی کی طرف مشعر ہے۔

مسلم لیگ سے مضر اسلام قوانین کا اندیشہ کرنے والے کانگریس کی واردھا اسکیم کو کیوں نہیں دیکھتے	کیا ہندو اکثریت کی حکومت میں آپ "واردھا اسکیم" سے بہتر نصاب تعلیم بنائے جانے کی امید رکھتے ہیں۔

مسلم لیگ میں اگر کچھ بے دین شامل ہوگئے تو کیا کانگریس عتق دینداروں کی جماعت ہے جسکو بمقابلہ مسلم لیگ ترجیح دی جاتی ہے	وہ جماعت جو بے شمار سُنّی مسلمانوں، قلیل التعداد شیعوں، اور چند بزعم خود دعویٰ اسلام رکھنے

والے اور کلمہ پڑھنے والے ملحدوں یا زندیقوں پر مشتمل ہوتے ہوئے مسلم قوم کے استقلال اور کلمہ اسلام کی سربلندی کے نام پر لڑ رہی ہے، کیا اس کے مقابلہ میں آپ اس جماعت کا تسلط و اقتدار بڑھا کر اسلام کو سربلند اور مسلمانوں کو معزز اور علماء کو موقر بنائیں گے، جس میں اکثریت غالبہ ان افراد کی ہے جو کلمۂ اسلام سے علانیہ بیزار، حکومت الٰہیہ کے شدید ترین مخالف اور مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کے بدترین دشمن ہیں جن کی اسلام دشمنی برملا اور بکرات و مرات ظاہر ہو چکی ہے اور اب بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ پھر وہاں دہریئے بھی ہیں بلکہ ایک

دہری آجکل اس پر مسٹر گاندھی کے بعد اقتدار رکھتا ہے اور قادیانی، شیعہ، مشرقی، مغربی، کسی کے لئے اس کا دروازہ بند نہیں۔ یہ ہی کمیونسٹ جن کا ذکر مسلم لیگ کے ساتھ بار بار کیا جاتا ہے کل تک اس میں سب شریک تھے۔

مسلم لیگ میں، اگر کچھ بددین آج شریک ہیں تو اس وقت بھی شریک تھے جب اہل جمعیۃ اس کے شریک اور حامی تھے۔

دراں حالیکہ اکابر علماء نے اس کے رکن اور عہدہ دار بنے رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ اور اب بھی کمیونسٹ کو وہاں سے ان کے الحاد و ارتداد کی وجہ سے خارج نہیں کیا گیا۔ ورنہ پنڈت جواہر لال نہرو ان سے پہلے خارج کئے جاتے جن کی مدح سرائی اب بھی سیاسی اسٹیج پر بڑے بڑے مقدسین کرتے ہیں۔

علماء کی موجودگی میں مسٹر جناح کی قیادت کا سوال زبسکو کے مقابلہ میں گاماں کو آگے بڑھانا۔

رہا علماء محدثین و مفسرین کی موجودگی میں مسٹر جناح کی قیادت کا مسئلہ۔ تو آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے ان کو ابتداءً قائد نہیں بنایا وہ اپنی دماغی قابلیت یا دوسرے تکوینی اسباب کی بناء پر مسلم اکثریت کے قائد بن گئے۔ اب ان کا مقابلہ کرکے جماعت مسلمین میں تفرقہ ڈالنا، دراں حالیکہ وہ اس وقت ایک مضبوط اصول اور صحیح نظریہ کے حامل بھی ہیں، کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جبکہ سلطان متغلب یا فاقد الشروط امیر اور خلیفہ کے متعلق اطاعت کی تصریحات موجود ہیں۔ اور جبکہ اس قیادت کو خود اکابر جمعیۃ العلماء ۱۹۳۷ء میں مستقل اور کلی اختیارات سپرد کرکے خوب مستحکم اور مضبوط کر چکے ہیں (دیکھو خط مطبوعہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی بابت الیکشن ۱۹۳۷ء) غالباً ان حضرات کی نظر بھی اس وقت اسی نقطہ پر مرتکز ہوگی کہ یہ عصری سیاست کے موافق ایک آئینی جنگ ہے جس سے مسٹر جناح کی قیادت میں مسلمان اچھی طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں مسٹر جناح عالم نہ سہی لیکن جو آئینی کشتی لڑی جا رہی ہے اس کے داؤ پیچ سے خوب واقف ہے لاؤ زبسکو کے مقابلہ میں اس گاماہی کو آگے بڑھائیں۔ آخر حضرت اشمویل نبی کی موجودگی میں بنی اسرائیل کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے طالوت کو امیر لشکر بنایا تھا اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام نے یزید بن معاویہ کی قیادت میں مدینۂ قیصر پر وہ چڑھائی کی جس کی بشارت صحیح بخاری میں آئی ہے۔

پھر میں نہیں جانتا کہ آج کسی مفسّر قرآن کی موجودگی میں مسٹر جناح کو قائد بنا دینے سے کیا قیامت[1] ٹوٹ پڑی، اور جو چیز ۱۹۳۷ء میں جنت[2] تھی، ۱۹۴۵ء میں جہنم کس طرح بن گئی جمعیۃ علمار اسلام نے اگر اس قیادت کی تعریف اور مسلم لیگ کی تائید کی تو کیا گناہ کیا اس کی تاسیس کرنے والوں کی نیت کیا تھی اور اندرونی احوال کیا تھے، اس کا مجھے کوئی علم نہیں میں تو تمام علمار اسلام کے متعلق یہی حسن ظن رکھتا ہوں کہ جس نے اپنے نزدیک جو رستہ بحالات موجودہ مسلمانوں کے لئے اصلح و انفع سمجھا اختیار کرلیا۔ یہ رایوں کا اختلاف ہے۔ آگے اللہ سبحانہ و تعالیٰ عالم سرائر ہے۔ فحسابھم علی اللہ۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے علم اور ذاتی عقائد و خیالات پر میں کوئی بحث کرنا نہیں چاہتا نہ میں ان کو خود غرض سمجھتا ہوں لیکن فی الحال جس لائن پر چل رہے ہیں میرے نزدیک وہ اس منزل مقصود پر پہنچانے والی نہیں جس کا نشان انہوں نے "الہلال" وغیرہ میں دیا تھا۔ اس کے باوجود میرے قلب میں ان کی عزت برابر موجود ہے۔

رسالہ نصرۃ الابرار کے فتویٰ کا جواب "رسالہ نصرۃ الابرار" میں جو کچھ لکھا ہے۔ آج بھی اس کا مخالف کون ہے دنیوی معاملات میں ہنود کے ساتھ نفس اشتراک عمل کو مطلقاً کون ناجائز کہتا ہے سر سید احمد خاں اب کہاں ہیں جو ان کے ذاتی عقائد کا مسئلہ زیر بحث لایا جائے۔ تمام علیگڈھ والوں کو یک قلم ان کے جملہ عقائد میں ہمنوا رکھنا محض تحکم ہے۔ کیا آپ کے یا دوسرے اکابر علمار کے نزدیک تمام علیگڈھ والے کافر و مرتد ہیں؟ ایسے مسائل میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے خلط مبحث نہ کیجئے۔ کفر و ارتداد کی بحث اسلام کے نازک ترین مباحث میں سے ہے آپ کے آزاد پارلیمنٹری بورڈ نے جن لوگوں کو امیدوار منتخب کیا ہے کیا ان میں کوئی علیگ یا انگریزی تعلیم یافتہ نہیں اور اس میں فیصدی کتنے علمار دین لئے گئے ہیں۔ یہ بورڈ تو کانگریس کا نہ تھا خالص

---

[1] کسی فوجداری یا دیوانی کے مقدمہ میں اگر فاسق وکیل کے بجائے کوئی متقی پرہیزگار مولانا کھڑے ہو جائیں یا چلتی ہوئی ریل جس کا قائد کوئی کافر ڈرائیور ہو اسی فلسفہ قیادت کے ماتحت ان کو ہٹا کر کسی مقدس عالم کو اس کی جگہ لایا جائے تو اس مقدمہ اور ریل کا جو کچھ حشر ہوگا ظاہر ہے مگر کیا یہ کسی عقلمند کے نزدیک علمار کے نقص کی دلیل بن سکتی ہے ۱۲۔

[2] شاید مولانا مدنی کی ان تحریرات کی طرف اشارہ ہو جو ۱۹۳۶ء میں جماعت مسلم لیگ کے زمانہ میں شائع فرمائی تھیں ۱۲ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔

مسلمانوں کا تھا۔ جو پچاس فیصدی علمار کا مطالبہ آپ مسلم لیگ سے کر رہے ہیں، وہاں کیوں نہ منوایا گیا۔ بلکہ بعض ایسے کنڈیڈیٹ کھڑے کئے گئے جن کو مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں۔

ہاں تو "نصرۃ الابرار" کا ذکر تھا۔ جو الفاظ میرے آپ نے نقل کئے ہیں، میں اب بھی ان کو صحیح سمجھتا ہوں لیکن آج کی کانگریس اٹھاون برس پہلے کی کانگریس نہیں نہ آج کے عام حالات وہ ہیں جو اس وقت تھے اگر آجکل کے حالات اُس وقت ہوتے تو کیا "نصرۃ الابرار" ص۹ پر پہلے سوال کا جواب آپ کے اور علمار زمانہ کے نزدیک یہ ہی ہوتا کہ سرکار انگلشیہ بہتر ہے کیونکہ سرکار دولتمدار مثل رُوس کے متعصّب نہیں اور سلطان رُوم (جو ایک بڑا بادشاہ ذی اقتدار اہل اسلام خادم حرمین شریفین اور حافظ بیت المقدس و کربلائے معلّٰی ہے) اور سرکار دولتمدار میں برخلاف رُوس کے اتحاد قائم چلا آتا ہے اگر بالفرض والتقدیر سرکاری دولتمداری مملکت رُوس سے بہتر نہ سمجھی جائے، تب بھی رعایائے اہل اسلام کو شرعاً حرام ہے کہ سرکار کے برخلاف رُوس یا سلطان رُوم وغیرہ سے در پردہ رابطہ و اتحاد پیدا کرے"۔

غور کیجئے کہ شرکت کانگریس کے متعلق جس سوال کا جواب علمار نے دیا ہے اس سوال میں یہ الفاظ بھی ہیں "۔اور ان کا (یعنی کانگریس والوں کا) اصل اُصول یہ ہے کہ بحث ان ہی اُمور میں ہو جو کل جماعتہائے ہند پر مؤثر ہوں اور ایسے اُمور کی بحث سے گریز کیا جائے جو کسی ملّت یا مذہب کو مضر ہو یا خلاف سرکار ہو۔ اس جماعت میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں"۔

کیا آج بھی شرکت کانگریس کے متعلق آپ کے سوال کے یہ ہی الفاظ ہو سکتے ہیں۔ آپ تو بڑے سیاسی کارکن ہیں اور اگلے پچھلے اُصول پر نظر رکھتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ۵۵ برس پہلے کے فتاویٰ کو موجودہ صُورت حال پر منطبق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ایک چیز اور بھی واضح رہے کہ اس فتوے پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے ایسے علمار کے دستخط ہیں جو یقیناً کسی سیاسی جماعت میں اس وقت کام نہیں کر رہے تھے کیا آپ کے نزدیک ان علمار کبار کو ایسے سیاسی مسائل میں فتوے دینے کا حق تھا۔ اگر تھا تو آج کسی مولوی کو آپ اس حق سے کیوں محروم کرتے ہیں۔ میرے بھائی! اپنے کو حد سے زیادہ ذہین و فہیم اور دُوسروں کو بالکل اُلّو نہ سمجھئے۔ کبھی ایک چیز کو غائب حاضر سے بہتر سمجھ لیتا ہے۔ میں جس چیز کو پُورے غور و فکر کے بعد بحمد اللہ شریعت کی روشنی میں صحیح

سمجھتا ہوں۔ جب تک اس بنیادی اُصول کی غلطی مجھ پر ظاہر نہ ہو۔ زوائد سے مطمئن نہیں ہو سکتا لیکن طویل خطوط کا سلسلہ قائم رکھنا نہ میری قدرت میں ہے نہ ہر ہر سطر کے جواب میں رسالہ لکھنا بحث کو ختم کرے گا اس قسم کے شبہات جو نفس مسئلہ سے متعلق ہیں ان کے متعلق میں ایک تحریر مرتّب کر رہا ہوں جو چھپ کر شائع ہو جائے گی کیونکہ ہر ایک شخص کو فرداً فرداً جواب دینا ممکن نہیں ایک آپ ہی کے خط کے ہر ہر لفظ اور سطر پر بحث کی جائے تو خاصی کتاب تیار ہو جائے یہ چند سطور قلم روک کر لکھی گئی اُمید ہے اسے پڑھ کر قدیم تعلقات کی نسبت کوئی بُرا اثر نہ لیں گے اور اگر یکسوئی کی ساعتوں میں ٹھنڈے دماغ سے غور کریں گے۔ تو کیا بعید ہے کہ موجودہ حالات کے اعتبار سے صحیح راستہ سمجھ میں آجائے۔ سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کا قول ہے "الصادق یتقلب فی یوم واحد مأۃ مرۃ والمرائی یثبت علیٰ حالۃ واحدۃ مأۃ سنۃ"

(سچائی کا عاشق ایک دن میں سو مرتبہ بدل سکتا ہے اور ریاکار ایک ہی حالت پر سو برس تک جما رہتا ہے) والسّلام

العبد

شبیر احمد عثمانی از دیوبند

۲۳ محرم ۱۳۶۵ھ - ۲۹ دسمبر ۱۹۴۵ء

مکتوب مولوی احمد اسمٰعیل صالح صاحب بوڈہان سائن ضلع سورت بنام علامہ عثمانی

السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

۱۸ نومبر ۱۹۴۵ء

محترم المقام زید مجدکم۔ مزاج شریف

بعد تحیہ مسنونہ حضرت اقدس میں گذارش اینکہ اس موجودہ دَور میں ہندوستانی مسلمان جس سیاسی کشمکش میں گھرے ہوئے ہیں۔ اور وہ ہر اس حباب کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کو نظر آتے ہیں۔ ایسی حالت میں ایک سنجیدہ مسلمان اور راہِ حق کے متلاشی کو کیا کرنا چاہئے اس کے متعلق حضور والا سے چند استفسار بطور آگاہی حقیقت حال اور دریافتِ راہ حق دریافت کرنے کی جُرأت کرتا ہوں۔ حضور والا کی ذات گرامی سے امید قوی ہے کہ گم گشتہ راہ کو حق کی راہنمائی فرمائیں گے۔ استفسارات۔

(۱) کیا حضور والا نے کوئی بیان بنام جمعیۃ علمار اسلام کلکتہ ارسال فرمایا ہے اور آیا اس میں اس قسم کا مضمون بھی سپرد قلم کیا ہے کہ جمعیۃ علمار ہند کا وہ نصب العین جس کا وہ اظہار کرتی رہی ہے وہ کوئی برا نصب العین نہیں تھا اور نیز اس کی تاریخی قربانیاں بھی اوراق تاریخ میں ایک نمایاں شان رکھتی ہیں۔ مگر آج اس پر جو کچھ شکوک و شبہات کئے جارہے ہیں وہ اس کی پچھلی چند سالہ روایات کی بنار پر ہیں۔ اب گذارش حضرت والا سے ہے کہ کیا اس قسم کا بیان آپ نے جاری فرمایا ہے۔ اگر ہے تو پھر دریافت طلب امور یہ ہیں کہ کیا اس کی پالیسی میں یا اس کے نصب العین و دستور اساسی میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ ہوئی ہے۔ ع۲

آیا حضرت مولانا حسین احمد صاحب یا حضرت مفتی صاحب یا مولانا احمد سعید صاحب وغیرہم کی اس پالیسی میں جو حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ العزیز کی موجودگی میں تھی اس میں رد و بدل ہوا ہے۔ ع۳

(۲) حضور والا آج جس پاکستانی اسکیم کو ہمارے سامنے کبھی اسلامی حکومت کی شکل میں اور کبھی جمہوری حکومت کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے آیا وہ مسلمانان ہند کے لئے شرعی اور جغرافیائی حیثیت سے مفید ہے یا مضر۔ اگر یہ مضر ہے تو پھر اس مضمون کا کیا جو اسی مذکور الصدر بیان میں موجود ہے کہ پاکستان کے بغیر اسلامی ہند کی آزادی ممکن نہیں اور ہندوستان کا علاج بھی پاکستان ہی ہے۔ ع۴

(۳) حضرت محترم مسلمانوں کی سیاسی و مذہبی رہنمائی وہ شخص کر سکتا ہے یا مسلمانوں کا لیڈر وہ شخص بن سکتا ہے جو اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ اور اتباع شریعت میں کوسوں پیچھے دور ہو۔ یا وہ شخص جو متبع شریعت اور اسلامی روایات اور اصول کا پابند اور آشنا ہو۔ اگر یہ ثانی الذکر ہو سکتا ہے۔ تو پھر ہم اس چیز کے دریافت کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کا رہنما اور لیڈر مسٹر جناح بن سکتے ہیں یا مولانا حسین احمد صاحب۔ ع۵

امید کہ حضرت والا جواب باصواب سے جلد از جلد نوازتے ہوئے شکر گذاری کا موقع عنایت فرمائیں گے۔ اور بہتر ہوگا اسی کاغذ میں جوابات تحریر فرما کر ارسال فرمائیں گے۔

(۵۰) مکتوب حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بجواب مولوی احمد اسمٰعیل صاحب

مکرمی سلام مسنون بجواب عنایت نامہ عرض ہے کہ

ع۱ میں نے روایات کا لفظ نہیں لکھا بلکہ طرزِ عمل لکھا ہے۔

ع۲ نصب العین یا دستور اساسی اور طرزِ عمل کیا ایک ہی چیز ہیں۔

شیخ الہندؒ کا ہرگز وہ طرز عمل نہ تھا جو آجکل جمعیۃ علماء دہلی کا ہے | ع۳ میں اپنے مشاہدات کی بناء پر یقین رکھتا ہوں کہ جو طرز عمل آج جمعیۃ علماء کا ہے۔ ہرگز حضرت شیخ الہندؒ کا نہ تھا وہ (معاذ اللہ) ہندو اکثریت کی دم کبھی نہیں بنے نہ ان کا تابع مہمل بن کر رہے۔ وہ تو غالباً کانگریس کے چار آنے والے ممبر بھی نہ تھے۔ ان کے آخری پیغام صدارت کو دیکھئے جو وفات سے نو دن پہلے جمعیۃ العلماء کے اجلاس دہلی میں پڑھا گیا تھا اس سے دو قوموں کا نظریہ بھی سمجھ میں آجائے گا۔

ع۴ میرے نزدیک مفید ہے۔

ع۵ یہ الفاظ میرے بیان میں نہیں۔ اصل الفاظ نقل کرنے چاہئیں تب جواب دیا جا سکتا ہے۔

موجودہ سیاسیات میں مسٹر جناح کی قیادت | ع۵ خالص مذہبی حیثیت سے مولانا سے مسٹر جناح کا مقابلہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ آجکل دنیا کی سیاست اسلامی سیاست نہیں بلکہ یہ سیاست بہت ہی گہرے اور باریک اصول مکر و کید پر مبنی ہے اس کا توڑ وہ کر سکتا ہے جو پہلے ان آئینی چالوں کو سمجھ لے اس اعتبار سے بکثرت مسلمانوں نے مسٹر جناح کو آگے رکھا ہے کہ وہ انگریز اور اس کے شاگرد ہندو کی چالوں اور ان کے داؤ پیچ کو بخوبی سمجھتا ہے اور ان کا مکر و کید ان ہی کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اگر یزید کی قیادت میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ و تابعین غزوۂ قسطنطنیہ میں کام کر سکتے ہیں تو یہاں کے مسلمان مسٹر جناح کی قیادت میں کیوں یہ سیاسی کام نہیں کر سکتے۔ والسلام۔

شبیر احمد عثمانی

۷ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ (نومبر ۱۹۴۵ء)

مکتوب مولوی عبدالاحد صاحب قاسمی ع؂ پور بیبن چوکبازار ڈھاکہ بنام علامہ

حضرتنا المطاع! زید مجدکم السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آجکل سیاسی بحران کے پُرفتن دَور میں علمائے کرام کے معمولی سے معمولی اختلاف کو جو حیثیت دے دی گئی ہے. وُہ حضرت والا سے یقیناً مخفی نہیں ہے۔ بنا برعلیہ قلبی اطمینان کے لئے حسب ذیل اُمور دریافت طلب ہیں۔ للہ جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عطا فرمائیں۔

ع۱ کیا مولانا حسین احمد صاحب نے گاندھی کی پالیسی کو جمعیۃ العلماء کا نصب العین بنالیا؟

ع۲ جمعیۃ علماء اسلام کے نام سے جو جمعیۃ کلکتہ میں قائم ہوئی ہے۔ کیا اس کا مسلک وہی ہے جو حضرت سیدنا الامام شیخ الہند مولانا محمود حسن کا تھا۔

ع۳ کیا حضرت والا مسلم لیگ کے ممبر نہیں؟

ع۴ قومی مدارس اسلامی (جو برطانیہ کی تائید سے مبرا ہیں) کو چھوڑ کر برطانیہ کے ماتحتی تعلیمی اداروں میں (جہاں اعلانیہ فسق وفجور کا شیوع طلبہ واساتذہ میں ہوتا ہے) حدیث پڑھانے پر مقرر ہونا کیا اکابر دیوبند کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔

ع۵ ڈھاکہ کی جمعیۃ جو چند سال سے جمعیۃ علماء ہند کے ماتحت کام کر رہی ہے۔ اس کے بارہ میں از رُوئے شریعت اسلام حضرت والا کیا فرماتے ہیں کہ وہ جمعیۃ علمائے اسلام کلکتہ کے ساتھ متعلق ہو جائے یا پُرانی جمعیۃ علمائے ہند ہی کے ساتھ تعلق رکھے۔

ع۶ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ کے بارہ میں عام طور پر افواہ ہے۔ کہ وہ حکیم الامت تھانویؒ کے اب خلیفہ نہیں رہے۔ کیونکہ حضرتؒ نے خلافت چھین لی تھی۔ کیا اس کی کچھ اصلیت ہے۔ یہ چند شبہات تھے۔ جو پیش خدمت کئے گئے۔ آستانۂ عالیہ سے اُمید ہے کہ جواب سے جلد سرفراز کیا جاؤں۔ والسّلام

(۵١) مکتوب حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد صاحب بجواب مولوی عبدالاحد صاحب قاسمی

مکرمی! سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ

ع۱ نصب العین تو نہیں لیکن عملاً اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ جمعیتہ بالکل کانگریس کے تابع ہے اور کانگریس کا گاندھی جی کی پالیسی پر چلنا کسی عاقل سے مخفی نہیں۔

ع۲ بنیادی حیثیت سے سیاسی مسلک وہی ہے ہاں جو صورت حالات اب ہے اُس وقت وہ نہ تھی اس لئے جزماً دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اب اگر زندہ ہوتے تو کیا طریق کار اختیار کرتے

ع۳ ممبر نہیں۔

ع۴ یہ حالات و مصالح کی رعایت سے حکم لگا سکتے ہیں۔ عام حکم نہیں دیا جا سکتا کسی مفتی سے مفصل فتویٰ منگا لیں۔

ع۵ یہ آپ حضرات کی صوابدید پر ہے۔ سوچ سمجھ کر جو جانب آپ کو اصلح اور مسلمانوں کے لئے انفع معلوم ہو وہ اختیار کیجئے۔

ع۶ مجلس کی کوئی تحقیق نہیں۔ حضرت تھانویؒ کے دوسرے خلفاء وغیرہ سے معلوم کر لیجئے۔

شبیر احمد عثمانی - از دیوبند

۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

مکتوب جناب بشیر الدین احمد صاحب میرٹھ شہر بنام علامہؒ

محترمی و معظمی قبلہ جناب حضرت مولانا صاحب دام فیوضکم۔ التماس خدمت جناب کے نام سے مَیں نے ایک اشتہار پڑھا جو کہ ہمراہ رکھتا ہوں۔ مجھ کو یقین نہیں آیا کہ آپ کی طرف سے یہ اشتہار شائع ہوا ہے۔ یقین کامل حاصل کرنے کے لیے جناب کو تکلیف دے رہا ہوں۔ آپ نے پُورے یقین کے ساتھ مسلم لیگ کو ووٹ دینے کی دعوت فرمائی ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ میں خود ۱۹۴۴ء تک

مسلم لیگ میں کام کرتا رہا ہُوں - اور مجھ کو اِن سراور خان بہادروں اور سرمایہ داروں کی حالت کا بہت اچھی طرح پتہ ہے - اور جو ان کا مقصد ہے خُوب جانتا ہُوں - مَیں اکثر لاہور رہتا ہوں - اور حالات دیکھتا ہوں -

.... مَیں مسلم لیگ کے بعد سے مجلس احرار اسلام کا ایک ادنیٰ خادم ہُوں جو کہ کسی بھی غیر مسلم کو اپنے میں ملانا اپنا پروگرام نہیں رکھتی اور حکومت الٰہیہ اس کا مقصد ہے جس سے کہ کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ مجلس احرار چاہتی ہے کہ مسلمان ایک پلیٹ فارم پر آجائیں اور حکومت الٰہیہ کو قائم کریں جس کے بغیر مسلمان زندہ نہیں رہ سکتا۔ خدا کے واسطے جواب سے مستفیض فرمائیں کہ کیا واقعی آپ نے مسلم لیگ کی جانچ پڑتال کی ہے۔ اپنے ٹھیک خیال سے آگاہ فرمائیں۔ مجھ کو آپ پر پورا پورا اعتبار ہے مَیں سمجھتا ہوں کہ شائد مجھ کو کچھ سمجھنے میں غلط فہمی ہو۔

آپ کے ان بیانات سے مسلمان عجیب پریشانی میں پڑ گئے ہیں - ایک طرف آپ ہیں اور دُوسری طرف آپ کے بھائی مدنی صاحب ہیں یہ چیز مسلمانوں میں بہت اختلاف پیدا کر رہی ہے۔ سادہ لوح مسلمان کا دماغ پریشان ہے۔ کس کی مانی جائے - دونوں عالم اور مولانا۔ جواب جلد عنایت فرمائیں۔

آپ کا ناچیز خادم

احقر بشیر الدین احمد

عقب تحصیل مکان ۱۸۱/۱۵ میرٹھ شہر

(۵۲) مکتوب حضرت مولانا شبیر احمد صاحب بجواب بشیر الدین صاحب

برادر محترم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ گرامی نامہ پہنچا۔ آپ نے جو کچھ لیگ والوں کے حالات اپنے تجربہ کی بنا پر معلوم کئے ہیں مجھے ان کی تفصیلات نہ پُوری معلوم ہیں اور نہ سردست یہ چیز اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ اس وقت تو ایک اُصول کی جنگ ہے اور اسی اصول پر لیگ کانگریس کا مقابلہ کر رہی ہے

مسلم لیگ اور کانگریس میں اُصولی اختلاف لیگ کہتی ہے کہ کم از کم ہندوستان کے ایک وسیع علاقہ میں مسلم قوم کی آزاد حکومت ہو جسے پاکستان کہا جاتا ہے۔ کانگریس اس اُصول کو نہیں مانتی کیونکہ ہندو قوم کا غلبہ ہے اور اس کا فائدہ اس میں ہے کہ ملک کو پوری آزادی ملے یا نہ ملے مگر کسی وقت اور کسی جگہ ہندو اکثریت کا طوق غلامی مسلمانوں کی گردن سے نکلنے نہ دیا جائے مسلمانوں میں اس وقت جو کانگریس کی امدادی اور معاون جماعتیں ہیں وہ ان کے ہمنوا ہیں اسی لئے لیگ ان جماعتوں کے مقابلہ پر بھی مجبور ہوئی ورنہ اصل مقابلہ ان سے نہ تھا۔ مَیں نے اور بہت سے دوسرے علماء نے فی الحال جو تائید مسلم لیگ کی ہے اس سے مقصود صرف اس اُصول کی تائید ہے جس کو ہم قواعد شریعت کے موافق سمجھتے ہیں اور ہمارے نزدیک اس کے خلاف کرنے میں مسلمانوں کا عظیم اور دائمی نقصان نظر آتا ہے۔

حکومت الٰہیہ کا نصب العین اور اسکی تشریح حکومت الٰہیہ کے نصب العین سے کون مومن انکار کر سکتا ہے اب اگر حکومت الٰہیہ سے مُراد خدا کی وہ حکومت لی جائے جو تکوینی طور سے تمام مخلوقات پر اُسے خود بخود حاصل ہے۔ جیساکہ قرآن کریم میں فرمایا۔ وَلِلّٰہِ مُلکُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ یا فرمایا وله اسلم من فی السمٰوات والارض طوعًا وکرهًا والیه یرجعون۔ تو یہ بحث سے خارج ہے اور اگر تشریعی حکومت مُراد ہے تو یہ حکومت الٰہیہ ہم سردست ہندوستان میں کس جگہ قائم کریں گے۔ کیا ہندو مُسلم کی مخلوط حکومت میں جہاں ایک اور تین چوتھائی کی نسبت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ صُورت حکومت الٰہیہ کی نہیں ہو سکتی اس لئے ضرورت ہے کہ کوئی وسیع خطہ پہلے ہم ایسا حاصل کر لیں جہاں حکومت الٰہیہ قائم کر سکیں۔ اب اگر پاکستان کا فیصلہ ہو جائے تو وہ ایک جگہ ایسی ہوگی جہاں قانون سازی کی طاقت مسلم اکثریت کے پاس رہے گی۔ لیگ کے موجودہ قائدین بھی بار بار اعلان کر رہے ہیں کہ پاکستان میں حکومت قرآنی اُصول کے مطابق شریعت مطہرہ کی قائم ہوگی۔ ابھی حال میں بمقام پشاور پھر مسٹر جناح کے اعلان کا اعادہ کیا ہے اگر فرض کیجئے اس وقت یہ لوگ منحرف ہو جائیں تو احرار تمام مسلمانوں کی طاقت ساتھ لے کر ان کو حکومت الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ پھر آئندہ اللہ چاہے تو اس کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ بہرحال میں یہ سمجھتا ہوں کہ حکومت الٰہیہ کے حصول کے لئے پاکستان ہی زمین تیار کرے گا۔

رہا علماء کا اختلاف یہ رایوں کا اختلاف ہے ہر شخص کو اختیار ہے کہ جسکو وہ اچھا سمجھے اس پر عمل کرے۔ جس طرح ایک مریض شہر کے جس طبیب سے چاہے علاج کرائے۔ ہاں یہ عالم یا حکیم مشورہ اپنی طرف سے وہ ہی دیگا جسے وہ لوگوں کے حق میں مفید اور نافع سمجھے گا۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی از دیوبند

۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

خط مولانا عبدالحنان صاحب مظاہری محلہ قاضی پور شہر گورکھپور بنام علامہ عثمانی

محترم المقام جناب مولانا صاحب زاد مجدہٗ

السلام علیکم۔ اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب والا مسلم لیگ کی حمایت کر رہے ہیں اور لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو سفینۂ نجات اور پاکستان کو اقرب الی الشریعۃ متصور فرماتے ہیں مجھے کسی طرح یقین نہیں آتا کہ جناب والا جیسا متبحر عالم ایسا بیان شائع کرے گا میرا خیال ہے کہ لیگ والے اپنے پروپیگنڈے کے لئے بالکل فرضی پیامات جناب کی طرف منسوب کر کے اخبارات میں شائع کرتے رہتے ہیں۔ چند دیندار مسلمانوں کی رائے ہوئی کہ جناب والا سے براہِ راست خط و کتابت کر لی جاوے۔ تاکہ جناب کے خیالات صحیح طور پر معلوم ہو سکیں۔

جناب کو معلوم ہوگا کہ یہ مسلم لیگ وہ ہی ہے۔ جس کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے کلکتہ کے ایک عظیم الشان جلسہ میں فخریہ طور پر فرمایا تھا کہ میں نے اس ناپاک جماعت کے وقار کو ختم کر دیا جو اپنے آپ کو علماء کہتی ہے۔ جناح صاحب کی یہ تقریر لیگی اخبارات میں شائع ہو ہو چکی ہے۔ جناب اس سے ضرور واقف ہونگے گو یہ مسلم لیگ وہ ہی ہے۔ جس کے مشہور و معروف رہنما نواب محمد اسمٰعیل خان لیڈر مسلم لیگ پارٹی یو۔پی نے شریعت بل کی مخالفت کی اور نائب امیر شریعت صوبہ بہار حضرت مولانا محمد سجاد مرحوم سے فرمایا تھا کہ کیا آپ شریعت بل پاس کرا کے ہم لوگوں کو مسجد کی چٹائی توڑنے والے ملاؤں کا محتاج بنانا چاہتے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہماری جماعت آپ لوگوں کو ایسا موقع نہیں دے سکتی۔ کیا ان مصدقہ واقعات

کے ہوتے ہوئے کوئی غیرت مند عالم مسلم لیگ میں شامل ہو سکتا ہے یا اسکی حمایت کر سکتا ہے۔

پاکستان کی تشریح مسٹر جناح اور نواب زادہ لیاقت علی خان کے بیانات کے مطابق یہ ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبہ پنجاب، سرحد، سندھ، بلوچستان کی حیثیت ایک ریاست کی ہوگی اور اس میں موجودہ طرز کی جمہوری حکومت ہوگی ہندو مسلمانوں کو تناسب آبادی کے اعتبار سے میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ نیز اسمبلی وغیرہ میں ممبری نیز ملازمتیں ملیں گی۔ اس صورت میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد ۶۵ فیصدی ہوگی اور ہندوؤں کی ۳۵ فیصدی۔ برخلاف اس کے بہار، یو۔ پی، مدراس، سی پی، بمبئی، اڑیسہ، آسام میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد ۱۸ فیصدی ہوگی۔ بین الاقوامی جمہوری قانون کی بناء پر مسلم پاکستان ہندوؤں کو راضی کرنے کے لئے مجبور ہے۔ بغیر ان کو رضامند کئے ہوئے وہ حکومت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کی تعداد وہاں ۳۵ فیصدی سے زائد ہوگی۔ برخلاف اس کے ہندو ہندوستان میں مسلمانوں کو رضامند کرنے کے لئے مجبور نہیں ہے کیونکہ اتنی غیر مؤثر اقلیت کی رضامندی کے بغیر حکومت چلائی جا سکتی ہے اس وقت جبکہ صوبہ یو۔ پی میں ۲۵ فی صدی ملازمتیں گورنمنٹ کے تمام محکموں میں مسلمانوں کو مل رہی ہیں۔ تو مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی ہے۔ جب صرف ۱۷ فیصدی ملازمتیں ملیں گی تو کیا حالت ہوگی کیا یہ صورت مسلمانوں کے لئے نقصان دہ نہیں ہے کیا ایسی صورت میں پاکستان کو اقرب الی الشریعۃ کہا جا سکتا ہے؟

بعض مخلص مسلمانوں کا یہ فارمولا کہ مرکز ایک ہو لیکن ممبران ۴۵ فیصدی ہندو ۴۵ فی صدی مسلمان ۱۰ فیصدی اچھوت وغیرہ ہوں اور کوئی تجویز ایسی پیش نہ ہو جو کسی کی تہذیب اور مذہب کے خلاف ہو اور جب تک ۲/۳ مسلم ممبر اس کی حمایت نہ کریں اس پر بحث نہ ہو سکے۔ کیا آپ کے نزدیک یہ فارمولا سفینۂ نجات نہیں بن سکتا؟

مہربانی فرما کر جواب سے جلد مطلع فرمائیے۔ مسلمانان گورکھپور جواب کے بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔ والسلام

عبدالحنان مظاہری
محلہ قاضی پور شہر گورکھپور

(۵۳) مکتوب عثمانی بجواب مولانا عبدالحنان صاحب مظاہری

۱ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

۲ وہ بیانات میرے ہیں محض پروپیگنڈا نہیں۔ البتہ الفاظ میں کچھ اختصار ہوگیا ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں کہ "اس وقت مسلم لیگ کو مسلمانوں کے قومی وسیاسی استقلال کے لئے سفینۂ نجات تصور کرتا ہوں۔"

۳ اس کی تشریح بھی بعد میں لیگ والوں کی طرف سے ہو چکی ہے کہ اس سے تمام مراد نہیں خاص قسم کے علماء مراد ہیں۔

۴ جی واقف ہوں مگر اس کا علاج یہ تھا کہ علمائے جمہور کی طاقت لے کر لیگ میں شامل ہوتے اور اپنا اقتدار منواتے اور عوام کی طاقت سے ایسے لوگوں کو ان عہدوں سے ہٹا کر خود لیگ پر قبضہ کرتے۔ نہ یہ کہ اسلامی مفاد کو پس پشت ڈال کر کفار کو اپنا بطانہ بنالیں

۵ یہ تقریر میں نے نہیں پڑھی اگر صحیح ہو تو اس کا جواب وہی ہے۔ جو ۴ میں گذرا۔ اور اب انہی صاحب کی وہ اپیل پڑھیے۔ جو منشور مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء شائع ہوئی ہے۔ نیز وہ پیغام جو جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ کو انہوں نے بھیجا ہے اور مسلم لیگ کے دستور اساسی کی ابتدائی دفعات بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

۶ نواب زادہ کی اس تقریر کا کٹنگ میرے پاس بھیج دیجئے۔ پھر یہ شخصی رائے ہے۔ مسلم لیگ کا پاس کیا ہوا رزولیوشن نہیں۔ اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ تمام پاکستانی صوبہ جات کا ایک مستقل مرکز ہوگا جو پورے پاکستان کا دستور بنائے گا۔ اسی دستور اساسی کے تحت صوبے کام کریں گے اس مرکز میں پاکستان کی مجموعی تعداد کے اعتبار سے یہ نسبت نہیں رہیگی وہاں تقریباً سات اور ڈھائی کا تناسب ہوگا۔ اقرب الی الشریعۃ اس لئے کہا گیا ہے۔ کہ پاکستان کی بناء جغرافیائی تقسیم پر نہیں بلکہ مسلمانوں کو ایک مستقل قوم تسلیم کر لینے پر ہے۔ وہ من حیث القوم دوسری قوم سے مساویانہ معاہدات کرے گی اور دونوں قومیں ان ہی معاہدات کے تحت اپنے اپنے ہاں انتظامات کرنے پر مجبور ہوں گی دو قوموں کے معاہدات کے تحت

---

۱ راز داں دوست

اپنے اپنے ہاں انتظامات کرنے پر مجبور ہوں گی دو قوموں کے معاہدات میں عدد کی قلت و کثرت کا اعتبار نہیں ہوتا پھر پاکستان کے متصل ایسے ملک ہیں جن سے آزاد پاکستان معاہدات کر کے زیادہ سے زیادہ قوت حاصل کر سکتا ہے۔

عـ۵ اس کا جواب میرے اس مضمون میں موجود ہے جو منشور[عـ۶] ۲ر نومبر میں چھپا ہے۔

شبیر احمد عثمانی از دیوبند
۱۷ ر ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ (نومبر ۱۹۴۵ء)

عـ۶ یہ مضمون اسی مجموعہ میں سب سے اول درج ہے۔

مکتوب مولوی ارشاد الحق صاحب قاسمی قصبہ مئو محلہ اورنگ آباد بنام عثمانیؒ

اُستاذی مولائی دامت برکاتہم۔ السلام علیکم۔ مزاج مقدس۔

ایک ضروری گذارش کے لئے یہ عریضہ ارسال خدمت ہے، اُمید کہ حضور والا تشفی بخش جواب سے مطلع فرما کر کش مکش اور اضطراب کے تلاطم خیز سمندر سے رہائی دلائیں گے۔ سیاسی دنیا میں آج جو کھلبلی اور ہلچل مچی ہے غالباً حضور والا سے بھی مخفی نہ ہوگا۔ بالخصوص جب سے کہ حضور والا کی طرف منسوب کر کے منجانب مسلم لیگ آئے دن فتاوے اشتہارات پوسٹر ہندوستان کے ہر ہر کوچہ و گلی میں چسپاں کئے جا رہے ہیں۔ ہمارے جیسے علماء پرست اور خواص کہ حضور والا سے عقیدت رکھنے والے سخت حیران و پریشان ہیں جبکہ ہندوستان کے اکابر[عـ۱] اور مقتدر علماء کانگریس کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں اور کیا آپ کا یہ ارشاد ہے کہ کانگریس یا جمعیۃ العلماء[عـ۲] ہند کو سوائے مسلم لیگ کے کامیاب بنانا سیاستاً اور مذہباً ناجائز ہی نہیں بلکہ مسلمانوں اور اسلام کو سخت نقصان میں ڈالنا ہے یا غلط آپ کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے[عـ۳]۔

سوالات

(س) سیاسی اعتبار سے حضور کا کیا خیال ہے[عـ۴]

(س) کانگریس یا جمعیۃ العلماء کو کامیاب بنانا جائز ہے یا ناجائز[عـ۵]

(س) مسلمانوں کا زیادہ فائدہ ان دو جماعتوں سے کس سے زیادہ ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے[عـ۶]۔

(س) اور ہم عقیدت حضور کس کے ساتھ مل کر کام کریں۔ ع۵

جوابی لفافہ۔ نیز کاغذ مزید احتیاط کے لئے ارسال ہے امید کہ تلمیذ ناخلف کو بالا مذکورہ سوالوں کے جواب سے مطلع فرما کر ذرہ نوازی فرمائیں گے نیز رفع انتظار کی تکلیف سے بچائیں گے فقط والسلام۔

ارشاد الحق قاسمی ابن حکیم مولانا عبدالغفار صاحب

قصبہ مئو محلہ اورنگ آباد۔ یوم سہ شنبہ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

(۵۴) مکتوب عثمانی بجواب مولانا ارشاد الحق صاحب قاسمی

مکرمی سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ :۔

ع۱ بعض اکابر کی حد تک یہ دعویٰ صحیح ہے۔ کل یا اکثر پر یہ حکم نہیں لگا سکتے۔

ع۲ "یا" سے یہ تردید کیسی۔ اس وقت جمعیۃ العلماء کی کامیابی کانگریس کی کامیابی ہے

ع۳ یہ الفاظ تو میرے نہیں۔ ہاں یہ ضرور سمجھتا ہوں کہ اس وقت مسلم لیگ کی ناکامی مسلم قوم کے لئے بہت ضرر رساں ہے۔

ع۴ اوپر جواب گذر چکا۔

ع۵ اس وقت مسلم لیگ کی کامیابی سے زیادہ توقع ہے۔

ع۶ جدھر آپ کا قلب غور و فکر اور اخلاص نیت کے ساتھ حکم کرے۔ میں اپنا خیال عرض کر چکا ظاہر ہے میں وہی بتاؤں گا جو خود اچھا سمجھتا ہوں۔

شبیر احمد عثمانی از دیوبند

خط مولانا علی احمد صاحب مدرسہ ناصر الاسلام فتحپور ضلع چاٹگام بنام علامہ رح

از طرف احقر الوریٰ علی احمد عفی عنہ

شرف ملاحظہ حضرت العلام حجۃ الاسلام رئیس المحدثین والمفسرین شیخ عثمانی صاحب دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد گذارش بخدمت مخدوم اعلیٰ یہ ہے کہ احقر الخدام

نوعی[1] خیریت رہ کر خیریت آنجناب بدرگاہ خدا وند کریم شبا روز طالب ہوں آمین ثم آمین۔ دیگر دست بستہ گذارش بخدمت اقدس یہ ہے کہ احقر بوجہ شامت اعمال خط خطوط دے کر از استفادۂ مخدوم محروم امید کہ احقر کو یقیناً معاف فرمودہ از دعائے قلبی فراموش نہ فرماویں۔ اور حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب صدیقی کو منجانب احقر سلام مع الکرام مقبول باد اور دیگر عرض نیاز یہ ہے کہ آجکل دُنیا میں جو جو جماعتیں اپنی صدر کی ماتحت کام کر رہی ہیں ان میں سے ایک مسلم لیگ جو مسٹر جینا کے تحت میں ہیں دیگر جمعیۃ العلماء ہند جن کی صدر مولانا مدنی صاحب ہیں لیکن آج دو چار روز گذر چکی کہ میرے مخدوم اعلیٰ جمعیۃ العلماء اسلام کی ہمیشہ کے لئے صدارت منظور فرما چکے ہیں احقر یہ چیز جس وقت سُنا اسی وقت سے نہایت ہجوم وغموم میں مبتلا ہے صرف احقر نہیں بلکہ بنگال کی وہ علمائے کرام جو حضرت والا سے تعلق رکھتے ہیں حیران ہیں۔ آپ حضرت والا سے دست بستہ درخواست ہے کہ حضرت والا کی حالات سے تسلّی وتشفی فرمائیں اور احقر کس جماعت میں شریک ہو۔ حضرت مخدوم اعلیٰ سے مشورہ طلب کرتا ہے کیونکہ دونوں پارٹی کی لوگ احقر کو مجبور کر رہے اور حضرت والا کے لیے جو تیل احقر نے ارسال خدمت کیا اس کو صرف بجائے درد گرم کر کے مالش کریں۔ اور حضرت والا کی حالات سے اطلاع فرمودہ بندہ مغموم مہجور الوصال کو مشکور وممنون سازند فقط احقر علی احمد غفرلہٗ

اور اگر حضور فرماویں کہ کسی جماعت یا پارٹی میں شریک نہ ہونا میرے لئے مفید ہے تو کسی میں شریک نہ ہوں گا ۱۲۔

(۵۵) مکتوب عثمانی بجواب مولانا علی احمد صاحب

برادر عزیز سلمہٗ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون آنکہ خط پہنچا۔ الحمد للہ مجھے بہت کچھ صحت ہے۔ مرض کا خفیف اثر باقی ہے۔ انشاء اللہ وہ بھی زائل ہو جائے گا۔ یہ خبر سُن کر کہ جمعیۃ علماء اسلام نے مجھے مستقل صدر منتخب کیا۔ خدا جانے آپ کیوں ہموم وغموم میں پڑ گئے اور دوسرے لوگ کیوں حیران ہیں۔ اس کے مقاصد کیا برے ہیں اور اس کے موجودہ طرز عمل پر کیا اعتراض ہے

[1] یہ ایک بنگالی صاحب کا خط ہے اس لئے جس عبارت میں انہوں نے لکھا ہے ویسا ہی نقل کر دیا ہے۔ (مرتب)

رہا مسلم لیگ، اور جمعیۃ العلماء ہند کا مقابلہ وُہ سرے سے بے موقع ہے۔ اصل مقابلہ لیگ کا کانگریس سے ہے۔ کانگریس یہ چاہتی ہے کہ ہندوستان کو آزادی ملے یا نہ ملے مگر اکثریت کی غلامی کا طوق کبھی اور کسی جگہ مسلمانوں کے گلے سے نکلنے نہ پائے۔ مسلم لیگ کہتی ہے کہ یہاں دو مستقل قومیں آباد ہیں جس صُوبہ میں جس قوم کی اکثریت ہے وہاں وُہ آزاد ہو۔ اور دونوں قومیں آپس میں باعزت اور مساویانہ معاہدہ کرکے سارے ملک کی آزادی اور خوشحالی کا سامان کر سکیں۔

اسی اُصول پر مسلم لیگ الیکشن لڑ رہی ہے۔ یہ اُصول بلا شبہ اُصولِ فروغ شریعت سے اقرب اور مسلمانوں کے حق میں احوط ہے۔ اس کے خلاف کانگریس میں کچھ مسلمانوں کا بلا شرط و معاہدہ منفرد اور منتشر طور سے شریک ہونا اس وقت مسلمانوں کے لئے سخت مضر ہے۔ بنائً علیہ میں دریافت کرنے والوں کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اس وقت شخصیات سے بے پرواہ ہو کر مسلم لیگ کے نامزد کردہ اُمیدوار کو ووٹ دیا جائے۔ اب جو مسلم جماعتیں کانگریسی نظریہ کی حامی اور لیگ کے نظریہ کی مخالف ہیں۔ خواہ جمعیۃ العلماء ہو یا کوئی اور ان کو ووٹ دینا فی الحقیقۃ کانگریس ہی کو ووٹ دینا ہے۔ لہٰذا اس کا بھی وہ ہی حکم ہوگا۔

شبیر احمد عثمانی از دیوبند

خط جناب شورش صاحب رسولپورہ مالیگاؤں ضلع ناسک بنام علامہؒ

۷۸۶

اسلامی شریعت میں قیادت و امارت کا سوال

مالیگاؤں ۳ر نومبر ۱۹۴۵ء

محترم قبلہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب مدظلہ العالی۔ السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

گذارش ہے کہ "عصر جدید" کلکتہ میں آپ کا وُہ پیغام جو آپ نے جدید جمعیۃ العلماء اسلام کے اجلاس کے لئے روانہ فرمایا۔ دیکھا۔ مضمون کے آغاز میں آپ نے جتنی باتیں لکھی ہیں اس سے ہمیں کچھ اختلاف نہیں۔ لیکن بعد میں مسلم لیگ کی حمایت میں جتنے دلائل پیش کئے ہیں

میری ناچیز رائے میں مسلم لیگ اس کی اہل نہیں۔ مَیں مانتا ہوں کہ اس وقت مسلم لیگ کے ساتھ سواد اعظم ہے۔ لعینہٖ اسی طرح جس طرح امام امت حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف مسلمانوں کی اکثریت یزید کے ساتھ تھی۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سواد اعظم کا ہر حکم مسلمانوں کے لئے واجب تعمیل ہے۔ تو نعوذ باللہ حضرت امام حسین رضؓ صاحب نے اس حکم سے کیوں سرتابی کی۔

اسلامی شریعت میں جماعت کی تشکیل کس نہج پر ہونی چاہئے آپ نے اپنے بیان میں اس کی تصریح نہیں فرمائی۔ قرآن مجید میں "حبل اللہ" کے متعلق جو آیت نازل ہوئی تو کیا وہ مسلم لیگ پر صادق آتی ہے۔ جبکہ قائد اعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ ہائی کمان کے اکثر ارکان شعائرِ اسلامی کی علی الاعلان بے حرمتی کرتے ہیں۔ کیا اسلامی جماعت کا قائد کسی فاجر و فاسق کو بنایا جاسکتا ہے جبکہ سواد اعظم بھی مصر ہو کہ ہمارا قائد اعظم مسٹر جناح ہی ہے۔ کیا ہندوستان میں ہزاروں علماء اور نائبین رسولؐ کے ہوتے ہوئے مسٹر جناح مسلمانوں کے قائد اعظم ہو سکتے ہیں۔ برائے مہربانی ان تمام سوالوں کے جوابات براہِ راست میرے پاس روانہ فرمائیں یا بمبئی کے روزناموں میں شائع فرمائیں۔

اخیر میں آپ سے مَیں معافی چاہتا ہوں کہ مجھ جیسا گناہ گار انسان آپ جیسے جید عالم سے اس قسم کے سوالات کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ اس قسم کے سوالات کرتے وقت میرے سامنے حضرت فاروق رضؓ کا اسوۂ حسنہ ہے کہ ایک معمولی بدو خلیفۂ وقت حضرت عمر رضؓ فاروق سے بھری مجلس میں سوالات کرتا ہے اور حضرت فاروق اعظم نہایت نرمی سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ اسی طرح آج بھی ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ محمد علی جناح اور مسلم لیگ ہائی کمان سے باز پرس کرے۔ فقط

شورش مالیگانوی

رسولپورہ۔ مالیگاؤں (ضلع ناسک)

(۵۶) مکتوبِ عثمانی بجواب شورش صاحب

از دیوبند - ۶ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

برادرِ مکرم - بعد سلام مسنون آنکہ -

میں نے اپنے مضمون میں سوادِ اعظم سے کوئی بحث نہیں کی - اس لئے اس کی جواب دہی کی مجھے ضرورت نہیں - آیۃ "حبل اللہ" سے مُراد قرآن مجید لیا ہے - مسٹر محمد علی جناح اور دُوسرے اکابر لیگ برابر اعلان کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے - کہ قرآن کریم کی ہدایاتؔ تعلیمات کا اتباع کریں - اگر ان کا عمل اس کے خلاف ہے تو فسق ہو گا - ہم جیسے کتنے ہی علماء ہیں جو دُوسروں کو شب و روز نصیحت کرتے ہیں مگر عملدرآمد بہت سی چیزوں میں اس کے موافق نہیں - حافظ شیرازیؒ نے اسی کا شکوہ کیا تھا - "واعظان کین جلوہ بر محراب و منبر می کنند"

مقصد یہ ہے کہ محض بدعملی سے کوئی شخص کافر نہیں ہو جاتا -

باقی ارکان اسلام اور شعائر اللہ کی علی الاعلان بے حرمتی یہ مجھے معلوم نہیں اس کی تفصیل آپ نے کچھ نہیں کی تا کہ رائے قائم کی جاتی -

سیاسیات حاضرہ میں مسٹر جناح کی قیادت | بلاشبہ ہندوستان میں بڑے بڑے علماء دین اور نائبین رسولؐ

موجود ہیں لیکن آج دُنیا میں جو سیاسی داؤ پیچ چل رہے ہیں اور عصری سیاست جن دُور رس اُصول مکر و کید پر مبنی ہے اس کی مہارت ہمارے بہت سے علماء کو حاصل نہیں بلکہ اسکا سمجھنا بھی دُشوار ہے - اس لئے اس کا توڑ بھی مشکل ہوتا ہے - فرض کیجئے ایک بڑے سے بڑا زبردست عالم باوجود اپنے عظیم علم و تقویٰ کے ٹینک یا ہوائی جہاز کا استعمال کرنا نہیں جانتا تو اگر ایسے شخص سے یہ کام لیا جائے جو اس سے واقف ہو گو علم دین کا ماہر نہ ہو تو اس میں علماء کی کچھ تنقیص نہیں

آپ نے شائد سُنا ہو گا کہ غزوۂ قسطنطنیہ کی جو بشارت صحیح بخاری کی حدیث میں آتی ہے - اس کا امیر لشکر یزید بن معاویہ تھا اور اس کی کمانڈ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ متعدد صحابہ کام کر رہے تھے - اسی غزوہ میں حضرت ابوایوبؓ کی وفات ہوئی - اور قسطنطنیہ کے پھاٹک کے قریب دفن کئے گئے - تو کیا کوئی مسلمان یہ کہنے کی جُرأت کر سکتا ہے کہ

حضرت ابوایوب جیسے صحابہ اور ہزارہا تابعین کی موجودگی میں یزید سب سے زیادہ افضل تھا پھر اس کی قیادت میں جنگ کرنا کس طرح ان بزرگ ترین افراد نے قبول کیا۔ اور دُور کیوں جایئے خود حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور دوسرے اکابر جمعیۃ العلماء ہند نے ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں شریک ہو کر اسی جناح کی صدارت و قیادت میں کس قدر شدّ و مد سے حصّہ لیا۔ اور جس قسم کے بیانات آج اس کے خلاف دیئے جا رہے ہیں اس وقت اس کی موافقت میں دیئے حالانکہ یہ سب احوال جو آپ مسٹر جناح اور لیگ والوں کے بیان فرما رہے ہیں اس وقت بھی موجود تھے۔ اب اگر کوئی مسلمان ان کے ساتھ لیگ میں شرکت کرتا ہے تو کیوں مورد اعتراض ہے۔ والسّلام

شبیر احمد عثمانی از دیوبند

۶ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ (نومبر ۱۹۴۵ء)

خط حکیم رشید علی صاحب از مراد آباد بنام علّامہ رح

مخدومی و مکرمی حضرت مولانا دام مجدکم العالی۔

السّلام علیکم۔ بندہ ناچیز آپ کے متوسلین میں ہے اور جماعت دیوبند سے منسلک مگر موجودہ سیاسی خلفشار میں سخت پریشان ہے خدارا میری مدد کیجئے اس وقت ان لوگوں کی زندگی بہت تلخ ہے جو علماء سے اپنے دامن کو وابستہ رکھتے ہیں مغربی تہذیب والے تمام علماء کے وقار کو بلا کسی تفریق کے مٹانے اور مذہب کو پامال کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتے اگر مولانا حسین احمد صاحب کو ہندوؤں کا زر خرید شیخ الہنود کہنے میں بے باک ہیں تو ان کے سیاسی مسلک کے مخالف بڑے بڑے مولوی کو اپنی جیب میں بتانے سے نہیں چوکتے کھلے لفظوں میں مولوی کا مذہب غلط یہ گروہ دنیا سے مٹ جانے کے قابل ہے کا پروپیگنڈا کرتے ہیں ایسے نازک دَور میں آپ جیسے حید عالم ہمدرد ملّت کی بڑی سخت ضرورت ہے کہ ہماری رہنمائی کی جاوے۔ اس لئے کہ بلا تفریق علماء سے نفرت مذہب سے دُور ہٹاتی ہے کیا یہ واقعی بات ہے کہ مولانا حسین احمد صاحب اور مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے حضرات اپنے ذاتی مفاد کی بنا پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں اور ان کی اتباع ہمارے لئے کفر و بیدینی ہے اور وہ اپنے

اُستاد کے مسلک سے ہٹ گئے۔ اور مسٹر محمد علی جناح کی اتباع ہمارے لئے سراسر رحمت ہے اور وہ ہمارے صحیح قائد اعظم ہیں۔ اور اسی موقع پر آپ نے قائد اعظم کے حد درجہ ایماندار ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔

اُمید کہ خدا کے واسطے ان خطرات سے جو مجھ کو پریشان کر رہے ہیں اپنی صحیح رہنمائی فرما کر مجھے نجات دلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کا اجر دیگا۔ فقط جواب کے لئے لفافہ اس خط میں ہے۔

خادم حکیم رشید علی

(۵۷) مکتوب علامہ بجواب حکیم رشید علی صاحب

برادر مکرم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ کئی روز ہوئے آپ کا خط ملا۔

علماء کا اقتدار مٹانے کا الزام

بیشک بہت سے انگریزی تعلیم یافتہ جن کو دین کی خبر یا دین سے زیادہ لگاؤ نہیں علماء کے وقار و اقتدار کو پسند نہیں کرتے۔ بلکہ اس کو مٹانے کی سعی میں رہتے ہیں لیکن ان کا یہ حال کچھ ۱۹۴۵ء کے ساتھ خاص نہیں۔ سر سید کے زمانہ سے چلا آتا ہے اور سیاسی کشمکش بھی بیسیوں برس سے قائم ہے۔ اس کے باوجود آپ کو معلوم ہے کہ حضرت الاستاذ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مالٹا سے واپسی کے بعد انتہائی شدت مرض کے باوجود علیگڑھ کا سیاسی سفر انہی انگریزی پڑھے ہوئے حضرات کی درخواست پر گوارا فرمایا اور جو خطبہ حضرت کی طرف سے وہاں پڑھا گیا اس میں یہ الفاظ بھی تھے کہ "اے نونہالان ملت جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار (جس سے مری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند احباب نے ایک قدم علیگڑھ کی طرف بڑھایا۔"

اس کے بعد ۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور دوسرے بڑے بڑے علماء جمعیۃ نے پورے زور شور کے ساتھ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں جو اسی مسٹر محمد علی جناح کی قیادت اور صدارت میں تھی، شریک ہو کر لیگ کی انتہائی حمایت شرعی اور سیاسی حیثیت سے فرمائی جبکہ عامۂ مسلمین اس میں اس قدر تعداد میں شریک بھی نہ تھے۔ اس وقت

بھی یہی مغرب زدہ لوگ اپنے انہی اعمال وعقائد کے ساتھ پیش پیش تھے۔ اس وقت یہی خیال کیا گیا کہ محمد علی جناح آجکل کی سیاست کا ماہر ہے اور انگریز و ہندو کی چالوں کو خوب سمجھتا ہے۔ اس لئے کسی نے یہ خیال نہ کیا کہ اس کے اور اس کے ہمنوا مغربی تعلیم یافتہ رفقاء کے ذاتی حالات اور شخصی افعال سے تعرض کیا جاوے۔ اور ساتھ ہی ادھر سے کٹ کر کانگریس کے بلا شرط و معاہدہ حامی بن گئے تب لیگی لوگوں نے کانگریس کے ساتھ اس کی حمایت میں غلو کرنے والوں کی برائی بھی شروع کردی جو علماء ۱۹۳۶ء والے مسلک پر قائم رہے ان کی طرف ان کا روئے سخن نہیں تھا اگر الفاظ میں کبھی عموم ہوا تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے آپ نے مغربی تہذیب والوں کو علماء کے وقار کا دشمن بتلایا ہے۔ حالانکہ مغربی تہذیب والے بھی سب ایسے نہیں۔

مسلم قوم کے استقلال واقتدار کو ایک خطرہ اور اس کا صحیح حل | پھر اصل چیز اس بات کا دیکھنا ہے کہ ایک طرف اگر علماء کے وقار کا سوال ہے تو دوسری طرف انگریز اور ہندو کی ملی بھگت سے ہندوستان میں اسلام اور مسلم قوم کے استقلال واقتدار کو ایک دائمی خطرہ درپیش ہے بالکل اسی طرح کا بلکہ اس سے زائد جو نہرو رپورٹ کے سامنے آنے پر خود ہمارے علماء کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس ہوا تھا۔ اب ضرورت یہ تھی کہ مسلم قوم اور اس کے ملی استقلال کو مضبوط و مامون بنانے کے لئے سب مسلمان بشمول نیشنلسٹ یک زبان ہو کر اس خطرہ کے انسداد کی کوشش کرتے اور علماء کو جو شکایات انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں سے ہیں تبلیغ وتفہیم اور جمہور کی اخلاقی طاقت کے ذریعہ ان کے ازالہ کی سعی بلیغ عمل میں لاتے۔ اس کا علاج یہ نہ تھا کہ ہم کلمہ گو بھائیوں سے خفا ہو کر کسی دوسری قوم کی گود میں جا بیٹھیں۔ کیا ہم کو انگریز یا ہندو سے یہ توقع ہے کہ اپنی کاربرآری کے سوا وہ علماء کی عظمت و احترام کا پاس کریں گے اور ان مغرب زدہ گمراہوں سے زیادہ علماء کے وقار و اقتدار کے قائم کرنے یا بڑھانے کی سعی کریں گے۔ بہرحال میں قواعد شریعت کی روشنی میں حالات حاضرہ پر غور کرنے اور فیما بینی وبین اللہ تعالیٰ سب پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس وقت صرف مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دینا چاہئے۔

جمعیۃ علماء ہند کی حمایت مسلم لیگ | گویا میں آج اسی موقف میں ہوں جہاں مولانا حسین احمد صاحب اور دوسرے اکابر جمعیۃ ۱۹۳۶ء میں تھے۔ میرے متعدد مضامین اس سلسلہ میں اخبارات میں

شائع ہو چکے ہیں ان میں قدرے تفصیل سے کام لیا گیا ہے اگر جی چاہے تو ان کو دیکھ لیجئے آخر میں عرض ہے کہ یہ میری اپنی رائے ہے کسی دوسرے کو اس کا پابند کرنا مقصود نہیں جو شخص جس جانب کو اصلح سمجھے اسے اختیار کرلے۔ ہاں میرا مشورہ دریافت کرنے والوں کے لئے یہی ہے میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہیں آسکتا کہ مولانا مدنی اور حضرت مفتی صاحب محض ذاتی مقاصد کی بنار پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں یا ان حضرات کا اتباع معاذ اللہ کفر ہے۔ وہ اپنے نزدیک جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اسی کے حامی ہیں اور اسی کو اپنے استاذ مرحوم کا مسلک سمجھتے ہیں۔ ہاں ضروری نہیں کہ ان کی یہ رائے حق وصواب ہو یا دوسرے لوگوں پر ان کی تقلید واجب ہو۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی از دیوبند۔ ۷ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

حکیم رشید علی صاحب محلہ کسرول مرادآباد کا دوسرا خط بنام علامہ مرحوم

مخدومی و محترمی دام مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

میں اپنے عریضہ کے جواب کی یاددہانی کے لئے لکھ رہا تھا کہ حضور کا گرامی نامہ پہنچا جس کا بہت بہت شکریہ۔ مخدومی خداوند جل شانہٗ کو گواہ بنا کر عرض کرتا ہوں کہ جس طرح ایک شاگرد اپنے اُستاد سے شبہات بیان کرکے جواب کا متمنی ہوتا ہے۔ میں بھی صرف طلب حق کی خاطر پیشوائے دین سمجھتے ہوئے اُمید رکھتا ہوں کہ میرے خدشات کا تسلّی بخش جواب عنایت فرمادیں گے۔ اگرچہ میری نااہلی سے میرا طرز تحریر آپ کی شان کے موزوں نہیں ہے۔ مگر آپ کے برگزیدہ و باخدا انسان ہونے سے اپنی اس گستاخی کی معافی کا اُمیدوار ہوں اور تسکین قلب کا متمنی اور دعا کا طالب ہوں۔ میں نے اس سلسلہ میں ایک تحریر مولانا زکریا صاحب مظاہر علوم سہارنپور کی خدمت میں بھیجی تھی ان کے جواب کی نقل مع اس تحریر کے آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں دونوں کو ملاحظہ فرما کر اس خلجان کو دُور فرمادیں گے کہ آپ دونوں حضرات ہندوستان کی مایۂ ناز ہستیوں میں سے ہیں اور دونوں کانگریس سے کنارہ کش وہ لیگ کی تائید کے خلاف اور آپ موافق تو قول راجح کی کیا دلیل ہے۔ علاوہ اس کے مندرجہ ذیل سوالات بھی پریشان کن ہیں۔

۱۔ مسلم لیگ کے ۱۹۳۷ء میں تمام کے تمام گورنمنٹ کے بہت مخالف تھے اور اب سارے

کے سارے حتیٰ کہ حکام تک ان کی حمایت اور مدد کر رہے ہیں۔ یوپی کے جس قدر اُمیدوار اس وقت لیگ کی طرف سے ہیں وہ خالص ٹوڈی ہیں[۵] جو کھٹکتا ہے۔ اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ جس درد میں پگھل رہے تھے اس کے درد کے درماں جو اس وقت نظر آ رہے تھے وہ ہی فرزند اس طاقت کی حمایت میں سرگرم ہیں[۶]۔ کیا ایک فرد بھی ہندوستان کے کسی کونے میں ایسا ہے جو حکومت کا نورِ نظر ہو اور مسلم لیگ سے باہر جو باہر نظر بھی آویں وہ مسلم لیگ کے پاکستان کے حامی۔ اختلاف صرف شخصی اقتدار کا ہے پالیسی کا نہیں۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے خطبۂ صدارت ۱۹۲۰ء میں اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز قرار دے کر ترک موالاۃ کو فرض قرار دیا مگر آج انگریز کا سایہ ضروری ہے[۷]۔ اور اسی خطبہ میں اشتراک ہند اور استخلاص وطن کے لئے جائز اور آج جو اشتراک کرے وہ بے دین اور غدار[۸]۔ اور یہ ہی مضمون حضرت انور شاہ صاحبؒ کا ان کے بعد رہا اور یہی بیان مولانا حسین احمد صاحب کا ہے ۱۹۲۰ء میں جن سے اُمید تھی وہ دشمن کے ساتھی ہو گئے[۹] بڑے دشمن کے خلاف چھوٹے دشمن پر گرفت کرنے والا سرگرم عمل اس وقت کون[۱۰] ہے۔

۲۔ مسلم لیگ کے مسلک کے ماتحت ہمارے علاقہ میں خالص ہندو حکومت پر بخوشی رضامندی ہوتی ہے پاکستانی علاقہ میں عوام کی حکومت ہو گی جس میں ۴۵ فیصدی غیر مسلم ہوں گے۔ اور حکومت کا اقتدار فاسق کے قبضہ میں حضرت اسمٰعیل شہیدؒ منصب امامۃ کے صفحہ ۹۶، ۹۷ میں اس قسم کی اسلامی حکومت کے خلاف آواز اٹھانے کو ضروری قرار دیتے ہیں[۱۱]۔ اس حالت میں پاکستان اور غیر پاکستان دونوں برابر ہیں۔ اس کے خلاف دوسری جماعت جو فارمولا پیش کرتی ہے وہ بحوالہ نقل اخبار مدینہ منسلکہ تحریر میں ہے ملاحظہ فرما دیں[۱۲]۔

۳۔ یہ تمام دشواریاں برداشت کی جا سکتی ہیں حضرت مفتی صاحب اور مولانا حسین صاحب اور فتوے دارالعلوم دیوبند کے ہوتے ہوئے آپ کے فرمان کے مطابق ووٹ لیگ کو دیا جا سکتا ہے اگر صرف اس قدر ہماری دلجمعی ہو جائے کہ کم از کم آپ کی رائے کو قانون ساز مجالس میں شرعی نقطۂ نظر سے پورا پورا دخل ہو گا کیا اس قسم کا آپ سے آپ کی تائید سے بیشتر مسٹر محمد علی جناح نے کوئی وعدہ کر لیا ہے اور ان کا یہ وعدہ مولوی مدنی کے ساتھ جیسا وعدہ تو نہیں[۱۳] ہے۔ ان خدمات کا جواب آپ کے مضامین اخبار میں نہ پاتے ہوئے تکلیف دے رہا ہوں اور آپ کی ذات سے

توی اُمید رکھتا ہوں کہ جلد جواب عنایت فرما کر مشکور فرما دیں۔

خادم حکیم رشید علی محلہ کسرول مراد آباد۔ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ بروز جمعہ

(۵۸) مکتوب عثمانی بجواب حکیم رشید علی صاحب

السلام علیکم

ع۱ مگر اس خط کی طرز تحریر اور اسپرٹ وہ نہیں جو پہلے خط کی تھی ہر ایک پڑھنے والا اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔

ع۲ مولانا کے خط میں دلائل کون سے ہیں محض ایک اپنے رسالہ کا حوالہ دیا ہے دلائل سامنے ہوں تو ترجیح کی بحث ہو میرے متعدد مضامین اس سلسلہ میں چھپ چکے ہیں ان میں بہت سے شبہات کا جواب موجود ہے۔

جو حالت مسلم لیگ کی آج ہے وہی اس وقت بھی تھی جبکہ ۱۹۳۷ء میں جمعیتہ علماء دہلی نے اس کی تائید و حمایت پر زور طریق پر کی تھی۔

ع۳ جن کو آج گورنمنٹ پرست کہا جاتا ہے اور وہ ہی اکابر لیگ سمجھے جاتے ہیں۔ ان ہی کی قیادت و سیادت اس وقت تھی مسٹر جناح، نواب اسمٰعیل خان صاحب، راجہ محمود آباد۔ چودھری خلیق الزماں اور مسٹر ظفر اللہ خان قادیانی۔ سب اس میں شریک تھے، ان میں سے اکثر آج اس کے قائد ہیں۔ بلکہ بہت سے بڑے بڑے کانگریسی زعماء بھی ادھر سے ٹوٹ کر لیگ میں آ چکے ہیں۔ اور عامہ مسلمین کی جو تعداد آج اس میں شریک ہے ۱۹۳۷ء میں اس کا عشر عشیر بھی شریک نہ تھے۔ پھر جب مولانا حسین احمد صاحب اور مفتی صاحب وغیرہ اکابر علماء اس میں شریک ہوئے اور اسی کی کمانڈ میں الیکشن لڑا یا اس کے ایک ماہ بعد ہی وہ سب جو حکومت کے مخالف تھے حکومت پرست بن گئے اور اگر بالفرض ایسا ہوا تو عوام مسلمین کی طاقت نیز افہام و تفہیم سے ان کو راہ راست پر لانے یا علیحدہ کرنے کی کوشش کیوں نہ کی۔ عوام تو بہر حال علماء کے ساتھ تھے ان کو لاکھوں کی تعداد میں ۲ آنے والا ممبر بنا کر اپنی کثرت سے حسب آئین ان کو مجبور کرتے کہ وہ سیدھے چلیں یا علیحدہ ہو جائیں۔ آخر کانگریس سے وہ کیا اُمید رکھتے ہیں کہ مٹھی بھر مسلمان تمام غیر مسلم عناصر کو مسلم مفاد کے حق میں سیدھا رکھ سکیں گے۔ واردھا اسکیم کی مذمت تمام مسلم جماعتوں

نے بالاجماع کی آج تک کانگریس سے اس کی تنسیخ نہ کرا سکے۔
حکومت کے ساتھ ساز باز مسلم لیگ کی ہے یا کانگریس کی

ع۴ کیا اس کا ثبوت دے سکتے ہیں کسی ایک آدھ مقام کا جزئی ذکر نہیں دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ حکام اس وقت ہندوؤں کی مدد پر ہیں جب آپ اس کا ثبوت پیش کریں گے کہ عموماً حکام یا حکومت لیگ کی مدد کر رہی ہے تو اس کے مخالف دعویٰ رکھنے والے بھی ایسا ثبوت پیش کرنے سے قاصر نہ رہیں گے۔

ع۵ ٹوڈی کی تعریف کیا ہے۔ اس تعریف کے مطابق آپ اس کا ثبوت پیش کیجئے کہ سب امیدوارانِ لیگ ٹوڈی ہیں۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ لیگ کی حمایت کرنے کا ان کی طرف سے ایک باعث یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پچھلے ڈھائی سالہ عہدِ وزارت میں ہندوؤں نے جو مظالم مخفیہ مسلمانوں پر کیے وہ ناقابلِ برداشت تھے۔ اور ہندو اس وقت عریاں ہو کر اپنی اصلی ذہنیت کا مظاہرہ کرنے لگے نیز یہ بالکل واضح ہو چکا کہ ہندو قوم یہ چاہتی ہے کہ ملک کو پوری آزادی ملے یا نہ ملے لیکن مسلمانوں کے گلے سے اکثریت کی غلامی کا طوق کبھی اور کسی جگہ نکلنے نہ پائے اس لئے ان لوگوں نے مسلم لیگ میں شامل ہونا پسند کیا۔
آج حضرت شیخ الہند زندہ ہوتے تو مسلم لیگ کی حمایت کرتے

ع۶ معلوم ہوا کہ اگر کسی صحیح سیاسی مصلحت کے لئے ان مغربی تہذیب والوں کے ساتھ مل کر کام کیا جائے جو بقول آپ کے علماء کے وقار و اقتدار کے دشمن ہیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ لیگ کے حامی یہ کہتے ہیں کہ اب وہ درد جس سے حضرت شیخ الہندؒ بے چین تھے دگنا ہو گیا ہے۔ پرانا درد تو جوں کا توں رہا اور نیا درد مسلمان کے پہلو میں ہمسایہ قوم کی طرف سے اٹھا ہے۔ جو چاہتی ہے کہ انگریز کی اتالیقی اور نگرانی میں مسلمانوں کو دائماً انگریز کے ساتھ اپنی اکثریت کا غلام بنائے رکھے شملہ کانفرنس کے بعد یہ چیز بالکل نمایاں ہو چکی ہے اب اگر حضرت شیخ زندہ ہوتے تو پہلے سے زیادہ ان مسلمانوں کا تعاون حاصل کرتے جو بقول آپ کے علماء کے اقتدار کے دشمن ہیں۔

ع۷ ایک طرف سے تمام مسلمانوں کی نیتوں پر حملہ کرنا مناسب نہیں۔ پاکستان کی حمایت تو وہ کریگا جو کانگریس اور حکومت دونوں کے نقطۂ نظر سے علیحدہ ہوگا۔ کیا موجودہ وائسرائے بہادر کی کلکتہ اور راولپنڈی والی تقریریں آپ نے نہیں پڑھیں جن میں اسی نقطۂ نظر کی تائید کی گئی ہے جو کانگریس کا ہے یعنی وحدانی حکومت۔

ع۸ محض رجماً بالغیب دعوی بے دلیل سے کوئی شخص قائل نہیں ہو سکتا۔ تمام ذمہ داران لیگ کی تقریریں اور لیگ کا نصب العین پڑھئے تو اس دعوے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

ع۹ ایسے بے دلیل دعوے کرتے چلے جانا ایک حق پسند کے لئے زیبا نہیں۔ استخلاص وطن کی مساعی سب کے نزدیک ضروری ہیں مگر ساتھ ہی مسلم قوم کا استخلاص بھی ضروری ہے۔ لیگ کہتی ہے کہ کانگریس آج پاکستان کا منصفانہ مطالبہ تسلیم کرے پھر کل ہی آپس میں معاہدہ کرکے استخلاص وطن کے لئے مل کر جنگ کریں۔ اس میں مسلمان کسی سے پیچھے نہ رہیں گے۔

ع۱۰ جواب ع۹ سے واضح ہوگا کہ ہندوؤں کی طرح مسلمان قوم بھی اپنا ایک آزاد مرکز چاہتی ہے اسی کے ساتھ وطن کی آزادی میں پورا تعاون کرنے بلکہ آگے بڑھنے کے لئے تیار ہے۔ اس طرح حامیان لیگ دونوں دشمنوں سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایک کو نکال کر دوسرے کی یا بیک وقت دونوں کی دائمی غلامی میں رہنا نہیں چاہتی۔

ع۱۱ کیا مولانا شہیدؒ اسے پسند کرتے ہیں کہ تمام ہندوستان کی مخلوط مرکزی حکومت میں ۴۵ فی صدی نہیں بلکہ غیر مسلم چالیس میں سے تیس ہوں۔

ع۱۲ اس کا مفصّل جواب اور جمعیۃ کے فارمولا پر بحث میرے تازہ مضمون جو ابھی چند روز ہوئے منشور وغیرہ میں چھپا ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

ع۱۳ تمام ذمہ داران لیگ کے بہت سے اعلانات اس بارہ میں ہو چکے ہیں کہ ہمارا پروگرام قرآن کریم ہے اور خالص شرعی معاملات میں سنیوں کے علماء اور شیعوں کے مجتہدین کا فیصلہ مقدم رکھا جائے گا۔ میں اپنی ذاتی رائے کا پابند کسی کو نہیں کر سکتا۔ اگر وعدہ خلافی کریں گے تو کانگریس سے کون عہود و مواعید کی پابندی کرا سکتا ہے اس سے کچھ زیادہ ہم مسلمانوں کے وعدوں کا اعتبار کر سکتے ہیں۔ پھر مولانا سے کیا وعدے کئے تھے جن کی خلاف ورزی کی گئی اب اگر کانگریس اپنے وعدوں کی خلاف ورزی کرے تو وہاں کیا کریں گے۔

از راہِ کرم میرے سب مضامین مطبوعہ کہیں سے حاصل کرکے مطالعہ فرمالیں ورنہ اتنا وقت میرے پاس نہیں کہ ایسے لمبے لمبے خطوط کا ہر ایک کو جواب علیحدہ علیحدہ لکھ کر بھیجا کروں اور اس کی نقول رکھوں۔ از دیوبند ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ (نومبر ۱۹۴۵ء)

(۵۹) بنام شفیق احمد صاحب صدیقی جنرل سیکرٹری مجلس العلما لاہور

(تعارف) تحریک پاکستان کے سلسلے میں، پاکستان کا چارج لینے سے پہلے مگر اعلان پاکستان کے بعد لاہور کے ایک مخصوص حلقے میں "مجلس العلماء" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ پاکستان بننے کے بعد وہاں کا اسلامی قانون فقہ کی روشنی میں مرتب کیا جائے اس سلسلے میں مجلس العلما لاہور نے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ آپ مجلس العلما کی صدارت قبول فرمائیں چنانچہ حسب ذیل خط علامہ نے شفیق صاحب جنرل سیکرٹری مجلس العلماء کو جواب میں تحریر فرمایا۔ (مرتب)

بیت الفضل دیوبند

مکرمی سلام مسنون۔ عنایت نامہ ملا۔ احوال مندرجہ سے آگاہی ہوئی۔ آپ کا یہ جذبہ قابل قدر ہے کہ آپ اور آپ کی مجلس العلماء تاسیس پاکستان کے بعد ملک میں اسلامی آئین قائم کرنے کا عزم صادق رکھتی ہے۔ اور اس سلسلے میں میرے تعاون کی آپ کو ضرورت اور میری قیادت کا آپ کو احساس ہے۔ میں بقدر امکان اس مبارک خیال میں آپ کے ساتھ ہر قسم کے تعاون کے لئے تیار ہوں۔

اکابر مسلم لیگ کے وہ اعلانات جو گذشتہ الیکشن کے دوران میں پاکستان میں اسلامی اور قرآنی نظام قائم کرنے کے متعلق کئے گئے تھے میں اپنی خاص و عام مجالس اور تحریر و تقریر میں برابر دہراتا رہا ہوں۔ ۹ جون ۱۹۴۷ء کی آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے موقع پر ایک وفد کی معیت میں میری جو گفتگو اس سیاق میں جناح صاحب سے ہوئی جس میں موصوف نے ہم کو یقین دلایا تھا کہ پاکستانی دستور ساز اسمبلی کے قیام کے بعد کوئی کمیٹی علما کی بنائی جائیگی جو مجوزہ دستور کی شرعی نقطۂ نظر سے جانچ کرے گی۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

میں اس نظریہ (آئین اسلامی) کا دل سے حامی ہوں اور جس حد تک موقع ملے اپنی بساط کے موافق اس بارے میں سعی کرنا اپنا فرض مذہبی سمجھتا ہوں۔ چونکہ میرا انتخاب دستور ساز اسمبلی کے لئے بھی ہو چکا ہے۔ اس لئے میرا عزم مصمم ہے کہ وہاں پہنچکر

اپنی استطاعت کی حد تک اس سلسلے میں پوری قوت کے ساتھ آواز بلند کروں۔ خواہ کوئی پارٹی میرا ساتھ دے یا نہ دے اور آخری نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ نہ صرف میرے ضمیر کی آواز ہوگی بلکہ مجھے یقین ہے کہ میں اس طرح کروڑوں مسلمانوں کے صحیح جذبات اور ان کے ایمانی تقاضوں کی سچی ترجمانی کروں گا۔ اس لئے لاہور میں جو بعض علماء نے "آئین ساز مجلس العلماء" کے نام سے ایک جماعت قائم کی ہے اس کی شرکت میں نے منظور کرلی ہے اور ان سے کہہ دیا ہے کہ اس سلسلے میں اپنی دعوت تعاون کا دائرہ تنگ نہ کریں۔ بلکہ ہر قسم کے علماء اور دانش مند ماہرین کو جو اس کام سے دلچسپی رکھتے ہوں اور اس میں مدد کرسکتے ہوں دعوت دیں۔ خواہ ان کا مسلک کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ شرط صرف اتنی ہے کہ اسلام کے اولین اساسی اصول میں ان کو کوئی اختلاف نہ ہو۔ میں جانتا ہوں کہ باوجود ہمارے ہزاروں اختلافات کے اس نقطۂ مرکزی پر ہم سب مجتمع ہوسکتے ہیں کہ نوع انسان کے دنیوی و اخروی مصائب کا واحد علاج اسی نظام حکومت کے قیام سے متصور ہے جو قرآن و سنت کے بتلائے ہوئے فطری اصول اور تاریخ عالم کے درخشاں ترین عہد حکومت کی بہترین روایات پر قائم ہو۔ مذکورہ بالا جماعت جو لاہور میں قائم ہوئی ہے اس کا منشا وہی ہے کہ بحث و تمحیص کے بعد سردست چند جامع اور بنیادی اصول و حقائق ایسے چن لئے جائیں جو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے سامنے اچھے اسلوب کے ساتھ پیش کئے جاسکیں۔ والسلام۔

شبیر احمد عثمانی

(تبصرہ) علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ میں شرکت ہی اسی لئے کی تھی کہ پاکستان کا آئین قرآن و سنت کی بنیادوں پر رکھا جائیگا۔ چنانچہ علامہ تا وفات اسی کوشش میں رہے اور بالآخر دستور ساز اسمبلی میں "قرار داد مقاصد" پاس کرائی جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ علامہ کے اس مکتوب سے ان کی وسعت قلبی کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کے مکتبۂ فکر کے علماء کو "مجلس العلماء" میں شریک کرنے کی صلاح دیتے ہیں جن میں دیوبندی اور بریلی کا امتیاز نہ رکھا جائے البتہ قادیانی علماء کی مخالفت کی ہے کہ وہ اصول میں ہم سے اختلاف رکھتے ہیں۔ (مرتب)

علامہ کے سیاسی مکتوبات ختم ہوئے۔ اور اب ہم پھر ان کے پرائیویٹ خطوط کی طرف قارئین کو دعوت فکر و نظر دیتے ہیں۔

علامہ کے مکتوبات منشی عبدالرحمٰن ملتانی کے نام

(تعارف) آئندہ صفحات میں ہم علامہ عثمانی کے خطوط بنام منشی عبدالرحمٰن ملتانی تاریخی ترتیب کے مطابق مختلف مقامات پر پیش کر رہے ہیں۔ منشی عبدالرحمٰن ملتان شہر کے رہنے والے دیندار شخص ہیں۔ باوجود ایک وکیل کے منشی ہونے کے دیانتدار اور متشرع ہیں۔ ملتان کے محلے چہلیک میں قیام رکھتے ہیں۔ مفتی محمد حسن صاحب امرتسری بانی مدرسہ جامعہ اشرفیہ و خلیفہ حضرت تھانویؒ سے بیعت ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو بڑی عقیدت تھی اور علامہ سے خط وکتابت کا سلسلہ تلاش کیا تھا چنانچہ انہوں نے مجھے ان خطوط کی نقلیں مع اپنی لکھی ہوئی تمہید کے بذریعہ ڈاک عنایت فرمائی ہیں۔ ہم ان کی تمہید مع خطوط کے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ ان کے نام بارہ خطوط میں دو ہندوستان سے اور دس پاکستان سے لکھے گئے ہیں۔ (مرتب)

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اُن علمائے ربانی میں سے تھے جن کے دل میں دین وملت کا جذبہ خدمت بے پایاں تھا۔ جہاں ان کے دل میں قوم کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہاں ان کا دل اپنے ادنیٰ ترین خادموں اور کفش برداروں کی محبت وشفقت سے بھی معمور تھا۔ وہ ان سے بھائیوں کی طرح پیش آتے اور ان کی دلجوئی کی ہر ممکن کوشش کرتے جس کی مثال مشاہیر قوم میں ملنی مشکل ہے جب وہ خیر المدارس ملتان کے جلسہ پر تشریف لائے تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ خیر المدارس نے مجھے ان کی خدمت میں رہنے کا امر فرمایا۔ ان کی تشریف آوری کے دوسرے روز جبکہ ہم فرودگاہ محمد بن قاسمؒ سے واپس آ رہے تھے انہیں راستہ میں میری دکان "دارالقرآن" کا علم ہوا۔ تو سیدھے وہاں پہنچے۔ موٹر سے اُترے بدقت تخت پوش پر چڑھ کر دکان کے اندر تشریف لے گئے کافی دیر بیٹھے رہے اور کلام پاک کے مختلف نسخے ملاحظہ فرماتے رہے۔ لوگ باہر جمع ہو گئے اور شیخ الاسلام کو اس چھوٹی سی دکان میں موجود پا کر حیرت کا اظہار کرتے رہے۔ کہ یہ دکان پر کیوں تشریف لائے۔ انہیں ضرورت کی چیز وہاں دکھلانی چاہئے تھی وہ شخصیت پرستی

کے زیر اثر ان کی محبت و شفقت اور اخلاق کریمانہ کا جائزہ نہ لے سکے۔

اسی طرح عصر کے وقت دوسرا واقعہ پیش آیا۔ جلسہ کے اختتام کے بعد جب وہ واپس ہونے لگے تو معاً سامنے ایک شخص عبدالستار نامی آگیا اور اس نے آپ کو دیرینہ وعدہ یاد دلایا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ جب ملتان آؤں گا۔ تو تمہارے پاس ضرور چائے نوش کروں گا۔ آپ کے چند ہمراہیوں نے انہیں یہ دعوت ٹالنے کی ترغیب دی۔ کیونکہ وہ بیچارا ایک مسکین سا آدمی تھا۔ جسے کوئی خاطر میں نہ لا رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے وعدہ کیا تھا۔ اس لئے میں اس کی دل شکنی کرنا نہیں چاہتا۔ وہاں سے وہ اس کے ساتھ موٹر میں روانہ ہو پڑے۔ میں ساتھ تھا۔ اس غریب آدمی نے ہمیں چٹائیوں پر بٹھایا اور جو کچھ ہو سکا تیار کر کے سامنے لایا۔ ایک غریب مسکین سے جو کچھ ہو سکا اسے آپ نے بڑی محبت سے نوش فرمایا اور واپسی پر مجھ سے فرمانے لگے۔ کہ ہمارے جانے سے ہمارا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ مگر اس کا جو دل خوش ہوا ہے۔ اس کا یہ لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے یہ ان کے علم و فضل کی ایک معمولی سی جھلک تھی۔ جو اتنا بھی برداشت نہ کر سکی کہ جسے محض غربت و مسکینی اور پھٹے پرانے کپڑوں کی وجہ سے بنظرِ حقارت دیکھا جا رہا ہے اس کی دل شکنی کی جائے۔

ملتان سے جب واپس ہوئے۔ تو کراچی کے کسی صاحب نے ان کو اپنے سوہن حلوے کی دکان کے افتتاح پر مجبور کیا۔ آپ اس کے خلوص کی وجہ سے اس کی درخواست مسترد نہ کر سکے اور وقت مقررہ پر ۲۲ مئی ۱۹۴۹ء کے دن وہاں تشریف لے گئے جس سے متاثر ہو کر حضرت اسد ملتانی نے لوگوں کو یہ قیمتی مشورہ دیا کہ ؎

علم کا مخزن ہے مولانائے عثمانی کی ذات	پوچھتے اُن سے مسلماں معنئ فوز و فلاح
پوچھتے اُن سے کہ کیا ہے فرد و ملت کے لئے	فتنہ ہائے عصرِ نو میں صورتِ خیر و صلاح
پوچھتے اُن سے کہ لادینی سے کرنے کو جہاد	دینِ فطرت نے مہیا کر دیئے کیا کیا سلاح
پوچھتے اُن سے کہ ہے اہلِ تجارت کے لئے	نفع کس حد پر حرام اور کونسی حد تک مباح
تا نہ ہونے پائے کوئی بات قرآں کے خلاف	ہر نئی تجویز پر لیتے وزیر اُن سے صلاح
ملک میں کیونکر ہو آئینِ شریعت کا نفاذ	مشورہ ان سے یہ کرتے قائدِ اعظم جناح
دیکھئے اہلِ کراچی کا مگر ذوقِ لطیف	چاہتے ہیں اُن سے حلوے کی دکاں کا افتتاح
خوب ان لوگوں نے پہچانی ہے مولانا کی قدر	خوب اِن اللہ کے بندوں کو سوجھا ہے مزاح
کیا عجب ہے کچھ دنوں میں ان سے پڑھوانے لگیں	بس جنازے کی نماز اور خطبۂ عقدِ نکاح

بات یہ ہے کہ جس دل میں نور علم روشن ہوتا ہے وہاں خود رائی و خود نمائی نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکی روشنی میں اسے دوسرے اپنے سے اچھے نظر آنے لگتے ہیں۔ اور اس لئے وہ اس کے بندوں کی دلجوئی کو فرض میں سمجھتے تھے اور اس کی عظمت و فضیلت اس فرض کی ادائیگی میں مزاحم نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ علامہ عثمانی لوگوں کی دلجوئی کے باعث ان کی جائز آمیدوں کے آئینے کو چور چور نہیں کرتے تھے۔ اس لئے اسعد صاحب ملتانی تصویر کے دوسرے رخ پر بھی نظر رکھیں جو یہ ہے کہ ع

دل بدست آور کہ حج اکبر است

(۶۰) بنام منشی عبدالرحمٰن ملتانی

دیوبند - ۲۳ ربیع الاوّل ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۷ء)

کرمفرمائے محترم زید مجدہ

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامے موصول ہوئے۔ میں عرصے سے علیل ہوں۔ طویل علالت اور مشاغل سے بمشکل فرصت نکال کر مختصر تقریظ[۱] لکھ سکا۔ بالفعل رسالے[۲] کے لئے مضمون لکھنا دشوار ہے۔ پھر کسی وقت بن پڑا تو بھیج دوں گا۔ دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ آپ کو خدمت اسلام کی بیش از بیش توفیق مرحمت فرمائے۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی

[۱] منشی صاحب نے تین رسالے بھیجے تھے کہ ان پر علامہ سے تقریظ درکار تھی۔

[۲] منشی صاحب حضرت مولانا اشرف علیؒ صاحب تھانوی کی یادگار میں رسالہ "پیغام اسلام" جاری کر رہے تھے اسی کے لئے مضمون کی خواہش کی گئی تھی۔

(۶۱) منشی عبدالرحمٰن کے نام

دیوبند ۸ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ
(۱۹۴۷ء)

برادر محترم دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ موصول ہوا تھا۔ میں اس وقت بقصد مدراس[1] روانہ ہو رہا تھا چنانچہ اس ارادے سے دہلی پہنچا۔ وہاں بعض اطبا نے طویل سفر سے منع کیا۔ اس لئے دہلی سے دیوبند واپس آگیا۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو مدراس بھیج دیا تاکہ وہ وہاں جلسے میں شرکت فرمائیں۔

علالت اور ضعف و نقاہت کے پیش نظر فی الحال مزید کچھ لکھنا دشوار معلوم ہوتا ہے اس مضمون کو آپ جس طرح مناسب خیال کریں رسالے میں شائع کر سکتے ہیں۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی

[1] چونکہ علامہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر میدان میں نکل آئے تھے اس لئے میرٹھ۔ لاہور۔ دہلی، پشاور وغیرہ کے دورے کئے۔ مدراس میں بھی کسی کانفرنس کی صدارت کیلئے تشریف لے جا رہے تھے۔

پاکستانی خطوط

گذشتہ حصے میں علامہ کے وہ خطوط ہیں۔ جو ہندوستان میں لکھے گئے ہیں۔ آئندہ صفحات میں وہ مکتوبات ہیں جو پاکستان کے قیام کے عرصے میں تحریر کئے گئے۔ اس طرح حضرت عثمانی کے خطوط کو دو حصوں میں بآسانی تقسیم کر کے ہندوستانی اور پاکستانی کے عنوانات کے ماتحت پیش کیا جا رہا ہے۔ ان خطوط میں جن بعض اُمور کے حوالے دیئے گئے ہیں، ہم نے حواشی میں ان کی تشریح کر دی ہے ایک خط میں قرارداد مقاصد کے ماتحت علامہ کی وہ تقریر بھی درج کر دی گئی ہے جو قرارداد مقاصد کی تائید میں کی گئی تھی۔ انہی خطوط میں کشمیر سے متعلق مولانا مودودی اور علامہ کی خط و کتابت بھی شامل ہے۔

(۶۲) منشی عبد الرحمٰن کے نام

کراچی ۵ ستمبر ۱۹۴۷ء

کرمفرمائے محترم زید مجدہ

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ ملا تھا۔ میں کراچی آکر بیمار ہو گیا تھا۔ اب تک علالت کا سلسلہ چلا جا رہا ہے۔

راستے مخدوش بلکہ تقریباً مسدود ہو گئے ہیں۔ حق تعالیٰ امن و عافیت عطا فرمائے تو دیوبند کا قصد کروں گا۔ اس وقت اگر موقع ہوا۔ تو ملتان بھی ایک روز کے لئے ٹھہر جاؤں گا۔ والسلام۔

شبیر احمد عثمانی
(مطابق شوال ۱۳۶۶ھ)

خان عبد القیوم خانصاحب سابق وزیر اعظم صوبہ سرحد

(تعارف) حسب ذیل خط علامہ نے خان عبد القیوم خان کو لکھا ہے۔ جو اس وقت صوبۂ سرحد کے وزیر اعظم تھے۔ یہ خط دراصل مولانا عماد الدین انصاری شیر کوٹی کی سفارش میں تحریر کیا گیا ہے۔ مولانا عماد الدین صاحب شیر کوٹی میرے ہم وطن دیوبند کے فاضل، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے شاگرد اور مولانا شبیر احمد صاحب کے خاص دوستوں میں سے ہیں۔ فراغت کے بعد بڈھانہ ضلع مظفر نگر میں اور پھر جوہرچہ ضلع بلند شہر کے مدرسہ خازن العلوم میں صدر مدرس رہے۔ پھر مطبع قاسمی دیوبند میں ناظم رہے۔ بعد ازاں اسلامیہ ہائی سکول جالندھر میں ناظم دینیات رہے اور جالندھر میں ہی سکونت اختیار کر لی ۱۹۴۷ء میں جالندھر چھوٹا اور پشاور جا بسے جہاں ۶ جون ۱۹۶۳ء کو پشاور میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بہت مدبر، منتظم اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ہم نے ان کی اور مولانا مظہر الدین صاحب شیر کوٹی شہید ایڈیٹر الامان دہلی کی سوانح عمریاں لکھی ہیں جو ابھی تک

چھپ نہیں سکیں۔ شاید آئندہ چھپ جائیں۔ مولانا مظہرالدین کے لڑکوں کو لاہور میں اور مولانا عمادالدین صاحب کے فرزند مولانا سعیدالدین انصاری کو پشاور میں پریس الاٹ ہیں جو آسانی سے طباعت کرا سکتے ہیں۔ اب یہ ان کے احساس پر ہے۔

مولانا عمادالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش ہیں کہ ان کو کوئی دکان اور پریس الاٹ ہو جائے علامہ نے وزیر اعظم، ڈپٹی کمشنر پشاور، اور خان محمد عباس خان صاحب وزیر مالیات صوبۂ سرحد کو خطوط لکھے تھے۔ چنانچہ علامہ کی سفارش پر مولانا کو ایک مکان ایک دکان اور پریس الاٹ ہو گیا تھا۔ مولانا عمادالدین صاحب اپنے ایک مکتوب میں راقم الحروف کے نام لکھتے ہیں :۔

برادرم سلمکم اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے تین خطوط کی نقلیں بھیجتا ہوں۔ خود مولانا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کتنے ہی خطوط پشاور میرے پاس آئے لیکن افسوس کہ بے پروائی سے ضائع ہو گئے۔ یہ تین خطوط بھی اس لئے نقل کر لئے تھے کہ پریشان حالی میں کسی وقت کام آئیں۔ اس مخلص مرحوم (مولانا عثمانی) نے اپنی ہمدردی کا جو ثبوت دیا وہ ان خطوط سے ظاہر ہے اور وزیر اعظم (خان عبدالقیوم خان) نے بھی پوری پوری قدر کی اور اثر قبول کیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ فوراً ایک خط (عبدالقیوم خان نے مولانا عثمانی کو) لکھا کہ آپ پشاور کے قیام کو ترجیح دیجئے لیکن کراچی والوں نے نہ چھوڑا۔ اور وہ ہمدرد قوم و ملت اس دنیا سے ایسے وقت رخصت ہوا کہ ابھی ملت کو اس کی بہت ضرورت تھی اور مسلمان ان کی ذات سے بہت کچھ امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے۔ احباب و مخلصین اور وابستہ داماں کے تمام خیالات ہباءً منثورا ہو گئے اور ان کے لئے عالم تاریک ہو گیا۔ خداوند ذوالجلال مرحوم کے درجات بلند کرے اور اپنی رحمت میں جگہ دے اور محزونین کو صبر عطا فرمائے۔ اور عاقبت میں ان کی صحبت نصیب کرے۔ آمین

عمادالدین انصاری شیرکوٹی
۱۸؍ اکتوبر ۱۹۵۱ء

(۶۳) بنام خان عبدالقیوم خان صاحب

شبیر احمد عثمانی

از کراچی جیکب لائنز ۲۶

۷ر نومبر ۱۹۴۷ء

بخدمت گرامی محترم المقام عالیجناب خان عبدالقیوم خانصاحب وزیر اعظم صوبہ سرحد

بعد سلام مسنون آنکہ حامل عریضہ جناب مولانا عماد الدین صاحب انصاری جالندھر میں تھے اور ان کا اچھا خاصہ کاروبار تھا جو وہاں کے قیامت خیز ہنگامے میں تباہ ہو گیا۔ بہت مشکل سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان بچا کر بھاگے پہلے لاہور میں رہے اور اب پشاور پہنچ گئے ہیں۔

مولانا موصوف میرے بہت گہرے مخلص دوست ہیں اور قدیم سے میرے ان سے تعلقات ہیں۔ میں جناب کے مکارم اخلاق سے اُمید کرتا ہوں کہ ان کا خصوصی خبد فرمائیں گے۔ جو کچھ آپ ان کے معاملے میں امداد اور توجہ فرمائیں گے۔ میں ممنون ہوں گا راستے کے مسدود ہونے سے میں وطن نہیں جا سکا اور کانگریس گورنمنٹ میں اب میرے لئے وطن میں رہنے کا بظاہر کوئی امکان بھی باقی نہیں۔ اس لئے مجھے پاکستان ہی میں ٹھہرنا ہوگا۔ کراچی، لاہور اور پشاور میں سے کسی جگہ قیام کروں گا جہاں اللہ چاہیگا۔

والسّلام

(۶۴) بنام خان محمّد عباس خانصاحب وزیر مالیات صُوبہ سرحد

محترم المقام عالیجناب خان محمّد عباس خانصاحب وزیر حکومت سرحد دامت برکاتہم۔

بعد سلام مسنون آنکہ۔ اگرچہ آں محترم سے خصوصی ملاقات اور شخصی تعارف کا موقع نہیں ہُوا۔ تاہم آپ کے مکارم اخلاق کے پیش نظر یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں۔
حامل مکتوب جناب مولانا محمّد عماد الدین انصاری سے میرے قدیم اور مخلصانہ تعلقات

ہیں۔ مولانا موصوف ایک جید عالم اور صاحب تصانیف ہیں۔ عرصے سے جالندھر میں مقیم تھے۔ وہاں ان کا مطالعہ کا کتب خانہ اور تجارتی کتب خانہ تھا جو کفار کے تسلط کے نتیجے میں تباہ ہوگیا اب یہ ایک مہاجر کی حیثیت میں پشاور پہنچے ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں۔ کہ آپ ان کی ممکنہ امداد و اعانت میں دریغ نہ فرمائیں گے۔ بندہ ممنون ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر بے حساب ہے۔ والسلام۔

الراقم

شبیر احمد عثمانی۔ کراچی

۲۵ نومبر ۱۹۴۷ء (مطابق ۱۳۶۶ھ)

(۶۴) بنام جناب حاجی ارباب احمد علی جان صاحب ڈپٹی کمشنر پشاور۔

برادر مکرم جناب حاجی ارباب علی جان صاحب دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ ہر چند کہ آپ سے ملاقات کی نوبت نہیں آئی تاہم غائبانہ تعارف بذریعہ عزیزم مولوی فضل منان میاں سلمہ حاصل ہے۔ عزیز موصوف سے معلوم ہوا کہ آں محترم از راہ اخوت اسلامی مسلمان مہاجرین کے ساتھ مواسات اور ہمدردی فرماتے ہیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

مسلمان اس زمانے میں جس تباہی کا شکار ہوئے اور جس طرح اپنے گھر اور وطن سے نکالے گئے تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایسی حالت میں ان کی جو ہمدردی اور امداد کی جاتی ہے ظاہر ہے کہ وہ صرف اس رشتے کی بنا پر ہے۔ جو اسلامی اور دینی رشتہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق اور مغرب کے مسلمانوں کے درمیان قائم فرمایا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو امداد مہاجرین کی فرماتے ہیں وہ نہایت مبارک ہے

عزیز موصوف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سرحد کے ذمہ دار افسران کی ہمدردی اور توجہات کے باوجود بعض کارکنان حکومت کی غفلت و تساہل کے باعث مہاجرین کو تکالیف پیش آتی ہیں۔ چنانچہ مولانا عماد الدین صاحب انصاری جو ایک جید عالم اور باخدا بزرگ ہیں اور میرے قدیم رفیق اور کرم فرما ہیں۔ ان کے متعلق میں نے جناب خان عبد القیوم خان وزیر اعظم

کو توجہ دلائی تھی۔ اُنہوں نے بہت ہمدردی فرمائی۔ لیکن اس کے باوجود محکمے کی غفلت کے باعث ابتک ان کے لئے کوئی خاص سہولت نہیں حاصل ہو سکی۔ اس سلسلے میں اگر آپ ان کی کچھ امداد فرما سکیں تو اُمید ہے کہ دریغ نہ فرمائیں گے۔ فقط

شبیر احمد عثمانی

۱۸ فروری ۱۹۴۸ء (مطابق ۱۳۶۷ھ)

(۶۵) منشی عبدالرحمن کے نام

کراچی ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ

(مطابق ۱۹۴۸ء)

برادر مکرم زید مجدہ

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ موصول ہوا۔ مدرسہ خیر المدارس ملتان کی جانب سے شرکت جلسہ کے لئے دعوت نامہ آیا تھا۔ لیکن اب تک میرے اہل وعیال دیوبند سے نہیں آسکے۔ برابر اسی کوشش میں ہوں اور وہ لوگ بھی برابر ارادہ کر رہے ہیں۔ نہ معلوم کب ان کو موقع مل جائے۔ ایسی صورت میں باہر نہیں جا سکتا۔ کیونکہ میری غیر حاضری میں وہ کراچی پہنچے تو سخت پریشانی لاحق ہو گی۔ یہی عندیہ مولانا خیر محمد صاحب کو بھی لکھ دیا ہے۔

علامہ اسد صاحب ایک کمپنی کی تشکیل کر رہے ہیں اس سلسلے میں اُنہوں نے لاہور آنے کو لکھا تھا لیکن ابھی اس کے لئے وقت مقرر نہیں ہوا۔ خیال یہ ہے کہ جس وقت لاہور جانا ہو گا تو ملتان بھی کچھ دیر کے لئے ٹھہر جاؤں گا۔ آپ کی دکان کے لئے دعا کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ دعاؤں کا طالب ہوں۔ پرسان حال کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی

(نوٹ) علامہ اسد جرمن کے نو مسلم تھے۔ پاکستان بننے کے بعد اُنہوں نے پاکستان میں اسلامی تحقیقات کا کام شروع کیا۔ میں نے ان سے ملاقات کی ہے۔ وہ پھر یورپ واپس چلے گئے تھے۔

(۶۶) بنام منشی عبدالرحمٰن ملتانی

کراچی - یکم مئی ۱۹۴۸ء (مطابق ۱۳۶۷ھ)

کرمفرما محترم برادر مکرم زید مجدہٗ

بعد سلام مسنون آنکہ آپ کے کئی گرامی نامے پہنچے - افسوس ہے کہ جواب میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی - ملتان سے واپسی کے وقت بہاولپور اسٹیشن پر وہاں کے کچھ معززین اطلاع ہو جانے پر آ گئے تھے - انہوں نے بہاول پور ٹھیرنے کے لئے بیحد اصرار کیا - اس وقت تو میں نے عذر کر دیا اور چند روز بعد آنے کا وعدہ کر لیا تھا - کراچی پہنچ کر مکان تبدیل کیا - ساتھ ہی پھر بہاولپور اور بہاولنگر سے اصرار رہا - اس لئے اپریل کی ۱۱ تاریخ کو بہاولپور روانہ ہوا دو روز بہاولپور ٹھیر کر بہاولنگر گیا - وہاں نقرس کا دورہ ہوگیا - اسی تکلیف اور معذوری کی حالت میں کراچی واپس آیا - کئی روز تک تکلیف رہی - اب بفضلہ تعالیٰ افاقہ ہے کچھ کسر ابھی پاؤں میں باقی ہے - دعا فرمادیں حق تعالیٰ صحت و عافیت عطا فرمائے -

آپ کی اور برادر مکرم مولانا شناء اللہ خاں صاحب کی محبت و خلوص کا گہرا نقش قلب پر محسوس کرتا ہوں اور آپکے حق میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ دارین میں سرفراز اور خوش رکھے - قاسم بیلہ[۱] کی زمین کے بارے میں میری خواہش پر آپ نے جو جد و جہد کی اس سے خوشی ہوئی حق تعالیٰ اس سعی کو قبول فرمائے اور اجر جزیل عطا فرمائے - وہاں جو تھوڑی سی زمین ملتی ہے سر دست اسی پر کوئی نشان قائم کر کے اس پر اسد صاحب ملتانی کا مجوزہ کتبہ کندہ کرا دیجئے یہاں کوئی تاریخ کی کتاب موجود نہیں - اگر وہاں کسی تاریخ سے ان کا سن نزول معلوم ہو سکے تو وہ بھی اس میں درج کر دیا جائے - عزیزم مولوی محمد یحییٰ سلمہ و لخت جگر عزیز محمد لعیش سلمہ کی طرف سے بہت بہت سلام مسنون - والسلام

شبیر احمد عثمانی

[۱] یہاں محمد بن قاسم نے قیام کیا تھا - اور اسی ٹکڑے کو علامہ عثمانی نے اپنے مدفن کے لئے پسند فرمایا تھا -

(۶۷) بنام منشی عبدالرحمن ملتانی

کراچی - ۲ر جون ۱۹۴۸ء (مطابق ۱۳۶۷ھ)

برادر محترم جناب منشی صاحب زید مجدہم

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ ملا - خیریت معلوم کرکے خوشی ہوئی - میرا خیال یادگار کے بارے میں صرف اتنا تھا - کہ یہ جگہ محفوظ ہو جائے - اور کوئی ایسا نشان قائم ہو جائے کہ مسلمانوں کو معلوم رہے - آپ نے یہ کام بڑے پیمانہ پر اٹھایا ہے - اللہ تعالیٰ مدد فرمائے - آپ نے جو کمیٹی بنائی ہے وہ بہت مناسب ہے اور اخبارات میں کمیٹی کی طرف سے جو اپیل شائع ہوئی ہے اس میں میرا نام بھی شامل ہے - فی الحال کمیٹی کی طرف سے اپیل کافی ہے - وزیر اعظم صاحب[1] سے کسی مناسب موقع پر اس کا ذکر کروں گا - علامہ اسد صاحب نے عرصہ سے اس سلسلہ میں کچھ نہیں لکھا - معلوم نہیں اب ان کا ارادہ ادارہ علوم اسلامی کے قیام کا ہے یا نہیں - بہر حال اگر ان کا کوئی خط اس سلسلہ میں آیا تو ان کو توجہ دلاؤں گا - کہ وہ اس کے لئے ملتان کے اس متبرک مقام کو ترجیح دیں - مولانا مناظر احسن صاحب[2] حیدر آباد واپس ہو گئے - مولانا مفتی محمد شفیع صاحب یہاں موجود اور غالباً عید تک ابھی قیام رہے گا - عزیزی لعیش سلمہ سلام عرض کرتا ہے عزیزم مولوی محمد یحییٰ کی طرف سے سلام مسنون - والسلام -

شبیر احمد عثمانی

بنام مولانا محمد متین صاحب خطیب ناظم اعلیٰ دار العلوم اسلامیہ پرانی انار کلی لاہور

(تعارف) مولانا محمد متین صاحب خطیب فاضل دیوبند علامہ عثمانی کے شاگرد ہیں - مسلم لیگ میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے وہ پہلے دار العلوم اسلامیہ پرانی انار کلی لاہور کے ناظم تھے بعد ازاں کراچی چلے گئے - اور آجکل اردو کالج کراچی میں اسلامیات کے لیکچرر ہیں ان کی کراچی ریڈیو سے بہت سی تقریریں براڈ کاسٹ ہوئی ہیں - جب وہ دار العلوم اسلامیہ انار کلی کے ناظم تھے تو انہوں نے علامہ عثمانی کو دار العلوم کی سرپرستی قبول کرنے کے لئے عریضہ تحریر کیا تھا علامہ کا حسب ذیل مکتوب مولانا محمد متین کے خط کے جواب میں ہے یہ مکتوب " تعارف "

---

[1] لیاقت علی مرحوم مراد ہیں [2] مولانا مناظر احسن گیلانی جو علامہ کے شاگرد تھے ان کو اور مفتی صاحب کو آپ نے قوانین اسلامی کی ترتیب کے لیے بلایا تھا -

دار العلوم اسلامیہ" کے پمفلٹ میں چھپا ہوا ہے جس کے دوسرے صفحے پر حسب ذیل عبارت درج ہے :-

یادگار

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
دار العلوم الاسلامیہ لاہور
بزرگان دین کی نظر میں
۱۹۴۷ء ---- تا ---- ۱۹۵۲ء

-- مرتبہ --

محمد متین خطیب ناظم اعلیٰ دار العلوم الاسلامیہ
چرچ روڈ۔ پرانی انارکلی۔ لاہور

(۶۸) مکتوب علامہ بنام مولانا محمد متین

برادر مکرم سلمہا اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون آنکہ خط پہنچا۔ میں صحت کی خرابی کی وجہ سے جلد جواب نہ دے سکا۔ دار العلوم کے قیام کی تجویز مبارک ہے۔ اگر لاہور میں علوم دینیہ کا اچھے بڑے پیمانے پر انتظام ہو جائے۔ تو انشاء اللہ پنجاب و سرحد وغیرہ کے طلبہ کو تحصیل علم میں بہت سہولت ہو جائے گی۔ حق تعالیٰ آپ حضرات کی مساعی کو بارآور کرے۔ میں مسلسل خرابی صحت اور اپنی فطری عزلت پسندی کی وجہ سے کوئی اجتماعی ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہیں۔ اس لئے طبیعت سرپرستی قبول کرتے ہوئے رکتی ہے۔ بہرحال دعا اور نیک مشورے کی حد تک اپنی استطاعت کے موافق خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ جب تک کوئی دوسرا لائق و اہل سرپرست تجویز ہو اس انتخاب کو منظور کرتا ہوں۔

شبیر احمد عثمانی

کراچی۔ ۲۵؍ جون ۱۹۴۷ء
(مطابق ۱۳۶۶ھ)

تعارف مراسلات بنام مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد ۱۹۴۷ء کے آخر میں کشمیر کے راجہ ہری سنگھ نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں کشمیر کا الحاق بھارت سے کرلیا جس کے نتیجے میں بھارت کی حکومت نے کشمیر میں اپنی فوجیں بھیج کر اس پر قبضہ کرلیا۔ علامہ عثمانی کو اس سے بہت صدمہ پہنچا۔ آپ نے جیکب لائن کراچی کی مسجد میں زبردست تقریر فرمائی اور اس تقریر میں جنگ کشمیر کو جہاد قرار دیا۔ نہ صرف کراچی میں بلکہ آپ نے تمام پاکستان کے مسلمانوں کو جہاد کشمیر میں بہرحال حصہ لینا فرض قرار دیا۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کو جو اس زمانے میں مشرقی بنگال میں تھے جہاد کشمیر کے لئے چندہ جمع کرکے بھیجنے کو لکھا اور رضاکاروں کی ایسی جماعت تیار کرنے کو بھی لکھا جو مجاہدین کی مرہم پٹی اور دوسری دیکھ بھال کا کام کرے۔ چنانچہ علامہ کی جیکب لائن کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ اُسی تقریر میں صرف ایک شخص نے ہی چندے کی ایک بڑی رقم دی۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے بھی دس ہزار روپیہ چندہ کرکے بھیجا۔

جمرود (سرحد) میں ایک جماعت حضرت سید شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اس جماعت کے ایک مجاہد مولانا فضل الٰہی صاحب چمرقند کے رہنے والے تھے۔ وہ مولانا عثمانی کے پاس آیا جایا کرتے تھے علامہ نے ان کو جہاد میں حصہ لینے کی تلقین کی اور انہوں نے جہاد کشمیر میں خوب خوب حصہ لیا۔

مرکزی اسمبلی پاکستان میں علامہ عثمانی کی کشمیر پر تقریر

پھر مرکزی قانون ساز اسمبلی کراچی میں حضرت عثمانی نے کشمیر کے مسئلے پر ہنگامہ خیز تقریر فرمائی جس میں حکومت پر زور دیا کہ وہ مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کی امداد اور کشمیر کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ آپ کی تقریر پر کشمیر کمیٹی عمل میں آئی جس کا کام کشمیر کے معاملات کا حل کرنا اور مسلمانان کشمیر کی امداد کرنا تھا۔ اس کمیٹی کے صدر ڈی۔ ایم ملک اور سیکرٹری غلام محمد صاحب ہوئے۔

مسئلہ کشمیر کی ثالثی پر علامہ کا بیان

ہندوستان کے خلاف جہاد کا بازار کشمیر میں گرم ہوا تو ہندوستان بوکھلا اٹھا۔ اس نے سلامتی کونسل میں معاملے کو پیش کیا۔ بڑی بحث کے بعد طے ہوا کہ نمٹز کو ثالث بنایا جائے۔ علامہ نے اس پر سخت احتجاج کیا اور ایک بیان اخبارات کو دیا جو یہ ہے:۔

"مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔ پس اگر ہم صحیح معنی میں مومن ہیں اور ہم

میں ایمانی فراست کا کوئی شائبہ موجود ہے۔ تو مغربی اقوام کی ثالثی کے اس سوراخ میں پھر ہاتھ ڈالنے کا ہرگز ارادہ نہ کریں گے۔ جہاں سے کئی مرتبہ ہم کو سانپ بچھو کاٹ چکے ہیں اور جن کا زہر ابھی تک ہمارے جسم سے خارج نہیں ہوسکا۔ ریڈکلف ہو یا میر البھر نمٹز ہمارے لئے سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ خدا پاکستان کو اپنی پناہ اور حفاظت میں رکھے"۔ (زمیندار اخبار ۷ ستمبر ۱۹۴۹ء)

علامہ نے اپنے ڈھاکے کے خطبۂ صدارت میں فرمایا:۔

"فلسطین ہمارا جزوِ ایمان، کشمیر ہماری رگ جان اور حیدر آباد ہمارے قدیم عزووقار کا نشان ہے"۔

پھر اسی خطبے میں کشمیر کے مسئلے کا حل لکھتے ہیں:۔

"ایک اہم ترین ہنگامی مسئلہ ہمارے سامنے کشمیر میں استصواب رائے عامہ کا ہے۔ اس میں کامیابی بھی بڑی حد تک میرے نزدیک اسی اعلان (یعنی اعلان نظام اسلام) سے وابستہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ اگر فرض کیجیے کشمیر میں دوبارہ جنگ کی نوبت آگئی جو غالباً کشمیر تک محدود نہ رہے گی۔ تب بھی ہمارے دفاع کے لئے وہی مذہبی اسپرٹ بہت زیادہ کام دے گی۔ جو خدائی آئین اور اسلامی نظام حکومت کے اعلان سے مسلمانوں میں پیدا ہوسکتی ہے"۔

(خطبہ ڈھاکہ صفحہ ۶۳)

(تبصرہ) علامہ کے خیال کے مطابق ۸ اگست ۱۹۶۵ء سے کشمیر میں پھر جنگ شروع ہوئی۔ اور ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ہندوستان نے لاہور پر حملہ کر دیا۔ پھر سیالکوٹ پر پانچسو ٹینکوں سے حملہ کیا لیکن پاکستانی فوجی سینوں سے بم باندھ کر بھارت کے ٹینکوں کے نیچے جا پہنچے اور اپنی جانوں کی قربانی سے بھارت کے ٹینکوں اور فوجوں کو تباہ کرکے رکھ دیا۔ جنگ عظیم میں چار سو ٹینکوں کی لڑائی ہوئی تھی لیکن اس سے زیادہ سیالکوٹ کے محاذ پر ہوئی۔ لاہور پر بھارت نے ستر ہزار فوج سے حملہ کیا۔ لوک سبھا میں تالیوں کی گونج میں لاہور پر فتح کی جھوٹی خوشخبری سنائی گئی۔ دہلی میں بھنگڑا ناچ ناچے گئے لیکن بھارت لاہور فتح نہ کرسکا۔ امرتسر کے لوگ خوشی میں اور لوٹ مار کے لئے لاہور کو اندھادھند چل پڑے۔ لیکن پاکستان کے

بمباروں نے کچومر نکال کر رکھ دیا۔ پھر کیا تھا بے شمار لاشیں واپس ہوئیں اور بھارت میں کہرام مچ گیا۔ دوارکا۔ جودھ پور، پٹھانکوٹ۔ ہلواڑہ۔ آدم پور، امرتسر، جالندھر چھاؤنی کے اڈوں کو تباہ کردیا۔ اس جنگ میں نصرت الٰہی کے صاف مناظر سامنے آئے۔ غائبانہ لڑنے والے بزرگوں نے پاکستانی فوجوں کا ساتھ دیا۔ اور تمام پاکستانی قوم اور فوج نے وہ کارنامے دکھائے کہ صحابہؓ کے بعد ان سے زیادہ کارنامے دکھانے سے تاریخ قاصر ہے الحمدللہ کہ پاکستان کو فتح نصیب ہوئی اور ہندوستان کے تمام منصوبے ملیامیٹ ہوگئے۔ ہاں تو ہم مسئلہ کشمیر کے متعلق علامہ عثمانی کے احساسات بیان کر رہے تھے۔ کشمیر کی آزادی کی جدوجہد میں جو مجاہدین کوشاں تھے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو کشمیر کی موجودہ صورت جنگ پر جہاد ہونے کا شبہ تھا ان کا خیال تھا کہ جب تک ہندوستان سے معاہدہ ہو جہاد جائز نہیں بلکہ پہلے معاہدے کو ہندوستان کے منہ پر مار کر پھر جہاد کا اعلان کیا جائے۔ علامہ عثمانی نے مولانا مودودی کے اس خط کے جواب میں جو انہوں نے کسی صاحب کو لکھا تھا اور ترجمان القرآن میں چھپا تھا مولانا مودودی کو دو خط ارسال کئے تھے۔ ہم دونوں کی خط وکتابت ان اوراق میں پیش کرتے ہیں۔ جو رسالہ "نشان راہ" کراچی کے ۲۴ ستمبر ۱۹۴۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔

(مرتب)

(۶۹) مکتوب علامہ عثمانی بنام مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

کراچی، ۲ جولائی ۱۹۴۸ء (مطابق ۱۳۶۷ھ)

محترم المقام جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب زید مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعض احباب نے مجھے ترجمان القرآن کا وہ پرچہ دکھایا جس میں آپ نے کسی شخص کے خط کا جواب دیتے ہوئے جنگ کشمیر کے متعلق اپنے خیالات شرعی حیثیت سے ظاہر فرمائے ہیں جنگ کشمیر کے اس نازک مرحلے پر آپ کے قلم سے یہ تحریر دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور شدید قلق بھی ہوا کیونکہ میرے نزدیک اس معاملے میں جناب سے ایسی مہلک لغزش ہوئی ہے جس سے مسلمانوں کو عظیم نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ لوگوں کا اصرار تھا کہ میں اس کے

[1] ترجمان القرآن کا محولہ بالا مضمون بعنوان "جنگ کشمیر" صفحہ ۷ پر ملاحظہ فرمایئے

متعلق جلد از جلد اپنے تأثرات شائع کر کے ان اثرات کا حتی الامکان انسداد کرنے کی سعی کروں جو آپ کی اس تحریر سے پھیل چکے ہیں یا پھیل سکتے ہیں لیکن میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ یہ معاملہ اخبارات میں آئے۔ بہتر صورت یہ نظر آئی کہ اپنے خیالات کو مع ان دلائل کے جن پر وہ مبنی ہیں منضبط کر کے آپ کی خدمت میں بھیج دوں اور آپ سے توقع رکھوں کہ جیسا آپ نے اس مضمون میں خود تحریر فرمادیا ہے کہ "خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت ہی سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ میری تحقیق غلط ہے۔ ۔ ۔ ۔ تو اس کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی رائے پر اصرار کرنا میں گناہ عظیم سمجھتا ہوں" آپ اپنی اس تحریر سے رجوع فرمائیں گے اور اس سے بلا ارادہ جو نقصان عظیم مسلمانوں کے اس اہم مقصد کو پہنچ رہا ہے اس کی کماحقہٗ تلافی کی سعی فرمائیں گے۔

ان ہی خیالات کے تحت میں نے اخبارات میں بیان دینے سے احتراز کرتے ہوئے اپنے ایک رفیق کو ماہ صیام میں خاص اسی مقصد کے لئے سفر کی زحمت دی تاکہ وہ آپ تک میرا یہ مراسلہ پہنچا دیں اور اس معاملے میں زبانی بھی گفتگو کر لیں۔ میں اللہ پاک سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے دلوں کو جذبۂ سخن پروری سے پاک اور ہمارے سینوں کو قبول حق کے لئے کشادہ رکھے۔ آمین۔

آپ کے مضمون کا نصف اوّل جوشِ حق پرستی و حق گوئی اور جذبۂ اتباع کتاب و سنت کے اظہار پر مشتمل ہے۔ بلا شبہ یہ انتہائی قابل قدر جذبہ ہے۔ اللہ پاک ہر مسلمان کو اس جذبے سے سرشار رکھے۔

جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے، آپ کا خیال ہے کہ مسلمانانِ پاکستان کے حق میں کشمیر کی یہ جنگ اسلامی جہاد کا حکم نہیں رکھتی کیونکہ حکومت ہند اور حکومت پاکستان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے اور مملکت پاکستان کے باشندے اس معاہدے کا احترام کرنے پر شرعاً مکلف ہیں۔ اب اگر وہ اس جنگ میں حصہ لیں تو یہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہو گی۔ کاش اس موقع پر آپ بحوالہ معاہدہ کی متعلقہ دفعات بھی نقل فرما دیتے تو بہت اچھا ہوتا۔

خط لکھنے والے کی اس دلیل کے جواب میں کہ دوسرا فریق اس معاہدہ کو جوناگڑھ وغیرہ میں علانیہ توڑ چکا ہے اب پاکستان پر اس کی پابندی کیونکر باقی رہتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اسلام نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ یا تو کسی قوم سے معاہدہ نہ کرو یا اگر معاہدہ کرتے ہو تو پھر پوری ایمانداری کے ساتھ اس کی پابندی کرو اور جب دیکھو کہ فریق ثانی اپنے معاہدوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو اس کے معاہدہ کو کھلم کھلا اس کے منہ پر مار دو۔ پھر تم آزاد ہو کر اس کے خلاف جو کارروائی چاہو کرو۔ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ

خِیَانَۃً فَانْبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَاءٍ، اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَائِنِیْنَ ۝ (اور اگر کسی قوم سے تم کو خیانت کا اندیشہ ہو تو برابری کے ساتھ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو یعنی اس طرح کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ تمہارا اور ان کا معاہدہ باقی نہیں رہا ہے ——— حقیقت یہ ہے کہ اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا"۔ سخت حیرت ہے کہ آیت بالا کے الفاظ اور خود اپنے لکھے ہوئے ترجمے پر بھی آپ نے غور نہ فرمایا ورنہ ادنیٰ تامل سے واضح ہو جاتا کہ مسئلہ زیر بحث سے اس آیت کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ اس آیت میں تو اس قوم کا ذکر ہے جس کے ساتھ معاہدہ تھا اور ہنوز انہوں نے اس کی صریح خلاف ورزی نہیں کی۔ مگر آثار و قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غدر اور عہد شکنی کرنے والے ہیں، یعنی فی الحال خیانت نہیں کی۔ البتہ قوی اندیشہ ہے کہ خیانت کریں۔ تو ایسی حالت میں مسلمانوں کے لئے احتیاط و تیقظ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے نبذ علی السواء کر کے معاملے کو صاف کر دیں۔

رہی وہ قوم جو معاہدہ کے بعد اس کو میں علانیہ خیانت کر چکی اور اپنے عمل سے عہد کو توڑ چکی۔ اس کا حکم آیت مذکور میں بیان نہیں ہوا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ معاہدہ کا تحقق دو فریق کے درمیان دونوں طرف سے ہوتا ہے۔ جب ایک فریق نے اس کی صریح خلاف ورزی کر لی تو صرف ایک جانب سے معاہدہ کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ اسی وقت اس کا وجود ختم ہو چکا۔ اس لئے اب "نبذ" کس چیز کا کیا جائے۔

دیکھئے صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ قریش کے ساتھ دس برس کے لئے ہوا تھا۔ دو برس کے اندر ہی قریش نے اس کی بالواسطہ خلاف ورزی کی۔ بنی خزاعہ جو مسلمانوں کے حلیف تھے ان کے مقابلے پر قریش اپنے حلفاء بنی بکر کی مدد کو آئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "نبذ عہد" کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔ بلکہ آپ نے نہایت خاموشی اور اخفا کے ساتھ قریش پر حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ آپ کا منشا مبارک یہ تھا کہ اچانک دشمن کے سر پر پہنچ جائیں۔ تاکہ اس کو تیاری کا زیادہ موقع نہ ملے اور اس طرح خونریزی زیادہ نہ ہو۔ اسی سلسلہ میں حاطب بن ابی بلتعہ کی جاسوسی کا قصہ پیش آگیا۔ جو کتب حدیث میں مشہور ہے اور جس پر سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ بہر حال فتح مکہ کا قصہ اس دعوے پر صاف حجت ہے کہ جب ایک فریق معاہدہ توڑ ڈالے تو دوسرا فریق فوراً آزاد ہو جاتا ہے۔ کہ جو کارروائی چاہے کرے نہ اس میں کوئی دھوکہ ہے نہ فریب اور نہ یہ کوئی سیاسی اخلاق ہے بلکہ پیغمبرانہ کردار ہے جس پر عقل و دیانت کوئی حرف گیری نہیں کر سکتی۔ "نبذ عہد" کی ضرورت تو اسی لئے تھی کہ فریق ثانی معاہدہ کو باقی سمجھ کر غفلت میں نہ رہے مگر جب اس نے دیدہ و دانستہ از خود معاہدے کا وجود ختم کر دیا تو پھر دوسری جانب سے اس کی پابندی کا انتظار کرنے کے کیا معنی ہیں؟

اس موقع پر یہ واضح رہنا چاہیئے کہ مکہ ۸ھ میں فتح کر لیا گیا تھا۔ اور سورۂ براۃ کی ابتدائی آیات کا اعلان ۹ھ میں ہوا فتح مکہ سے پہلے ایک حرف نبذ عہد یا براۃ کا منقول نہیں۔

سائل کے جواب میں آگے چل کر آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "آپ کا یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کہ حکومتوں کے باہمی معاہدات کے باوجود ہمارے افراد اپنی ضمیر کی آواز کے مطابق سرحد پار کی کسی جنگ میں رضاکارانہ حصہ لے سکتے ہیں۔ آپ اس طرز عمل کے لئے بین الاقوامی دستور کو حجت میں پیش کرتے ہیں۔ مگر ہمارا کام کسی بین الاقوامی دستور کی پیروی کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہم مسلمان ہیں۔ تو ہمیں صرف قرآن کے قانون کی پیروی کرنا چاہیئے۔ قرآن کی رو سے ہمارے ہر ہر فرد پر ان معاہدات کی پابندی واجب ہے جو ہم نے قومی حیثیت سے کسی کے ساتھ کئے ہیں۔

میں عرض کرتا ہوں کہ بے شک قومی معاہدات کی پابندی ہر فرد پر واجب ہے۔ مگر انہیں چیزوں میں جن پر معاہدہ ہوا ہے، جب فریقین جانتے ہیں اور ساری دنیا جانتی ہے کہ معاہدے کے ماتحت یہ چیز آتی ہی نہیں کہ ایک فریق کے افراد رضاکارانہ طور پر کسی جنگ میں اپنے ضمیر کی آواز پر شریک ہوں تو ایسے کام سے معاہدہ کی خلاف ورزی کیونکر ہوئی۔ بین الاقوامی دستور کو یہاں کسی چیز کا جواز ثابت کرنے کے لئے پیش نہیں کیا جا رہا ہے۔ بلکہ معاہدے کے مفہوم کی صحیح تحدید بتلانے کے لئے اس کا حوالہ دیا گیا ہے یعنی بین الاقوامی دستور جو فریقین کو پہلے سے مسلّم ہے۔ معاہدے کے الفاظ کا مطلب اسی کی روشنی میں لیا جائیگا کیونکہ عرفاً اس کا مطلب وہی سمجھا جاتا ہے، لہٰذا افراد کی مذکورہ بالا رضاکارانہ جنگ معاہدے کے تحت میں شروع سے داخل ہی نہیں تھی۔ پھر خلاف ورزی کے کیا معنے؟ الحاصل جو چیزیں معاہدے کے الفاظ سے فریقین کے نزدیک مُراد ہیں ان کی پابندی بے شک حکومت اور افراد سب کے ذمہ ہے۔ ہاں اگر ایک فریق معاہدہ کو اپنے عمل سے توڑ ڈالتا ہے تو دوسرے فریق پر سے خود بخود اس کی پابندی ختم ہو جاتی ہے اس صورت میں شرعاً "نبذ" کی اصلا ضرورت نہیں رہتی۔ انڈیا میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا وہ بھی معاہدات کے خلاف تھا۔ کیونکہ دونوں فریق اقلیتوں کے تحفظ کے پابند تھے۔ اگر اس کے جواب میں پاکستان بدون نبذ علی السواء کے انڈیا کے مسلمانوں کی مدد کرتا تو یہ بھی غدار اور نقض عہد نہ ہوتا۔ نہ سورۂ انفال کی آیت وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ کی خلاف ورزی ہوتی۔ کیونکہ فریق ثانی نے میثاق باقی ہی نہیں چھوڑا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ پاکستان ایسا نہ کر سکا

یا اس نے ایسا نہ کرنا چاہا۔

میں سمجھتا ہوں کہ سطور بالا میں از روئے کتاب و سنت اس حقیقت کی کافی وضاحت ہو گئی ہے کہ فریق ثانی کی طرف سے علانیہ اور صریح نقض عہد کے بعد مسلمانوں کے لئے نبذ عہد کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی اور وہ آزاد ہوتے ہیں کہ اس فریق کے خلاف کارروائی کرنا چاہیں تو کریں۔ نیز یہ کہ اب تک دونوں مملکتوں کے نزدیک بین الاقوامی قوانین کو مسلّم حیثیت حاصل ہے اور جو کچھ بھی معاہدات وغیرہ ہوتے ہیں۔ ان کا مفہوم لازماً ابھی قوانین کی روشنی میں متعین ہو گا۔ لہٰذا جس وقت تک یہ صورت باقی رہتی ہے۔ فریقین اسی مفہوم کی حد تک معاہدات کے پابند رہیں۔ جو مسلمہ بین الاقوامی قوانین کی رُو سے متعین ہوتا ہے اور جو معاہدہ کرتے وقت یکساں طور پر فریقین کے ذہنوں میں موجود تھا۔

میں اس مراسلہ کو ختم کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں مخلصانہ عرض کرتا ہوں کہ اگرچہ آپ کی نیت مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی نہیں ہو سکتی تاہم آپ کی تحریر سے سخت نقصان پہنچ رہا ہے، اسے مجاہدین آزاد کشمیر میں خوب پھیلایا جا رہا ہے مفسد عناصر اپنے ناپاک اغراض کے لئے اسے بہت اچھال رہے ہیں اگر معاملہ صرف نظری اور علمی اختلاف کی حیثیت کا ہوتا تو اور بات تھی مگر یہاں صورت دوسری ہے اگر اس تحریر کی وجہ سے مجاہدین اسلام کسی تذبذب میں پڑ گئے اور اس مقدس مقصد کو کسی قسم کا ضعف یا ضرر پہنچا جس کی طرف قرآن پاک نے آیت "وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظالم اہلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا"[1] میں آمادہ کیا ہے تو اس کے وبال سے ڈرنا چاہیئے۔

مجھے قوی اُمید ہے کہ آپ ٹھنڈے دل و دماغ سے مذکورہ بالا دلائل پر غور فرمائیں گے اور اس نقصان کی کما حقہٗ تلافی کرنے کی کوشش کریں گے۔ جو آپ کی اس تحریر سے مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے یا پہنچ سکتا ہے۔ والسلام۔

شبیر احمد عثمانی

---

[1] تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے اور کمزور مرد، عورتیں اور بچے کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب اس بستی سے ہمیں نکال دے جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارے لئے کوئی مددگار بنا دے اور اپنے پاس سے کوئی ہمارا حامی کھڑا کر دے۔

مکتوب مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بنام مولانا شبیر احمد عثمانی

۱۳ جولائی ۱۹۴۸ء

اچھرہ - لاہور

مخدوم و محترم جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۷ جولائی ۱۹۴۸ء ظفر احمد انصاری صاحب کے ذریعہ سے ملا۔ میں نے کشمیر کے معاملہ میں جس رائے کا اظہار کیا ہے مجھے اس پر کوئی خوشی نہیں ہے۔ بلکہ میری دلی خواہش ہے کہ کسی طرح میری وہ رائے غلط ثابت ہو جائے اور میں مسلمانان پاکستان سے یہ کہہ سکوں کہ تمہارے لئے اپنے کشمیری بھائیوں کی جنگی امداد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اسی امید کے ساتھ میں نے جناب کے گرامی نامہ کو بھی پڑھا اور دو دن مسلسل اس پر غور کرتا رہا۔ کہ شاید اس میں کوئی دلیل ایسی مل جائے جس کی بنا پر میں اپنی رائے سے رجوع کر سکوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ جناب کے ارشادات سے بھی میرا اطمینان نہ ہو سکا۔ اب میں واضح طور پر پوری صورت مسئلہ جیسی کہ میں سمجھ رہا ہوں جناب کے ملاحظہ کے لئے نمبر وار پیش کرتا ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ براہ کرم اس پر روشنی ڈال کر مجھے یا تو بتائیں کہ مسئلہ کی اصل صورت یہ نہیں ہے یا پھر یہی ارشاد فرمائیں کہ اس صورت میں فلاں دلیل سے جنگی امداد شرعاً جائز ہے۔

۱:۔ یہ امر واقعہ ہے کہ پاکستان کی موجودہ حکومت مسلمانانِ پاکستان کے اپنے منتخب کئے ہوئے نمائندوں پر مشتمل ہے اور خصوصاً اس حکومت کے گورنر جنرل کو کم از کم ۹۹ فیصدی مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے لہٰذا کسی بیرونی قوم کے ساتھ جو معاہدات یہ حکومت طے کرے وہ دراصل ہماری قوم کی طرف سے کالتاً طے ہونگے اور ہم سب شرعاً واخلاقاً خدا اور خلق کے سامنے انہیں وفا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔ جب تک ان لوگوں کو قوم کی نمائندگی کا منصب حاصل ہے۔ ہمارے افراد کو انفرادی طور پر ان کے کئے ہوئے معاہدات کی ذمہ داری سے بری ہو جانے کا حق نہیں ہے۔

۲۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کی الگ مملکتوں کا قیام ایک ایسے سمجھوتے سے عمل میں آیا جو برطانوی حکومت کے توسط سے دونوں طرف کے نمائندوں نے قبول کر لیا تھا اس کے بعد دونوں

مملکتوں کے درمیان روزِ اوّل سے سفارتی تعلقات قائم ہیں اور لین دین تجارت اور دوسرے امور کے متعلق تمام معاملات باہمی گفت و شنید سے طے ہوتے رہے ہیں۔ انھی تعلقات کو میں معاہدانہ تعلقات سے تعبیر کرتا ہوں۔ اور دو حکومتوں کے درمیان معاہدانہ تعلقات میں یہ بات آپ سے آپ شامل ہے کہ ان کے درمیان جنگ نہیں ہے خواہ عدم محاربہ کا صریح معاہدہ باہم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو پھر یہ بات اب سے تین ہی مہینے پہلے اپریل ۱۹۴۸ء کے میثاق کلکتہ میں صاف صاف واضح بھی کر دی گئی ہے چنانچہ اس کی دفعہ ۱ ضمن ۲ میں دونوں حکومتوں کے درمیان طے ہوا ہے کہ وہ اپنے اپنے ملک کے اخبار نویسوں کو ایسی باتیں شائع کرنے سے روک دیں گی جن سے یہ بات نکلتی ہو کہ ایک مملکت دوسری مملکت کے خلاف اعلان جنگ کرے۔ یا دونوں کے درمیان جنگ ناگزیر ہو چکی ہے کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ دونوں کے درمیان کم از کم مسالمت اور عدم محاربہ کا میثاق ضرور ہے۔

۳۔ جونا گڑھ میں سمجھوتہ کی جو خلاف ورزی کی گئی ہے اور دوسری بدعہدیاں جن کا ارتکاب حکومت ہند نے کیا ہے ان کو پاکستان کی حکومت نے خود کبھی اس درجہ کی بدعہدی قرار نہیں دیا کہ اس کے بعد معاہدانہ تعلقات ختم ہو جاتے۔ ان تمام بدعہدیوں کے باوجود دونوں میں سفارتی تعلقات بھی رہے۔ لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات بھی طے ہوتے رہے اور اپریل ۱۹۴۸ء میں میثاق کلکتہ پر ان واقعات کے بعد دستخط بھی ثبت کیے گئے۔ پھر ان معاہدانہ تعلقات کو برقرار رکھتے ہوئے تجارتی سمجھوتوں کے ذریعہ کوئلہ، شکر، کپڑا اور دوسری چیزیں جو ہندوستان سے آج تک لی جا رہی ہیں، ان کو پاکستان کی آبادی قبول بھی کر رہی ہے اب آپ یہ کیسے فرما سکتے ہیں کہ فریق ثانی کی طرف سے معاہدات توڑے جا چکے ہیں لہٰذا ہم اس کے خلاف جنگی کارروائی کے لیے آزاد ہیں۔ اس کی عہد شکنی کو تو ہماری قوم کے نمایندوں نے اور خود قوم نے بحیثیت مجموعی آج تک بھی قطع علائق کا ہم معنی قرار نہیں دیا ہے۔ اسی بنا پر میں کہتا ہوں کہ اب اگر ہم عہد شکنی کے ان واقعات کو "خیانت" کی علامت قرار دے کر جنگی کارروائی کرنا چاہتے ہیں تو "نبذ علی سواء" ضروری ہے

(۴) مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ ایک فریق جب عہد توڑ دے تو دوسرا فریق اس عہد کی پابندی سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس صورت میں فانبذ الیھم علی سواءٍ کا حکم نہیں ہے۔ اس کی صریح دلیل وہی ہے جو آپ نے نقل فرمائی ہے یعنی خزاعہ کے معاملہ میں قریش کی عہد شکنی پر نبی صلعم کا بلا اطلاع مکہ پر حملہ کر دینا۔ لیکن اگر فتح مکہ کا پورا واقعہ جناب کے پیش نظر ہے تو جناب یہ تسلیم کریں گے کہ فریق ثانی کے نقض عہد کی وجہ سے جب ہم اپنے

آپ کو معاہدانہ تعلقات سے آزاد سمجھ لیں۔ تو پھر یا تو ہمیں کھلی کھلی جنگی کارروائی کرنی چاہیئے یا کم از کم قطع تعلق ضرور کرنا چاہیئے۔ جناب کو یاد ہوگا کہ بنی خزاعہ کے ساتھ عہد شکنی کرنے کے بعد جب قریش نے ابوسفیان کو تجدید عہد کے لئے مدینے بھیجا تھا تو نبی صلعم نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ نے سفارش سے صاف صاف انکار کر دیا تھا۔ اور قریش پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اسلامی حکومت اب ان کے ساتھ معاہدانہ تعلقات کو ختم سمجھتی ہے۔ اس نظیر کو سامنے رکھتے ہوئے جناب مجھے بتائیں کہ آخر اس طرز عمل کے لیئے ہمارے پاس کیا دلیل ہے۔ کہ ایک طرف تو ہم فریق ثانی کی عہد شکنیوں کو حجت قرار دے کر اپنے آپ کو جنگی کارروائی کے لئے آزاد سمجھیں اور دوسری طرف ہمارے نمائندے اس کو برابر یقین دلاتے چلے جائیں کہ ہمارے اور اس کے درمیان تعلقات برقرار ہیں۔ اور ہم خود بھی تعلقات کی اس برقراری کے تجارتی فوائد کو قبول کرتے رہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اگر ہم استدلال کرتے ہیں تو ہمیں آپ کے پورے عمل کو دلیل بنانا چاہیئے۔ حضورؐ نے یہ طریقہ تو اختیار نہیں فرمایا تھا کہ خود تو قریش کے ساتھ مصالحانہ ربط و ضبط رکھ کر اس سطح پر یہ نمائش کرتے رہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ نہیں ہے اور چپکے چپکے مسلمانوں کو یہ اشارہ کر دیں کہ جاؤ قریش کے خلاف جنگی کارروائیاں کرو کیونکہ وہ عہد توڑ چکے ہیں۔

(۵)۔ جہاں تک مجھے علم ہے شرعی مسئلہ یہی ہے کہ جب کسی قوم کے ساتھ مسلمان من حیثیت القوم مسالمت کر لیں تو جب تک مسالمت برقرار رہے وہ قوم مسلمانوں کے لئے "مباح الدم والاموال" نہیں ہوتی۔ اور ظاہر بات ہے کہ جنگی کارروائی جان و مال کو مباح کئے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر میں اب بھی یہی رائے رکھتا ہوں کہ ایک معاہد یا مسالم قوم کے خلاف کسی جنگ میں حصّہ لینا ہمارے افراد کے لئے جائز نہیں ہے خواہ موجودہ زمانے کے بین الاقوامی قوانین اس کو جائز رکھتے ہوں۔ بین الاقوامی قانون میں بھی اس فعل کا جواز اس معنی میں نہیں ہے کہ ایک قوم کے افراد اپنی قومی حکومت کے کئے ہوئے معاہدات میں اخلاقاً شریک نہیں ہیں اور ان کی اخلاقی ذمہ داری سے بری ہیں۔ بلکہ وہ صرف اس معنی میں ہے کہ ایک معاہد قوم کے افراد اگر اپنی ذمہ داری پر دوسری معاہد قوم کے خلاف جنگ میں حصّہ لیں تو ان کا یہ فعل قوموں کے درمیان نقض معاہدہ کا ہم معنی نہیں ہوگا۔ اسی بنا پر آج کی حکومتیں ایسے انفرادی افعال پر کوئی معاندانہ کارروائی تو نہیں کرتیں مگر احتجاج ضرور کرتی ہیں اور یہ مطالبہ بھی کرتی ہیں کہ اپنے آدمیوں کو ہمارے خلاف جنگی کارروائیاں کرنے سے منع کرو۔ پس بین الاقوامی معاہدات میں جو چیز عرفاً شامل ہے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ کہ قومی

معاہدات کی انفرادی خلاف ورزی قومی پیمانے پر نقض عہد نہیں سمجھی جائے گی۔ اس قانونی پوزیشن کو نگاہ میں رکھ کر اب فتویٰ دیں کہ آیا عرف اس کے لئے کافی ہے کہ ہمارے افراد شرعاً اس قوم کے خون اور مال کو مباح کر لیں جس کے ساتھ ہماری قوم نے مسالمت کر رکھی ہے؟ میں دو دن تک اس مسئلہ پر غور کرتا رہا ہوں اور ابھی تک مجھے اطمینان نہیں ہوا ہے۔ کہ یہ عرف اس اباحت کے لئے کافی ہے۔ لیکن اگر آپ ذمہ دارانہ طریق پر تحقیق فرما کر یہ فتویٰ دیں گے تو میں آپ کے علم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی توثیق کر دوں گا جب تک آپ امور مذکورہ بالا میں مجھے مطمئن نہ فرمائیں۔ میں اپنی اس رائے پر قائم ہوں۔ کہ ہم کشمیر کے مسلمانوں کو سر دست کوئی جنگی مدد نہیں دے سکتے۔ اس کے معنٰی یہ نہیں کہ میرے نزدیک وہ مدد کے مستحق نہیں ہیں۔ حاشا و کلاّ۔ میں تو دل سے یہ چاہتا ہوں کہ ان کو بچانے کے لئے کچھ کیا جائے۔ لیکن میرے نزدیک اس کی صحیح شرعی صورت یہ ہے کہ حکومت پاکستان حکومت ہند سے معاہدانہ تعلقات ختم کر دے۔ پھر خواہ وہ کشمیر میں جنگی کارروائی کرے یا نہ کرے۔ ہم اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے آزاد ہو جائیں گے۔ مگر جب تک ایسا نہیں ہوتا۔ ہم آزاد کشمیر کے مسلمانوں کو روپے کپڑے اور غلے سے مدد دے سکتے ہیں وہ اسلحہ خریدنا چاہیں تو ہم وہ بھی ان کے ہاتھ بیچ سکتے ہیں، دوائیں اور مرہم پٹی کا سامان اور ڈاکٹر اور تیماردار بھیج سکتے ہیں۔ لیکن خود لڑنے کے لئے وہاں نہیں جا سکتے۔ البتہ اس پابندی سے آزاد قبائل کے وہ لوگ آزاد ہیں جنہوں نے ابھی تک پاکستان کی شہریت قبول نہیں کی ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

(نوٹ) یہ خط ۱۳ر جولائی ۱۹۴۸ء کو لکھ کر دستی جناب ظفر احمد صاحب انصاری کو دیا گیا تھا۔ لیکن وہ کسی وجہ سے نہ جا سکے۔ اس کا علم ۳۱ر جولائی کو ہوا تو پھر یہ خط ہوائی ڈاک سے روانہ کر دیا گیا۔

(۷۰) مکتوب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بنام مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی

کراچی ۸ر اگست ۱۹۴۸ء

کرم فرمائے محترم جناب مولانا مودودی صاحب دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ مورخہ یکم اگست ۵ر کو ملا۔ مسٹر ظفر احمد انصاری بھی کل پہنچے۔ میں خود شدید انتظار کے بعد مایوسی کے قریب پہنچ چکا تھا کہ آپ کا نوازشنامہ ملا۔ جہاد کشمیر کے بارے میں میرے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

(۱) ایک معاہدہ انڈیا یونین اور پاکستان میں ہُوا۔ کہ ایک حکومت دوسری حکومت کے مقابلہ میں جنگ نہیں کرے گی۔

(۲) اس معاہدے کے الفاظ کا مطلب وُہی لیا جائے گا جو دونوں فریقین نے ان سے ارادہ کیا ہے اور جسے عرفًا فریقین اس قسم کے معاہدے سے سمجھ سکتے ہیں۔

(۳) اس زمانہ میں عرف عام یہی ہے اور یہی مطلب فریقین سمجھتے ہیں کہ کسی فریق کے افراد کی رضاکارانہ جنگ ایسے معاہدے کے تحت میں نہیں آتی۔ ظاہر ہے کہ افراد کی رضاکارانہ جنگ سے بھی اراقۃ دم[۱] اور اہلاک انفس واموال[۲] اسی طرح واقع ہوگا جیسے دو حکومتوں کی جنگ سے ہوتا ہے، اس بات کو جانتے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ معاہدہ کا مقصد "عصمتِ دماء واموال" ہے۔ فریقین کا اس چیز کو خارج از معاہدہ سمجھنا اس کی دلیل ہے کہ معاہدہ کو اس صُورت حال پر مقصور رہنا چاہیئے۔ جو حکومتوں کے درمیان من حیثیت الحکومت جنگ کرنے سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا انڈین یونین اور پاکستان کے درمیان معاہدۂ مذکور کو باقی مانتے ہوئے بھی پاکستان کے افراد کا جنگ کشمیر میں حصّہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں۔

دوسری بحث یہ ہے کہ آیا انڈین یونین کے بار بار اور صریح نقض عہد کے بعد معاہدۂ مذکور شرعًا باقی بھی رہا یا نہیں؟ اور اس صورت میں "نبذ علی السواءٖ" کی ضرورت ہے یا نہیں؟

مَیں پُورے وثوق سے یہ سمجھتا ہوں اور جناب کے حالیہ گرامی نامہ سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی ایسی صورت میں معاہدہ قائم نہیں رہتا۔ کیونکہ معاہدہ کا تعلق فریقین سے ہے خالی ایک طرف سے معاہدہ کا تقوم ہو ہی نہیں سکتا۔ بنابریں "نبذ علی السواء" کی ضرورت نہیں رہتی۔ جیسا کہ فتح مکہ کے قصّہ میں ہوا۔ ہاں! آپ کو خلجان یہ ہے کہ اگر پاکستان جوناگڑھ وغیرہ کے واقعات سے یہ سمجھ لیتا کہ ہمارا معاہدہ ختم ہوچکا ہے تو وہ تا اینندم انڈیا کے ساتھ ایسے معاملات نہ کرتا رہتا جو عمومًا دو متحارب قوموں میں نہیں ہُوا کرتے۔

مَیں کہتا ہوں کہ پاکستان کے ارباب حکومت نے اگر بعض معاملات میں غلط روش اختیار کرلی۔ تو اس سے شرعی مسئلہ بدل نہیں جاتا اور نہ وہ ٹوٹا ہُوا معاہدہ ان معاملات سے جڑ سکتا ہے۔ جب تک از سرِ نو دوسرا معاہدہ نہ کیا جائے۔

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انڈین یونین کے علانیہ نقض عہد کے بعد حکومت پاکستان کا ایسا معاہدہ کرنا اس کی کمزوری یا احکام اسلام سے بے خبری ولاپرواہی کا ثبوت ہے یا زیادہ سے زیادہ فریق ثانی کے صریح

---

[۱] خونریزی۔ [۲] مالوں اور جانوں کا تلف کرنا۔

نقض عہد کے باوجود دھوکہ بازی، قول وفعل کے اختلاف اور تضاد بیانی کو دیکھتے ہوئے پاکستان کی جانب سے اسے ایک قسم کا "جوابی مخادعہ" کہہ سکتے ہیں۔ یہ جوابی مخادعہ جائز ہے یا ناجائز، اس سے بحث نہیں اسے خواہ کتنا ہی مذموم سمجھا جائے تاہم شرعی مسئلہ اپنی جگہ پر قائم رہے گا۔ جو چیز شرعاً غلط ثابت ہو چکی وہ کسی حکومت کے طرزِ عمل سے صحیح ثابت نہیں ہو جائے گی۔ اور اب تو آپ نے اخبارات میں یہ بھی پڑھ لیا ہوگا کہ پاکستان نے کشمیر کمیشن کے سامنے اعتراف کر لیا ہے۔ کہ اس کی فوجیں بے شک جنگ میں حصہ لے رہی ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ وہ انڈیا کے عمل کے پیش نظر اپنے کو بھی معاہدہ کا پابند نہیں سمجھتا جو اصول شرع کے مطابق بالکل صحیح ہے۔

رہا میثاق کلکتہ۔ سو وہ صرف اخبار نویسوں کو ایک ہدایت دینے کے متعلق ہے جس پر شاید انڈیا کے اخبارات کی طرف سے ایک مرتبہ بھی عمل نہیں ہوا۔ خود انڈین یونین کے بڑے بڑے ذمہ دار برابر ایسی تقریریں کر رہے ہیں جو صریح اس معاہدے کے خلاف ہیں۔

آپ کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو لیا جائے تو پورا لینا چاہئے۔ بلاشبہ ایک مومن کی شان یہی ہونی چاہئے۔ کہ حضور کے پورے اسوہ پر عمل اور تمام احکام اسلام کا پورا پابند ہو۔ لیکن اگر جہل یا حماقت سے کسی نے اس میں کوتاہی کی تو وہ قابل ملامت ہو سکتا ہے پر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس کے طرزِ عمل سے اسلام کا کوئی حکم بدل جائے گا۔ یا اگر کوئی صحیح عمل کرے تو وہ بھی ضبط ہو جائے گا۔

بہر حال میں نے پہلے عریضہ میں جو کچھ عرض کیا تھا وہ اپنی علمی بضاعت کے موافق پورے غور وفکر کے بعد عرض کیا تھا۔ آپ کو مطمئن کر دینا میری قدرت سے باہر ہے۔ باقی آپ کی نیت پر مجھے آج تک کبھی بدگمانی نہیں ہوئی امید ہے کہ آپ کے گرامی نامہ میں جو امور نمبروار درج ہیں ان سب کا جواب مختصراً عریضہ ہذا میں آگیا ہے۔ آپ سے خطاب کرتے ہوئے مزید تطویل کی ضرورت نہیں واللہ الموفق لا رب غیرہ۔

ہاں ایک بات اب یاد آئی وہ جو آپ نے تجدید عہد کی غرض سے ابو سفیان کے آنے کا ذکر کیا ہے اس سے تو بداہتہً یہ ثابت ہوتا ہے کہ محض ایک فریق کے نقض عہد سے معاہدہ کا ختم ہو جانا ایک ایسا مسلّم مسئلہ ہے کہ جس پر اس زمانہ کے مسلم اور کافر سب متفق تھے اور اندریں صورت نبذ علیٰ سواء کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح پاکستان اور انڈین یونین کو بھی سمجھنا چاہئے تھا لیکن مغربیت کے زور اور دیانت کے فقدان نے معاہدات کی کوئی قیمت باقی ہی نہیں رکھی۔ جو ان سے متعلق مسائل کے سمجھنے پر کوئی دھیان دیا جائے۔ تاہم کوئی دھیان دے یا نہ دے مسئلہ اور حکم وہ رہے گا جو عہد رسالت کے مسلمان اور کافر سب بالاتفاق سمجھتے تھے۔

اسی سلسلہ میں غالباً یہ بھی یاد ہوگا کہ جب ابوسفیان مکہ میں واپس پہنچے اور جو کچھ مدینے میں گذری تھی اسے بیان کیا تو قریش نے کہا کہ یہ تو تم نے کچھ نہ کیا نہ جنگ کی صورت متعین ہوئی نہ صلح کی۔ ہم تو اس سے کچھ بھی نہ سمجھ پائے۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کا طرز عمل ایسا تھا جس سے ابوسفیان اور قریش ابہام میں مبتلا ہو گئے۔ اور بات صاف نہیں کی گئی۔

واللہ سبحانہٗ وتعالےٰ اعلم

شبیر احمد عثمانی۔ ۹ر اگست ۱۹۴۷ء

مکتوب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بنام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

لاہور ۶ر ستمبر ۱۹۴۸ء

مخدوم ومحترم جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دامت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ عنایت نامہ مورخہ ۹ر اگست کا جواب بڑی تاخیر سے دے رہا ہوں اور اس کے لئے معافی خواہ ہوں۔

دراصل آپ کے اس عنایت نامہ کو دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ مراسلت کچھ لاحاصل سی ہے۔ اسی بنا پر مجھے جواب دینے میں تامل تھا۔

آپ نے اپنے فقرات نمبر ۱-۲-۳-۴ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ بنیادی نکتہ آپ کی توجہ سے بالکل محروم ہی رہ گیا۔ جو میں نے اپنے پچھلے نیاز نامہ کے فقرہ نمبر ۵ میں پیش کیا تھا۔ حالانکہ اس معاملہ میں مدار بحث وہی تھا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ بین الاقوامی قانون میں بھی اس فعل (یعنی معاہد قوم کے خلاف افراد کی رضاکارانہ جنگ) کا جواز اس معنی میں نہیں ہے کہ ایک قوم کے افراد اپنی قومی حکومت کے کئے ہوئے معاہدات میں اخلاقاً شریک نہیں ہیں۔ اور ان کی اخلاقی ذمہ داری سے بری ہیں۔ بلکہ وہ صرف اس معنی میں ہیں کہ ایک معاہد قوم کے افراد اگر اپنی ذاتی ذمہ داری پر دوسری معاہد قوم کے افراد کے خلاف جنگ میں حصہ لیں تو ان کا یہ فعل قوموں کے درمیان نقض معاہدہ کا ہم معنی نہ ہوگا۔ ۔۔پس بین الاقوامی معاہدات میں جو چیز عرفاً شامل ہے وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ قومی معاہدات کی انفرادی خلاف ورزی قومی پیمانے پر نقض عہد نہیں سمجھی جائیگی۔

یہ اس عرف عام کی اصل حقیقت ہے جسے آپ حجت قرار دے کر اس رضا کارانہ جنگ کو شرعاً جائز قرار دے رہے ہیں۔ اب یا تو آپ یہ فرمائیں کہ اس عرف کی یہ حقیقت ہے ہی نہیں یا پھر یہ فرمائیں کہ اس حقیقت کے باوجود یہ عرف شرعاً اس بات کے لئے کافی ہے کہ ایک مسلمان خود اپنی قومی حکومت کے معاہدات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک معاہد قوم کے خلاف جنگ کرے اگر پہلی صورت ہے تو میری غلطی مجھ پر واضح کر دی جائے میں اسے تسلیم کرنے میں تامل نہ کروں گا۔ اگر دوسری بات ہے تو آپ اپنی ذمہ داری پر اس مسئلہ کی صراحت کرتے ہوئے فتویٰ دیں۔ میں اس کے مقابلے میں اپنی رائے واپس لے لوں گا۔

(۲) دُوسری بحث نقض عہد سے متعلق ہے۔ اس معاملہ میں اصل مدارِ بحث یہ سوال ہے کہ اگر ایک فریق کی طرف سے نقض عہد ہو جانے کے بعد دُوسرا فریق بار بار اس کے ساتھ مزید معاہدات کرتا رہا ہو۔ اور اپنے طرزِ عمل سے بدا بدیہی ظاہر کرتا جائے کہ فریق اوّل کے ساتھ اس کا تعلق جنگ یا قطع علایق کا نہیں بلکہ صلح و مسالمت کا ہے تو کیا اس صُورت میں فریق ثانی کو یہ کہنے کا حق باقی رہتا ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان معاہدانہ تعلق ٹوٹ چکا ہے؟

آپ فرماتے ہیں کہ اس نقض عہد کے بعد جو معاملات فریق ثانی نے فریق اوّل کے ساتھ کئے وہ ایک قسم کا جوابی مخادعہ ہیں اور یہ مخادعہ اس شرعی مسئلہ پر کوئی اثر نہیں ڈالتا کہ نقض عہد واقع ہو چکا۔ اور اس کی بنا پر ہمیں وہ حقوق حاصل ہو گئے جو شریعت ایک ناقض عہد قوم کے خلاف ہم کو دیتی ہے۔ لیکن میں اس بات کو نہیں سمجھ سکا کہ بعد کے معاہدات سمجھوتے اور مواثیق سب کے سب محض لفظ "مخادعہ" کی لپیٹ میں کیسے آجائیں گے۔ یہ تو درحقیقت تعلقات معاہدانہ کی تجدید ہے جس کے وقوع میں آتے ہی ناقض العہد قوم پھر سے معاہد ہو گئی۔

میرے نزدیک اس بحث میں اصل مسائل یہی دو ہیں اس لئے میں اپنی گذارشات کو ابھی تک محدود رکھتا ہوں۔ دوسرے ضمنی مباحث پر کلام کرنا بے فائدہ ہے۔ اگر آپ ان دو مسائل سے تعرض کرکے کوئی صاف بات بیان فرمائیں تو یہ بحث نتیجہ خیز ہو سکتی ہے ورنہ اس سے کیا حاصل کہ آپ اپنی کہے جائیں اور میں اپنی۔

خاکسار

(دستخط) ابوالاعلیٰ

مکتوب مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بنام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۵-اے - ذیلدار پارک - اچھرہ - لاہور

۱۶ ستمبر ۱۹۴۸ء

مخدوم و محترم جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلکم العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

اُمید ہے کہ میرا ۱۴ ستمبر ۱۹۴۸ء کا عریضہ جناب کو مل چکا ہوگا۔ اس کے بعد دوسرے ہی روز پاکستان ٹائمز مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۴۸ء میں مجلس اقوام متحدہ کے کشمیر کمیشن کا یہ بیان میری نظر سے گذرا کہ "حکومت پاکستان نے سرکاری طور پر حدود کشمیر میں اپنی فوجوں کی موجودگی کا اقرار کیا ہے"۔ پھر ۸ ستمبر ۱۹۴۸ء کو وہ مراسلت شائع ہوئی جو حکومت پاکستان اور کمیشن کے درمیان ہوئی تھی۔ اور ۹ ستمبر ۱۹۴۸ء کو مسٹر ظفر اللہ خان کا بیان شائع ہوا لیکن میں نے اپنی رائے کے اظہار میں اس لئے تاخیر کی کہ ۱۵ ستمبر ۱۹۴۸ء کو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہونے والا تھا۔ اور میں ضروری سمجھتا تھا کہ اب اس مسئلہ میں جو بھی قدم اُٹھاؤں مجلس کے مشورے سے اُٹھاؤں، چنانچہ کل اور آج مجلس میں اس مسئلہ پر پوری طرح غور و خوض کر لیا گیا۔ اور جو بات طے ہوئی اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

"حکومت پاکستان کے اس اقرار و اظہار، اور حکومت ہند کے اس پر مطلع ہو جانے کے بعد مسئلہ کی نوعیت شرعاً بالکل بدل چکی ہے اب جو معاہدانہ تعلقات دونوں ملکتوں کے درمیان ہیں۔ وہ دراصل اس معنی میں ہیں کہ ایک علاقہ میں حالت جنگ کا قیام اور دوسرے تمام علاقوں میں مصالحانہ روابط کا بقا رفریقین کی رضامندی سے ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں اب اہل پاکستان کے لئے جہاد کشمیر میں جنگی حصّہ لینا بالکل جائز ہے"۔

اس کے ساتھ جماعت نے یہ بھی طے کیا ہے کہ اب وہ خود اس جنگ میں عملاً حصّہ لے گی۔ جماعت اسلامی کا کام صرف مسئلہ بتانا نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا بھی ہے کشمیر کی اہمیت سے ہم لوگ کبھی غافل

نہ تھے بلکہ اس کو بجا نا فرض سمجھتے تھے لیکن ہم اس کے قائل نہیں ہیں کہ جس کام کے شرعاً درست ہونے میں ہم کو شک ہو اسے کسی دُنیوی غرض و مصلحت کے لئے کر گزریں۔ اسی وجہ سے اب تک ہم عملاً اس فرض کی ادائیگی سے باز رہے اب الحمدللہ وہ چیز باقی نہیں رہی جو مانع تھی۔

آپ کو یہ اطلاع اس غرض سے دے رہا ہوں کہ پچھلی بحث کو اب ختم سمجھیں۔ نیز چونکہ اس سے پہلے کی مراسلت شائع ہو چکی ہے اس لئے میں اپنے اس عریضہ کو بھی بغرض اشاعت پریس میں دے رہا ہوں میں جناب سے استدعا کرتا ہوں کہ اگر اس بحث میں میری کوئی بات ناگوار ہوئی ہو تو اسے معاف فرمادیں ؛

خاکسار

(دستخط) ابوالاعلیٰ

("نشان راہ" کراچی ۲۴ ستمبر ۱۹۴۸ء)

تبصرہ | علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مودودی صاحب قبلہ کے مکتوبات آپ کے سامنے ہیں۔ مولانا مودودی صاحب نے اپنے آخری مکتوب مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۴۸ء میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ اب مسئلے کی نوعیت یہ ہوئی کہ دونوں حکومتوں میں جو معاہدانہ تعلقات ہیں وہ دراصل اس معنی میں ہیں کہ ایک علاقے میں حالت جنگ کا قیام اور دوسرے تمام علاقوں میں مصالحانہ روابط کا بقا فریقین کی رضامندی سے ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں اب اہل پاکستان کے لئے جہاد کشمیر میں جنگی حصہ لینا جائز ہے۔

دراصل مولانا مودودی صاحب مدظلہ نے یہ فیصلہ علامہ عثمانی کے ۹ راگست ۱۹۴۸ء کے خط کی روشنی میں ہی اس کو بنیاد سمجھ کر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک مسئلہ کشمیر کی نوعیت یہ ہے کہ :۔

۱۔ کشمیری مسلمان بھارت کی حکومت اور ڈوگرہ راجہ کے استبداد کی چکی میں پس رہے تھے۔

۲۔ ہندوستان نے جوناگڑھ اور ماناودر کو غصب کر لیا تھا۔

۳۔ بھارت اور پاکستان میں کوئی ایسا معاہدہ نہیں ہوا تھا جسے دوستی کا معاہدہ کہا جا سکے بلکہ ۱۹۴۷ء سے پہلے اور بعد میں مسلسل سیاسی اور فرقہ وارانہ جنگ جاری تھی ان سخت نازک اور ہلاکت آفریں حالات میں جنگ کشمیر کو جہاد نہ کہنا اور براہ راست مسلمانان کشمیر کی جہاد میں شامل ہو کر امداد نہ کرنا پاکستان کی سلامتی کے لئے مستقل خطرہ تھا کیونکہ کشمیر کا

ہندوستان کے قبضے میں ہونے سے پاکستان ہندوستان میں گھر کر رہ جاتا ہے جو اس کے لئے مستقل خطرہ ہے اور یہ وہ صورت حال جس سے خود پاکستان خطرے میں گھر کر رہ جائے اس کے مبادیات اور اطراف وجوانب کو صاف کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ ڈیلی ٹیلیگراف کے کے فوجی مبصر لفٹیننٹ جنرل مارٹن کا وہ بیان پڑھئے جو انہوں نے لنڈن میں ۱۳ دسمبر ۱۹۴۸ء کو دیا تھا کہ اگر کشمیر ہندوستان کے قبضے میں چلا گیا تو پاکستان محصور ہو کر رہ جائے گا یہی وجہ ہے کہ علامہ نے پاکستان کے دفاع اور کشمیر کے لئے ایک فتویٰ جاری کیا جو دراصل مولانا ثناء اللہ صاحب کے سوال کے جواب میں تھا۔ ہم اس سوال اور علامہ عثمانی کے فتوے کو بعینہٖ پیش کرتے ہیں۔ جو اخبار زمیندار مورخہ ۱۷ جون ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا ہے۔ جس کی تائید میں مکہ محترمہ، مدینہ منورہ، شام، مصر، عراق، لبنان، ترکی اور دیگر ممالک اسلامیہ کی تائیدات موجود ہیں۔

مملکت پاکستان کی حفاظت اور حمایت و امداد واجب ہے

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کا فتوےٰ

استفتاء کیا ارشاد ہے حضرات علمائے کرام کا اس اسلامی سلطنت کے بارے میں جو ہندوستان کی تقسیم سے پیدا ہوئی؟

کیا مملکت پاکستان کی حفاظت وحمایت اور اس کے بقا کی مقدور بھر کوشش کرنا اور کفار کے شر سے اس کو محفوظ رکھنا مسلمانوں پر واجب ہے اور کیا یہ فریضہ حفاظت و حمایت ان مسلمانوں پر دوسروں سے زیادہ موکد ہے۔ جو پاکستان یا اس کے متصل علاقوں میں آباد ہیں؟

اور کیا مسلمان کے لئے اس مملکت کو ضعف و نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش کرنا حرام ہے؟ اور کیا پاکستان کی مخالفت اور اس کے دشمنوں کی اعانت اس مکاری سے جائز ہو سکتی ہے کہ پاکستان کے موجودہ ارکان سلطنت اسلاف امت کے انداز و طریق سے مختلف ہیں۔ اور یہ کہ انہوں نے اپنے ملک میں ابھی تک احکام شرعیہ نافذ نہیں کئے۔ نیز اپنے اعمال و افعال کی اصلاح میں غفلت یا لاپرواہی برتتے ہیں؟

(ثناء اللہ خان و بشیر احمد صدیقی)

شیخ الاسلام پاکستان کا جواب

ہاں! بلاشک و شبہ پاکستان اور اس کے متصل علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں پر اور ان اسلامی سلطنتوں پر جو پاکستان کے متصل ہیں۔ پاکستان کی حفاظت اور دشمنوں کا دفاع فرض عین ہے۔ جیسے نماز روزہ وغیرہ اور ان کے علاوہ تمام ممالک کے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! ان کفار سے جہاد کرو۔ جو تمہارے قریب ہیں۔ اور (تم اپنی دفاعی قوت ایسی بناؤ) کہ کفار تمہارے اندر سختی اور شدت محسوس کریں" یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو مسلمان کفار اہل حرب کے متصل رہتے ہیں۔ ان پر جہاد فرض کفایہ ہے (یعنی) اگر ایک جماعت اپنے متصل علاقہ کے کفار سے جہاد کے لئے کھڑی ہو جائے۔ اور وہ مدافعت کے لئے کافی ہو تو وہ دوسرے مسلمان سبکدوش ہو جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل روم کے کھڑے ہونے سے اہل ہند و ماوراء النہر اس فریضہ سے سبکدوش نہیں ہو جاتے۔ بلکہ وہ اپنی جانب کے دشمنوں پر جہاد کے لئے مامور ہیں (شامی)

نیز شامی میں بدائع سے نقل کیا ہے۔ کہ اگر ایک علاقہ کے مسلمان کفار کے مقابلہ سے عاجز ہو جائیں اور ان کو دشمنوں کے غلبہ کا اندیشہ ہو تو ان کے آس پاس کے مسلمانوں پر اور پھر ان کے قریب جوار کے مسلمانوں پر فرض ہے۔ کہ ہتھیاروں اور سامان حرب اور مال اور جان سے ان کی امداد کو پہنچیں۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے۔ کہ ہر مسلمان جو جہاد کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس پر جہاد فرض ہے۔ لیکن اگر مسلمانوں کی ایک جماعت مقابلہ کفار کے لئے کافی ثابت ہو۔ تو باقی مسلمانوں سے جہاد ساقط ہو جاتا ہے اور اسی کتاب میں اس کے بعد "درر" سے نقل کیا ہے اور جہاد فرض عین ہے۔ اگر کسی سرحد پر اسلامی سرحدات میں سے کفار نے حملہ کیا تو جہاد فرض عین ہو جائے گا۔ ان مسلمانوں پر جو اس کی سرحد والوں سے قریب رہتے ہیں اور جہاد پر قدرت رکھتے ہیں اور صاحب نہایہ نے ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ جب جہاد کے لئے اعلان عام ہو جائے۔ تو جہاد فرض عین ان لوگوں پر ہوتا ہے جو دشمن کے قریب تر ہیں۔ اور ان کے علاوہ دوسرے مسلمان جو دشمن سے مسافت بعیدہ پر رہتے ہیں۔ ان پر فرض کفایہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تک ان کی ضرورت نہ پڑے ان کے لئے گنجائش ہے۔ کہ شریک جہاد نہ ہوں۔ لیکن اگر ان کی ضرورت محسوس ہو۔ اس وجہ سے کہ جو لوگ دشمن کے قریب تھے۔ وہ ان کے مقابلے سے عاجز آ گئے یا عاجز نہیں ہوئے۔ لیکن سستی و غفلت سے جہاد چھوڑ بیٹھے ہوں۔ تو جو لوگ ان سے قریب تر ہیں۔ ان پر جہاد فرض عین ہو جائے گا مثل نماز۔ روزہ وغیرہ کے جس کا ترک

ان کے لئے جائز نہیں۔ پھر جو لوگ ان کے قریب ہیں۔ پھر ان کے قریب (شامی)

لیکن یہ حیلہ کہ حکام اس حکومت کے فاسق ہیں اور وہ احکام اسلامیہ اپنی مملکت میں جاری نہیں کرتے۔ سو یہ حیلہ فریضۂ جہاد کے ترک کر دینے کے لئے حجت نہیں بن سکتا بچند وجوہ)

اول اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا ہر ایک نیک و بد آدمی کے ساتھ۔

اور امام جصاص نے احکام القرآن میں آیت اِنْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا کے تحت میں فرمایا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جہاد کرنے والے اگر فاسق بھی ہوں، تو ان کے ساتھ مل کر بھی جہاد کرنا واجب ہے، جیسے دیندار متقی لوگوں کے ساتھ واجب ہے۔

اور سیر کبیر امام محمدؒ کی شرح میں ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ مسلمان اہل سنت خوارج کے ساتھ مل کر مشرکین اہل حرب سے جہاد کریں کیونکہ اس وقت بمقابلہ مشرکین خوارج کا جہاد بھی فتنۂ کفر کے دفع کرنے اور اسلام کو سربلند کرنے کے لئے ہے تو یہ جہاد بھی شرعی ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کیا جاتا ہے۔ (شرح سیر)

دوسرے اس لئے بھی یہ حیلہ صحیح نہیں کہ مملکت پاکستان کے علماء اور عوام کی سعی برابر اس کام کے لئے جاری ہے کہ یہاں نظام اسلامی اور احکام شرعیہ جاری ہوں اور اللہ تعالےٰ سے امید ہے کہ وہ ان کو ان کی مساعی میں ناکام نہ فرمائیں گے۔

اس لئے عام مسلمانوں پر عموماً اور ارکان پاکستان پر خصوصاً واجب ہے کہ اول اس سلطنت کی حمایت اور دشمنوں کی اس سے مدافعت کریں۔ پھر اس میں سعی بلیغ کریں کہ یہاں احکام اسلامیہ اور نظام شرعی جاری ہوں اور یہ کہ اس کوششوں میں وہ اپنی پوری قوتِ جماعتی اور انفرادی طاقتوں کو خرچ کر دیں۔ اور جیسا کہ مسلمانوں پر اس حکومت کی حمایت واجب ہے اسی طرح ارکان حکومت پر بھی فرض ہے کہ شعائر اسلام کو قائم کریں۔ اور احکام اسلامیہ شرعیہ کو جاری کریں۔ اس مملکت میں جس کی بنیاد ہی کفر و اسلام کے تفرقہ پر رکھی گئی ہے۔ اور اس کے زعماء کے ان وعدوں پر کہ جب ان کو آزادی مل جائے گی۔ تو اس مملکت میں نظام قرآن اور قوانین اسلام جاری کریں گے۔ تو اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مراد پوری کر دی اور ان کا مرتبہ بلند کر دیا۔ تو ان پر لازم ہے کہ اللہ تعالےٰ کا شکریہ ادا کریں۔ اور اپنے

وعدوں کو پورا کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کو نہ بھولیں۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ بھی ان کو بھلا دے۔ جس سے ان کی دُنیا و آخرت تباہ ہو جائے۔ نعوذ باللہ من ذالک واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شبیر احمد عثمانی (زمیندار ۱۷ر جون ۱۹۴۹ء)

اس فتوے سے اندازہ لگائیے کہ علامہ کو پاکستان کے دفاع کی اور کشمیر کے حصول کی جس کی طرف فتوے میں اشارہ ہے کس قدر احساس تھا۔ ان حالات کی روشنی میں مسئلہ کشمیر کے متعلق علامہ کے خطوط بے حد اہم اور شرعی حیثیت سے نہایت محکم اور مصلحت وقت کے اعتبار سے بہت زیادہ دُرست ہیں۔

۲۔ مولانا مودودی نے اپنے آخری مکتوب مورخہ ۱۶ر ستمبر میں لکھا ہے کہ "جماعت اسلامی کا کام صرف مسئلہ بتانا نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا بھی ہے" اس جملے کے پیش نظر علامہ عثمانی نے بھی اپنی بساط کے مطابق لوگوں کو جہاد میں حصہ لینے پر آمادہ کیا ہے۔ مالی امداد بھی کی ہے مجاہدین کی طبی امداد کا سامان بھی کیا ہے۔ البتہ میدان جہاد میں نہ مولانا مودودی تشریف لے گئے اور نہ علامہ عثمانی۔ ورنہ حضرت علامہ نے کشمیر میں حصہ لینے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ مولانا محمد متین صاحب خطیب کراچی رکن جمعیۃ العلمائے پاکستان اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:۔

"مہاجرین کی امداد و آبادکاری کے مسئلے کی وجہ سے دو سال تک تنظیمی صورت میں جمعیت کو کام کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ البتہ شیخ الاسلام (علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی) مرحوم ذاتی طور پر اپنے چند رفقا کی معیت میں کراچی میں بیٹھ کر کام کرتے رہے۔ اسی زمانے میں کشمیر کا مسئلہ سامنے آیا تو حضرت شیخ الاسلام اور ان کے رفقائے کار نے پورے ملک میں مسئلہ کشمیر کو اٹھایا اور قائد ملت کے ساتھ مل کر جلسوں میں شرکت کے علاوہ امدادی کاموں میں پوری تندہی اور جانفشانی سے کام کیا" (اخبار انقلاب کراچی۔ اسلامیہ جمہوریہ نمبر ۲۴ر مارچ ۱۹۵۶ء)

مذکورہ حالات سے ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ علامہ نے کشمیر کے بارے میں ملکی اور مذہبی حیثیت سے جو شاندار خدمات انجام دی ہیں وہ سنہری حرفوں میں لکھنے کے قابل ہیں؛

(۷۱) بنام منشی عبدالرحمٰن ملتانی

کراچی:- ۱۹ ستمبر ۱۹۴۸ء (۱۳۶۷ھ)

برادر مکرم زید مجدہٗ

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ ملا۔ اس وقت ملت اسلامیہ کو یکے بعد دیگرے دو صدمات بہت شدید پہنچے۔ قائد اعظم مرحوم کی رحلت اور حیدر آباد پر انڈیا کا قبضہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ اصل بھروسہ اور اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیئے۔ اسکی مدد اور نصرت شامل حال ہو تو ہر مشکل آسان ہو سکتی ہے [۱] .. .. .. صاحب حج کو جاتے ہوئے یہاں ٹھہرے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب واپس لائے۔ ان کے متعلق میں نے عبداللہ سلیمان وزیر حکومت سعودیہ کو تار دیا تھا اب اس کا جواب آیا ہے کہ سلطان ابن سعود نے حکم دے دیا ہے کہ .. .. .. کے لیے ہر طرح کی سہولت کا انتظام کیا جائے۔ اور مناسب اعزاز دیا جائے۔ اطلاعاً تحریر ہے عزیزم محمد یعیش سلمہ اچھی طرح ہے۔ سلام عرض کرتا ہے۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی

نوٹ:- قائد اعظم کی وفات ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء سے اگلے دن ہی انڈیا کی حکومت نے حیدرآباد دکن پر حملہ کیا۔ علامہ عثمانیؒ کو ایک طرف قائد اعظم کے غم نے ستا رکھا تھا اور دوسری طرف حیدر آباد پر حملے نے آپ کے دل کو بُری طرح مجروح کیا تھا۔ نظام حیدر آباد دکن میر عثمان علی خان صاحب سے ان کے ذاتی مراسم تھے۔ نظام صاحب تقسیم ہند سے پہلے حیدر آباد میں علامہ عثمانی کی تقریریں سنتے اور سر دُھنتے۔ اپنے محل میں بلاتے اور گھنٹے گھنٹے بھر علامہ سے باتیں کرتے۔ نظام صاحب نے علامہ کو فتح الملہم شرح مسلم کی طباعت کے لیے پچیس ہزار روپیہ مرحمت فرمایا۔ افسوس کہ آج میر عثمان علی خان ایک غلامی اور بیکسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور موت کے انتظار میں ہیں۔

[۱] یہاں جگہ چھوٹی ہوئی ہے۔ بظاہر یہ صاحب جو حجاز گئے ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب

معلوم ہوتے ہیں جن کو علامہ نے کشمیر کے فتوے کی علمائے عرب سے تائید حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

(۷۲) بنام منشی عبدالرحمٰن ملتانی

کراچی۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۴۸ء (۱۳۶۷ھ)

برادر مکرم جناب منشی صاحب زید مجدہ

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ موصول ہوا۔ اس سے قبل عزیزم محمد یعیش کے لئے قلم اور روشنائی بھی پہنچ گئی۔ آپ کی محبت اور عنایت کا شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالے آپ کو دارین میں فائز المرام اور خوش رکھے۔

مجھے تین چار روز سے ٹانگ میں عرق النسا کے درد کی تکلیف ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ صحت و عافیت عطا فرمائے۔

یادگاری ٹکٹوں کے متعلق فہمائش کردوں گا لیکن تصویر اور فوٹو اس قدر پھیل چکا ہے کہ ارباب حکومت شاید مشکل سے ہی سمجھ سکیں۔ میں حتی الامکان احتیاط کرتا ہوں لیکن خود میرے سینکڑوں فوٹو چھپ چکے ہیں۔ جو بغیر میری اطلاع اور بغیر میری مرضی کے لئے جاتے ہیں۔

عزیزم محمد یعیش قلم اور روشنائی سے بہت خوش ہوا۔ سلام عرض کرتا ہے۔۔۔۔۔۔ کے مکہ پہنچنے اور حکومت سعودیہ کی طرف سے ترحیب (خوش آمدید) اور استقبال کی خبر آج اخبار میں شائع ہوئی ہے۔ عزیزم مولوی محمد یحییٰ سلمہ کی طرف سے سلام مسنون معروض ہے۔ والسلام۔

شبیر احمد عثمانی

(نوٹ) علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے فوٹو بجبری میں لئے جاتے اور اخباروں میں شائع ہو جاتے۔ بعض صاحبان کو شبہ گزرا ہوگا کہ آخر یہ کیوں۔ علامہ کے اس مکتوب سے لوگوں کے شکوک ختم ہو جانے چاہئیں۔ مجھ سے بھی علامہ کے ایک شاگرد نے فوٹو کے

بارے میں شبہ کا اظہار کیا تھا چنانچہ میں نے اسی مکتوب کا حوالہ دے کر انہیں جواب دیا تھا اور وہ اس خط کے پڑھنے کا شوق رکھتے تھے۔

(۷۳) بنام منشی عبدالرحمٰن ملتانی

کراچی - ۲۵ ر شعبان ۱۳۶۸ھ (۱۹۴۹ء)

برادر مکرم جناب منشی صاحب زید مجدہ

بعد سلام مسنون آنکہ - گرامی نامہ موصول ہوا - خیر و عافیت معلوم کر کے خوشی ہوئی - الحمدللہ میں بھی بعافیت ہوں - ابھی دو چار دن پیشتر اسہال کی شکایت ہو گئی تھی - اب افاقہ ہے مگر ضعف و نقاہت کا اثر ہے - لاہور سے دعوت آئی تھی - لیکن علالت اور ضعف و نقاہت کی وجہ سے ارادہ نہیں کیا اور نہ وعدہ تھا - اگر لاہور جانا ہوتا - تو آپ کو ضرور مطلع کرتا - اس اثنا میں خط میں واقعی غیر معمولی تاخیر ہوئی لیکن اس کا باعث سوائے مشغولی کے اور کچھ نہیں - آپ کے خلوص اور محبت کی دل سے قدر کرتا ہوں - اور آپ کے حق میں دعا کرتا ہوں - حق تعالےٰ آپ کو دارین میں خیر از الرام اور خوش رکھے - گاہے گاہے نقرس اور عرق النسار کا دورہ ہو جاتا ہے اور عمر کا بھی اقتضاء ہے کہ سفر پر بمشکل ہی طبیعت آمادہ ہوتی ہے - خیر المدارس (ملتان) کے جلسہ میں شرکت کا قصد کر لیا تھا لیکن اس وقت قرار داد[۱] مقاصد کی مشغولی مانع رہی - عزیزم محمد یعیش و محمد سہیل سلمہا بخیریت ہیں - عزیز یعیش کو اسکول میں داخل کر دیا ہے - پانچویں جماعت میں شریک ہوا ہے - چار درجوں کی بخوبی تیاری اس ایک سال میں اُس نے گھر پر ہی کر لی تھی - آپ کو سلام عرض کرتا ہے - عزیز مولوی محمد یحیٰی کی طرف سے سلام مسنون معروض ہے - بچوں کو دعا -

شبیر احمد عثمانی

[۱] قرار داد مقاصد جس کا ذکر علامہ نے اپنے مکتوب میں کیا ہے۔ وہ علامہ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ علامہ پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کے رکن تھے - وہ پاکستان بننے کے

بعد سے ہی پاکستان کے لئے اسلامی قانون کے اجرا کی بے حد کوشش کر رہے تھے بالآخر ان کی کوشش رنگ لائی اور نواب لیاقت علی نے جو ان دنوں وزیر اعظم تھے علامہ عثمانی کے بار بار کے تقاضوں اور مرکزی پارلیمنٹ میں تقریروں کے بعد راضی ہو گئے اور انہوں نے قرار داد مقاصد کے عنوان سے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو اسمبلی میں یہ تجویز پیش کی کہ پاکستان کا قانون اسلامی ہوگا۔ اس کی تائید میں علامہ نے غلغلہ انداز تقریر فرمائی جس کو اخباروں نے "روشنی کے مینار" کا نام دیا۔ اس خط میں قرار داد مقاصد سے یہی مقصود ہے۔ در حقیقت یہ تقریر جو نواب لیاقت علی نے پڑھ کر سنائی تھی یہ بھی علامہ ہی کی لکھی ہوئی تھی۔

پاکستان بننے کے بعد علامہ عثمانی نے مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم اور مسٹر عبدالحمید صاحب حیدر آبادی مشہور قانون ساز اور مفتی محمد شفیع صاحب کو ہندوستان سے بلایا چنانچہ علامہ نے پورا اسلامی قانون مرتب کیا جس کا ریکارڈ مولانا احتشام الحق صاحب کے پاس موجود ہے۔ (مرتب)

(۴۷) مکتوب عثمانی بنام مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ

(تعارف) حضرت مولانا خیر محمد صاحب حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے ہیں اور پاکستان کے ان خاص علماء میں سے جن کا نام انگلیوں پر گنا جاتا ہے تقسیم ملک سے پہلے آپ نے جالندھر میں مدرسہ خیر المدارس قائم کیا جو ۱۹۴۷ء میں تباہ کر دیا گیا۔ پاکستان میں آ کر آپ نے ملتان میں اس مدرسے کا احیا کیا جو نہایت شان سے چل رہا ہے۔ حسب ذیل مکتوب انہی کے نام ہے:۔

برادر محترم جناب مولانا خیر محمد صاحب دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ حامل عریضہ ہذا مولوی محبوب حسن دہلوی نے مجھ سے مشورہ لیا۔ میں نے ان کو رائے دی ہے کہ وہ خیر المدارس میں داخل ہو جائیں۔ دورہ پڑھنے کا ارادہ ہے امید ہے آپ ان کو داخل فرما لیں گے اور امکانی رعایت کریں گے۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی۔ کراچی۔ ۲ شوال ۱۳۶۸ھ (مطابق ۱۹۴۹ء)

(۷۵) بنام مولانا خیر محمد صاحب بہدایت علامہ عثمانی

محترم المقام حضرت مولانا صاحب دام مجدہم

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ وصول ہوا حضرت قبلہ مولانا مدظلہٗ پر ۱۲ ہر اگست کو فالج کا حملہ ہوا تھا۔ بایاں ہاتھ اور بائیں جانب زبان کی متاثر ہے۔ علاج ہو رہا ہے۔ بفضلہ تعالےٰ افاقہ ہے۔ عوارض میں بتدریج تخفیف ہو رہی ہے۔ دُعا فرمائیں اور مدرسہ میں دُعا کرائیں حق تعالےٰ جلد صحت کاملہ عطا فرمائے۔

آپ کو سلام مسنون فرماتے ہیں۔ والسّلام

بقلم محمد یحییٰ۔ کراچی
۱۹ ر شوال ۱۳۶۸ھ
۱۹۴۹ء

نوٹ: یہی وہ مرض فالج ہے جس سے قدرے افاقے کے بعد علامہ عثمانی نے مولٰنا احتشام الحق سے فرمایا تھا کہ قدرت نے مجھے تحریر و تقریر کا عطیہ عطا فرمایا تھا لیکن اب وُہ دونوں نعمتیں چھین لی گئی ہیں۔ جس پر مولانا احتشام الحق نے جواب دیا تھا کہ حضرت انشاءاللہ آپ کو شفا حاصل ہو جائے گی۔ اور آپ کو یہ دونوں نعمتیں پھر مل جائیں گی۔ (براویت مولانا احتشام الحق بہ راقم الحروف بمقام ملتان جلسۂ سالانہ مدرسہ خیر المدارس کے ملاقات کے موقع پر۔ (مرتب)

(۷۶) بنام منشی عبد الرحمٰن مُلتانی

کراچی۔ ۱۹ ر مارچ ۱۹۴۹ء

(مطابق ۱۳۶۸ھ)

برادر محترم جناب منشی صاحب زید مجدہ

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ ملا۔ خیریت معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ میرا ارادہ خیر المدارس (ملتان) کے جلسے میں شرکت کرنے کا تھا لیکن ۷ ر مارچ کو آئین ساز کمیٹی

کی میٹنگ ہے اس میں میری شرکت ضروری ہے۔ اس لئے قصد ملتوی کرنا پڑا۔

برادرم مکرم مولانا ثناء اللہ خان صاحب کئی روز سے کراچی آئے ہوئے ہیں۔ یہاں ان سے کئی بار ملاقات ہوئی۔ وہ لاہور کے لئے بہت مصر تھے لیکن اسی میٹنگ کی وجہ سے ان کی فرمائش پوری نہ کر سکا۔

عزیز محمد یعیش بخیریت ہے سلام کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک بھائی دیا ہے۔ اس کا نام محمد سہیل رکھا ہے۔ اس کی طرف سے بھی سلام عرض ہے۔ عزیزم مولوی محمد یحییٰ سلمہ سلام مسنون کہتے ہیں۔ والسلام۔

شبیر احمد عثمانی

(۷۷) بنام منشی عبدالرحمٰن ملتانی

کراچی - ۶ر اپریل ۱۹۴۹ء
(۱۳۶۸ھ)

برادر مکرم جناب منشی صاحب دام مجدہم

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ ملا۔ خیریت معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ الحمد للہ میں بخیریت ہوں۔ عزیز یعیش سلمہ اور محمد سہیل سلمہ بھی بخیریت ہیں۔ عزیز محمد یعیش ابھی تک پرائیویٹ پڑھتا رہا۔ اب اس کو اسکول میں پانچویں جماعت میں داخل کرانے کا قصد ہے۔ اللہ تعالےٰ دینی اور دنیوی علوم سے بہرہ ور فرمائے۔

فروری میں مشرقی پاکستان میں جمعیۃ العلمائے اسلام کی کانفرنس میری صدارت میں ہوئی۔ اس کا خطبۂ صدارت شائع ہوا ہے۔ اس کی ایک کاپی اور قرار دادِ مقاصد پر اسمبلی میں جو میری تقریر ہوئی تھی اس کی بھی ایک کاپی ارسال کر رہا ہوں خطبۂ صدارت جمعیت العلمائے اسلام کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ اس کی قیمت دس آنے رکھی گئی ہے اگر کچھ نسخے وہاں فروخت ہو جائیں تو جمعیت کے فنڈ کی امداد ہو جائے گی۔ اگر کچھ نسخے مطلوب ہوں۔ تو مطلع فرمائیں۔ عزیزم مولوی محمد یحییٰ سلمہ کی طرف سے اور عزیز یعیش

و عزیز سہیل سلمہا کی طرف سے سلام مسنون۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی

۱؎ یہ کانفرنس ڈھاکے میں حضرت عثمانی کی زیر صدارت ۱۰۔۱۱ ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ مطابق ۹۔۱۰ فروری ۱۹۴۹ء کو ہوئی۔ اس میں علامہ نے زیادہ تر زور پاکستان میں اسلامی قانون رائج کرنے پر دیا۔ موصوف کا یہ خطبہ نہایت ہی معرکہ آرا خطبہ ہے ہم نے اس کے کچھ اقتباسات تجلیات عثمانی میں دئے ہیں اور ان بنیادی اصولوں کو بھی لکھ دیا ہے۔ جو علامہ نے قرآن و سنت کی روشنی میں وضع کئے تھے۔ الحاصل علامہ نے جو "روشنی کا مینار" کے عنوان سے تقریر کی ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

روشنی کا مینار

پاکستان کی مرکزی اسمبلی میں علامہ کی قرارداد مقاصد کی تائید میں غلغلہ انداز تقریر

مورخہ ۹ مارچ ۱۹۴۹ء

جناب صدر محترم قرارداد مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز آنریبل مسٹر لیاقت علی خانصاحب نے ایوان ہذا کے سامنے پیش کی ہے میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں بلکہ آج اس بیسویں صدی میں جب کہ ملحدانہ نظریات حیات کی شدید کشمکش اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے، ایسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کی عزم و ہمت اور جرأت ایمانی کو مبارک دیتا ہوں۔

اگر غور کیا جائے تو یہ مبارکباد فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس پسی ہوئی اور کچلی ہوئی روح انسانیت کی جانب سے ہے جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص و آز اور رقیبانہ ہوس ناکیوں کے میدان کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے۔ اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر درد انگیز ہیں کہ بعض اوقات اس کے سنگدل قاتل بھی گھبرا اٹھتے ہیں۔ اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہو کر تھوڑی دیر کے لئے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں۔ مگر پھر علاج و دوا کی جستجو میں وہ اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ جو مرض کا اصل سبب ہے اسی کو دوا اور اکسیر سمجھ لیا جاتا ہے۔

یاد رکھئے دُنیا اپنے خود ساختہ اُصولوں کے جس جال میں پھنس چکی ہے اُس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھڑ پھڑائے گی اُسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور زیادہ سخت ہوتی جائے گی وہ صحیح راہ گم کر چکی ہے اور جو راستہ اُس نے اب اختیار کر رکھا ہے اُس پر جتنے زور سے بھاگے گی وہ حقیقی فوز و فلاح کی منزل سے دُور ہی ہوتی چلی جائے گی۔

ہمیں اپنے نظام حیات کو دُرست اور کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا انجن جس لائن پر اندھا دھند چلا جا رہا ہے اُسے تبدیل کریں اور جس طرح بعض دفعہ لائن تبدیل کرتے وقت گاڑی کو کچھ پیچھے ہٹانا پڑتا ہے۔ ایسے ہی صحیح لائن پر آگے بڑھنے کی غرض سے ہم کو پیچھے ہٹنا پڑے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر ایک شخص کسی راستہ پر بے تحاشہ دوڑ رہا ہے اور ہم دیکھیں کہ چند قدم آگے بڑھنے پر وہ کسی ہلاکت کے غار میں جا پڑے گا تو ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔ اُسے اُدھر سے پیچھے ہٹا کر صاف اور سیدھی شاہراہ پر ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ یہ ہی حال آج دُنیا کا ہے۔ اگر ہماری اس نئی اور بے چین دُنیا کو اپنے تباہ کن مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ تو اسے حالات کا بالکل جڑ بنیاد سے از سرِ نو جائزہ لینا ہوگا۔ کسی درخت کی شاخوں اور پتوں پر پانی چھڑکتے رہنا بیکار ہے۔ اگر اس کی جڑ جو سینکڑوں من مٹی کے نیچے دبی ہوتی ہے مضبوط نہ ہو۔ آج کے بہت سے بکھرے ہوئے مسائل خواہ اُن سے آپ کو کتنی ہی دلچسپی اور شغف کیوں نہ ہو۔ کبھی ٹھیک طور پر سنور اور سُلجھ نہیں سکتے جب تک ان کے اُصول بلکہ اصل الاصول دُرست نہ ہو جائیں۔ قدامت پرستی اور رجعت پسندی کے طعنوں سے نہ گھبرائیے بلکہ کشادہ دل و دماغ کے ساتھ ایک متجسس حق کی طرح اُلجھی ہوئی ڈور کا سرا پکڑنے کی کوشش کیجئے۔ جو باتیں طاقتور اور ذی اقتدار قوموں کے زبردست پروپیگنڈا یا غیر شعوری طور پر اُن کے حاکمانہ اقتدار اور مسحور کن مادی ترقیات کے زور و اثر سے بطور مسلمات عامہ، اُصول موضوعہ اور مفروع عنہا صداقتوں کے تسلیم کر لی گئی ہیں، اُن ہی پر تجدید فکر و نظر کی ضرورت ہے۔ اس پکے ارادے کے ساتھ کہ جس چیز پر ہم صدیوں کی کاوشوں کے نتیجہ میں اعتقاد جمائے بیٹھے تھے، وضوح حق کے بعد ایک لمحہ کے لئے اس پر قائم رہنا ہم جرم عظیم سمجھیں گے۔ اگر دُنیا کو انسانیت کی حقیقی فلاح کے لئے کسی نتیجہ پر پہنچنا ہے تو اُسے اُن قدیم اور اٹل نظریات پر غور و غور کرنا ہوگا جنہیں مادی و معاشی مسابقت کی بے تحاشا دوڑ میں

بہت سی تو ہیں پیچھے چھوڑ آئی ہیں۔ اسے یوں خیال کیجئے کہ کتنی صدیوں تک سکون ارض کے متعلق بطلیموس کا نظریہ دنیا پر مستولی رہا۔ فیثاغورس کی آواز پر کسی نے توجہ نہ کی۔ پھر ایک وقت آیا کہ ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا ہوا بیج جو فیثاغورس دبا گیا تھا زمین کے سینے کو چاک کر کے باہر نکلا اور برگ و بار لایا سچائی کا پرستار کبھی اس کی پروا نہیں کرتا کہ کسی زمانہ میں یا طویل عرصہ تک لوگ اس کے ماننے سے آنکھیں چرائیں گے یا ناک بھوں چڑھائیں گے۔ حق اکیلا رہ کر بھی حق ہی رہتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ ایک دن ضرور آئے گا کہ جب اس کے جھٹلانے والے زمانہ کے دھکے کھا کر اسی کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے۔ آج وہ دن قریب آ رہا ہے اور جیسا کہ آنریبل جناب لیاقت علی خاں نے فرمایا "روشنی کی تحریر افق پر ظاہر ہو کر طلوع ہونے والے روز روشن کا پیش خیمہ بن رہی ہے"۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے کو خفاش صفت ثابت نہ کریں جو دن کی روشنی کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی۔ پاکستان مادیت کے بھنور میں پھنسی ہوئی اور دہریت و الحاد کی اندھیریوں میں بھٹکی ہوئی دنیا کو روشنی کا ایک مینارہ دکھانا چاہتا ہے۔ یہ دنیا کے لئے کوئی چیلنج نہیں بلکہ انسانیت کے لئے پُرامن پیغام حیات و نجات ہے اور اطمینان اور خوش حالی کی راہ تلاش کرنے والوں کے لئے سہولت مہیا کرتا ہے۔ ہمارا غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ دنیا کے لئے عموماً اور پاکستان کے لئے خصوصاً کسی قسم کا نظام تجویز کرنے سے پہلے پوری قطعیت کے ساتھ یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس تمام کائنات کا جس میں ہم سب اور ہماری یہ مملکت بھی شامل ہے، مالک اصلی اور حاکم حقیقی کون ہے؟ اور ہے یا نہیں؟ اب اگر ہم اس کا مالک کسی خالق الکل اور مقتدر اعلیٰ ہستی کو مانتے ہیں (جیسا کہ میں خیال رکھتا ہوں کہ اس ایوان کے تمام ارکان و اعضاء کا یہ عقیدہ ہوگا) تو ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہوگا کہ کسی مالک کی خصوصاً اس مالک علی الاطلاق کی ملک میں ہم اسی حد تک تصرف کرنے کے مجاز ہیں جہاں تک کہ وہ اپنی مرضی سے ہمیں اجازت دے دے۔ ملک غیر میں کوئی غاصبانہ تصرف ہمارے لئے جائز نہیں ہو سکتا۔ پھر ظاہر ہے کہ کسی مالک کی اجازت و مرضی کا علم اس کے بتلانے ہی سے ہو سکتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسی لئے بھیجے اور وحی ربانی کا سلسلہ اسی لئے قائم کیا کہ انسانوں کو اس کی مرضی اور اجازت کے صحیح حدود معلوم کرا دیے جائیں۔ اسی نقطہ خیال کے پیش نظر

ریزولیوشن میں "اسی کے مقرر کردہ حدود کے اندر" کے الفاظ رکھے گئے ہیں اور یہی وہ بنیادی نقطہ ہے جہاں سے دینی اور خالص مادّی حکومتوں کی لائنیں ایک دوسرے سے الگ ہو جاتی ہیں۔

یہ نظریہ کہ دین و مذہب کا تعلق انسان اور اس کے مالک سے ہے بندوں کے باہمی معاملات سے اُسے کچھ سروکار نہیں نہ سیاست میں اس کا کوئی دخل ہے۔ اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ ممکن ہے دُوسرے مذاہب جو آجکل دُنیا میں موجود ہیں اُن کے نزدیک یہ نظریہ درست ہو اور وہ خود کسی جامع وحاوی نظام حیات سے تہی دامن ہوں۔ مگر جہاں تک اسلام کا تعلق ہے۔ ایسے تصور کی اس میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ اس کی تمام تر تعلیمات اس باطل تصور کی دشمن ہیں۔

قائداعظم مرحوم نے اگست ۱۹۴۴ء میں گاندھی جی کے نام جو خط لکھا تھا اُس میں لکھتے ہیں:۔

"قرآن مسلمانوں کا ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں مذہبی اور مجلسی، دیوانی اور فوجداری عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی غرض کہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں مذہبی رسوم سے لے کر روزانہ کے اُمورِ حیات تک، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لے کر فرد کے حقوق و فرائض تک دنیوی زندگی میں جزاو سزا سے لے کر عقبیٰ کی جزا و سزا تک، ہر فعل، قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے لہٰذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو حیات و مابعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتا ہوں"۔

۱۹۴۵ء میں قائداعظم نے عید کا پیغام دیتے ہوئے کہا کہ:۔

"ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات و اخلاقیات تک محدود نہیں۔ بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانون حیات ہے۔ یعنی مذہبی، معاشرتی، تجارتی تمدنی، عسکری، عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کو یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام پاک کا ایک نسخہ ضرور ہو اور وہ اس کو بغور و خوض مطالعہ کرے۔ تاکہ یہ اس کی انفرادی و اجتماعی ہدایات کا باعث ہو"۔

قائداعظم نے ان خیالات و عزائم کا بار بار اظہار کیا ہے۔ کیا ایسی واضح اور مکرر تصریحات کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ سیاست و حکومت، مذہب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی یا یہ کہ اگر آج قائداعظم زندہ ہوتے تو یہ تجویز مقاصد پیش نہیں ہو سکتی تھی۔

قرآن حکیم میں صاف صاف ارشاد ہے "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" اور "وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ... ... اَلظّٰلِمُوْنَ ... ... اَلْفٰسِقُوْنَ"

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اسلام میں دینی حکومت کے معنی "پاپائیت" یا کلیسائی حکومت کے نہیں۔ بھلا جس بُت کو قرآن نے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہہ کر توڑا ہے کیا وہ اسی کی پرستش کو جائز رکھ سکتا ہے؟

اسلامی حکومت سے مراد وہ حکومت ہے جو اسلام کے بتائے ہوئے اعلیٰ اور پاکیزہ اصول پر چلائی جائے۔ اس لحاظ سے وہ ایک خاص قسم کی اصولی حکومت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کسی اصولی حکومت کو چلانا خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی (جیسے روس کی اشتراکی حکومت) دراصل ان ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے۔ جو ان اصولوں کو مانتے ہوں، جو لوگ ان اصولوں کو نہیں مانتے ایسی حکومت انتظام مملکت میں ان کی خدمات تو ضرور حاصل کر سکتی ہے۔ مگر مملکت کی جنرل یا کلیدی انتظام کی باگ ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتی۔

اسلامی حکومت اصل سے انسانی حکومت نہیں بلکہ نیابتی حکومت ہے۔ اصل حاکم خدا ہے انسان زمین پر اس کا خلیفہ (نائب) ہے جو حکومت و حکومت کے اصول پر دوسرے مذہبی فرائض کی طرح نیابت کی ذمہ داریوں کو بھی خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر پورا کرتا ہے۔

مکمل اسلامی حکومت، حکومت راشدہ ہوتی ہے۔ لفظ "رشد" حکومت کے انتہائی اعلیٰ معیار حسن و خوبی کو ظاہر کرتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت، حکومت کے کارکن، اور مملکت کے عوام کو نیکوکار ہونا چاہیئے۔ قرآن نے حکومت اسلامی کی یہ ہی غرض و غایت قرار دی ہے کہ وہ انسانوں کو اپنے دائرۂ اقتدار میں نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ اسلام آجکل کی

سرمایہ پرستی کے خلاف ہے۔ اسلامی حکومت اپنے خاص طریقوں سے جو اشتراکی طریقوں سے الگ ہیں، جمع شدہ سرمایہ کی مناسب تقسیم کا حکم دیتی ہے اس کو دائرہ وسائر رکھنا چاہتی ہے۔ مگر اس کام کو اخلاقی و نیز قانونی طریقہ پر عام خوشدلی، عدل، اور اعتدال کے ساتھ کرتی ہے اسلامی حکومت شخصی ملکیت کی نفی نہیں کرتی۔ مناسب حد تک راس المال رکھنے کی اجازت دیتی ہے زائد سرمایہ کے لئے ملی بیت المال قائم کرتی ہے۔ جس میں سب کے حقوق مشترک ہیں اور اس سرمایہ کی تقسیم سے سرمایہ اور افلاس کے درمیان توازن اور اعتدال کو بحال رکھتی ہے۔

شوریٰ اسلامی حکومت کی اصل ہے (وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ) اسلامی حکومت دُنیا میں پہلا ادارہ ہے جس نے شہنشاہیت کو ختم کر کے استصواب رائے عامہ کا اُصول جاری کیا۔ اور بادشاہ کی جگہ عوام کے انتخاب کردہ امام (قائد حکومت) کو عطا کی۔ محض توریث یا جبر و استبداد کے راستوں سے بادشاہ بن بیٹھنا اسلام کے منشاء کے سراسر خلاف ہے۔ وہ جمہور کی مرضی اور ان ہی کے ہاتھوں سے اسٹیٹ کو اقتدار و اختیار دلاتا ہے۔ ہاں انہیں یہ حق نہیں دیتا کہ وہ امارت کی کوئی تنظیم نہ کریں اور اقتدار اپنے ہی پاس روک کر انتشار، ابتری اور طوائف الملوکی پھیلا دیں۔ یہ اولیت کا ایسا شرف ہے جو اسلامی حکومت کو دنیا کی تمام جمہوریتوں پر حاصل ہے

اسلامی سلطنت کا بلند ترین منتہائے خیال یہ ہے کہ سلطنت کی بنا جغرافیائی، نسلی، قومی حرفتی، اور طبقاتی قیود سے بالاتر ہو کر انسانیت، اور اُن اعلیٰ اُصولوں پر ہو جن کی تشیید و ترویج کے لئے وہ قائم کی جاتی ہے۔

اسلامی حکومت پہلی حکومت ہے۔ جس نے اس منتہائے خیال کو پُورا کرنے کے لئے اپنی خلافت راشدہ کی بنیاد انسانیت پر رکھی۔ یہ حکومت اپنے کاموں میں رائے عامہ، مساوات حقوق، آزادی ضمیر، اور سادگی کا امکانی حد تک خیال رکھتی ہے۔

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اپنے قلمرو میں بسنے والے تمام غیر مسلموں کی (جو معاہد یعنی وفادار ہوں) جان، مال، آبرو، مذہبی آزادی اور عام شہری حقوق کی پوری حفاظت کرے۔ اگر کوئی طاقت ان کے جان و مال وغیرہ پر دست اندازی کرے تو حکومت اس سے جنگ کرے اور اُن پر کوئی ایسا بار نہ ڈالے جو ان کے لئے ناقابل تحمل ہو۔ جو ملک صلحاً حاصل ہوا ہو وہاں کے غیر مسلموں

سے جو شرائط طے ہوئے ہوں اُن کی پوری پوری پابندی کی جائے۔ پھر غیر مسلموں کے یہ حقوق محض اکثریت کے رحم وکرم پر نہیں۔ بلکہ ہمارا عائد کیا ہوا ایک فرض ہے جس سے کسی وقت انحراف جائز نہیں۔

اس کے بعد دینی حکومت کی موہومہ خرابیوں کا جہاں تک تعلق ہے جواب میں اتنا کہنا کافی ہوگا کہ علم وتحقیق کی روشنی میں موجودہ ترقی یافتہ حکومتوں کے طور طریقوں کو خلفائے اربعہ کے بے داغ عہد حکومت کے مقابلہ میں رکھ کر مفاد عامہ کے لحاظ سے وزن کر لیا جائے۔ آج ظلم وجبر، عہد شکنی، مالی دست برد۔ کشت وخون، بربادی وہلاکت، انسانی جماعتوں کی باہمی دشمنی۔ افراد کی عدم مساوات اور جمہور کے حقوق کی پامالی کی جو مثالیں دُوربین سے دیکھے بغیر نظر آرہی ہیں۔ خلفا کے ترقی یافتہ عہد میں اس کا خفیف سا نشان بھی نہ ملے گا۔ غرضیکہ بیان کردہ خرابیاں مذہبی طرز حکومت کی خرابیاں نہیں ہیں بلکہ اُن انسانی گمراہیوں سے اخذ کی گئی ہیں جنہوں نے خالص مادی طرز حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ گاندھی جی نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا تھا جب ۱۹۳۷ء میں آپ نے کانگریسی وُزراء کو یہ ہدایات دیں کہ تم ابوبکرؓ و عمرؓ کی سی حکومت قائم کرو۔ نیز قائداعظم مرحوم نے دستور کی اسی اساس کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جب ۱۹۴۳ء میں بمقام جالندھر آل انڈیا اسٹوڈینٹس فیڈریشن کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ "میرے خیال میں مسلمانوں کا طرز حکومت آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن حکیم نے فیصل کر دیا تھا"۔ اُنہوں نے نومبر ۱۹۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف کے نام جو خط لکھا اس میں صاف صاف لکھ دیا تھا کہ "اس بات کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ قانون بنانے والی جماعت جس میں بہت زیادہ اکثریت مسلمانوں کی ہوگی پاکستان کے لئے ایسے قانون بنا سکے گی۔ جو اسلامی قانون کے خلاف ہو اور نہ ہی پاکستانی غیر اسلامی قانون پر عمل کر سکیں گے"۔ اس قسم کے اعلانات قیام پاکستان سے پہلے قائداعظم اور دُوسرے زعمائے لیگ کی طرف سے برابر ہوتے رہے جن کا بخوفِ طوالت ہم استیعاب نہیں کر سکتے۔ بہرحال ان بیانات کے پڑھنے کے بعد کسی مسلم یا غیر مسلم کو ہمارے مقصد اور مطمح نظر کو سمجھنے میں کوئی ابہام واشتباہ نہیں رہ سکتا اور جس قدر باتیں آئین و نظام اسلامی کے متعلق بطور اعتراض آج کہی جارہی ہیں اُن سب کے سوچنے کا وقت وہ تھا جب پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلانات کئے جارہے تھے۔ جب یہ سب کچھ جان کر اور سمجھ کر دُوسری قوم نے تقسیم ہند کے فیصلہ پر دستخط کئے اور پاکستان کی اقلیت

نے ان مقاصد کو مانتے ہوئے ہمارے ساتھ اشتراک عمل کیا، اب پاکستان قائم ہونے کے بعد اس نقطۂ نظر سے انحراف کی کوئی وجہ جواز ان کے پاس موجود نہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ انڈین یونین کا قیام تو ہندوؤں اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی مخلوط مساعی سے عمل میں آیا ہے۔ لیکن پاکستان کا حصول خالص مسلم قوم کی مساعی اور قربانیوں کا رہین منت ہے اور ان کی قومی خصائص ممیزات کے تحفظ کا داعیہ اس کا محرک ہوا ہے۔ اب اگر ایسی سیدھی اور صاف بات کو بھی بھلا دیا جائے تو اس کا کچھ علاج ہمارے پاس نہیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی فراموش نہ کیجئے کہ آج دنیا میں معاشی اختلال اور اقتصادی عدم توازن کی وجہ سے ملحدانہ اشتراکیت (کمیونزم) کا سیلاب ہر طرف سے بڑھتا چلا آرہا ہے اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔ اگر ہم پاکستان یا عالم اسلامی کو اس بھیانک خطرہ سے بچانا چاہتے ہیں تو اس کی واحد صورت یہی ہے کہ پاکستان میں صحیح اسلامی نظام کا اعلان و آغاز کریں اور تمام اسلامی ممالک کو اسلام کے نام پر اسی کی دعوت دیں۔ اگر اس طرح تمام اسلامی ممالک آئینی طور پر متحد ہو گئے تو قدرتی طور پر وہ وحدتِ اسلامی قائم ہو جائے گی جس کی ہم سب مدت سے آرزو رکھتے ہیں اور جو اشتراکیت، سرمایہ پرستی دونوں کی روک تھام کے لئے مضبوط آہنی دیوار کا کام دے گی۔

بہت سے لوگوں کو یہ خیال گذرتا ہے کہ ابھی تک ہمارا کاروبار جس ڈگر پر چل رہا ہے۔ اسلامی اور اسلامی آئین کا اعلان کر کے ہم اسے ایک دم کیسے بدل سکتے ہیں، یہ تو ہمارے اجتماعی حالات میں ایسا انقلاب عظیم ہوگا جو ہماری قومی زندگی کی کایا پلٹ کر دے گا۔ اور جس کے لئے ہمیں جدید کانسٹی ٹیوشن کے چلانے کے لئے کثیر تعداد میں مناسب رجال کار تیار کرنے پڑیں گے اور بہت طویل عرصہ درکار ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے لیکن اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے بھی اسے بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اسلامی آئین و نظام کے اعلان سے غرض یہ ہے کہ مملکت کا اصلی نصب العین اور اس کی انتہائی منزل مقصود واضح اور مستحضر ہو جائے تاکہ اس کی روشنی میں ہمارا جو قدم اٹھے وہ ہم کو آخری منزل سے قریب تر کرنے والا ہو۔ یہ کام ظاہر ہے کہ بتدریج ہوگا اور بتدریج ہی ہو سکتا ہے جو کام فی الحال کئے جا سکتے ہیں۔

وہ فوراً کرنے ہوں گے اور جن کاموں کے لئے سردست حالات سازگار نہیں وہ فوراً نفاذ پذیر نہ ہوں گے۔ بلکہ حکیمانہ اسلوب پر حالات کو سازگار بنانے کی ہر امکانی کوشش عمل میں لائی جائے گی۔ بہرحال انسان اسی چیز کا مکلف ہے جس کی وہ استطاعت رکھتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو میں تقسیم سے قبل اپنے مختلف بیانات وخطبات میں کھول کر کہہ چکا ہوں۔ چنانچہ خطبہ لاہور میں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ اعلیٰ اور پاک نصب العین ممکن ہے۔ بتدریج حاصل ہو تاہم ہر دوسرا قدم جو اُٹھایا جائے گا انشاء اللہ پہلے قدم سے زیادہ مسلم قوم کو اس محبوب نصب العین سے قریب تر کرے گا جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بتدریج پھیلتی ہے یا جس طرح ایک پرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اُٹھاتا ہے دفعۃً و بغتۃً بیماری سے چنگا نہیں ہو جاتا اسی طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور ہماری مکمل ترین آزادی کے نصف النہار کی طرف تدریجی قدم اُٹھائے گا۔

جناب صدر محترم۔ آخر میں ایوان ہٰذا کے معزز ممبران کی خدمت میں میں عرض کر دوں گا کہ اِس ڈھیلے ڈھالے ریزولیوشن سے گھبرانے اور وحشت کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلامی فرقوں کے اختلافات تحریک پاکستان کی برکت سے بہت کم ہو چکے ہیں اور اگر کچھ باقی ہیں تو انشاء اللہ برادرانہ مفاہمت سے صاف ہو جائیں گے کیونکہ تمام اسلامی فرقے اور ملک آج اسلامی نظام کی ضرورت کو بہت شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے غیر مسلم دوست بھی اگر ایک مرتبہ تھوڑا سا تجربہ کر کے دیکھ لیں گے تو اگلی اور پچھلی سب تلخیاں بھول جائیں گے اور بہت مطمئن رہیں گے بلکہ فخر کریں گے کہ ہم سب پاکستانیوں نے مل کر عام ہیجان اور اضطراب کے زمانہ میں انسانیت عامہ کی اس قدر عظیم الشان خدمت انجام دی وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

اب بڑا اہم کام ہمارے سامنے یہ ہے کہ دستور سازی کی مہم ایسے قابل، فہیم، مضبوط اور محتاط ہاتھوں کے سپرد ہو جو اس ریزولیوشن کے خاص خاص نکتوں کی حفاظت کر سکیں اس کے نحو کو بخوبی سمجھ سکیں اور جو دستور تیار کیا جائے وہ صحیح لائن سے ہٹنے نہ پائے، یہ بہت کٹھن مرحلہ ہے جو اللہ ہی کی توفیق سے آسان ہو گا۔ بہرحال ہم آئندہ کام کرنے میں ہر قدم پر اس چیز کے منتظر رہیں گے، وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔

(۷۸) بنام خان عبدالقیوم خان صاحب وزیراعظم صوبہ سرحد

(تعارف) وزیر محترم پاکستان کی مشہور ہستی ہیں حسب ذیل خط علامہ نے مولانا محمد جعفر صاحب پھلواروی کے متعلق بطور سفارش خان صاحب کو تحریر فرمایا ہے جعفر صاحب تقسیم پاکستان سے پہلے شاہی مسجد کپورتھلہ کے خطیب تھے۔ تقسیم کے بعد ثقافت اسلامیہ لاہور سے متعلق ہیں اور سلسلۂ تصنیف و تالیف میں مصروف ہیں۔ ان سے میرے ذاتی مراسم ہیں۔ ان کا میرا کپورتھلے میں بارہ سال ساتھ رہا۔ جہاں میں ۲۳ اپریل ۱۹۳۵ء سے ۳ ستمبر ۱۹۴۷ء کپورتھلہ میں پروفیسر تھا۔ آپ ہی کی تصانیف میں اسلام اور موسیقی ہے (راقم)

صدر دفتر جمعیۃ علماء اسلام۔ کراچی
مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۴۹ء

بخدمت گرامی محترم المقام عالیجناب خان عبدالقیوم خانصاحب وزیراعظم سرحد

بعد سلام مسنون آنکہ۔ حامل عریضہ مولانا شاہ محمد جعفر صاحب ندوی جو مولانا شاہ محمد سلیمان مرحوم پھلواری کے صاحبزادے ہیں۔ آپ سے مل کر تنظیم مساجد وغیرہ کے سلسلہ میں بات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ائمہ مساجد کی تنظیم کا جو اعلان کیا ہے۔ اس کے متعلق مولانا اپنے مفید مشورے پیش کریں گے۔ اور میرے خیال میں آپ کے مشن کو کامیاب بنانے میں اُن سے اچھی مدد ملے گی۔ اُمید ہے آپ انہیں موقع دیں گے کہ یہ کوئی خاکہ پیش کر سکیں اور اپنی خدمات سے لوگوں کو مستفید فرمائیں۔ مولانا کے تجربہ سے فائدہ اُٹھانا انشاءاللہ مناسب ہوگا۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی
کراچی

خط سیّد حسن محمود گیلانی وزیر تعلیم بہاولپور بنام علّامہ عثمانی

(تعارف) ذیل میں ہم وزیر تعلیم بہاولپور کا وہ گرامی نامہ درج کر رہے ہیں جو انہوں نے علّامہ عثمانی کو جامعہ عباسیہ کی اعزازی پرنسپل شپ کی قبولیت کے لئے ارسال کیا تھا چونکہ علّامہ کا ایک گرامی نامہ جو آئندہ آ رہا ہے اسی خط کا جواب ہے لہٰذا وزیر تعلیم بہاولپور کا یہ خط یہاں درج کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ رہے سیّد حسن محمود گیلانی تو باخبر حضرات ان سے خوب واقف ہیں۔ مگر اب عرصے سے گوشۂ گمنامی میں ہیں حسب ذیل مکتوب اور اس کا جواب دونوں علّامہ کے یہاں سے دستیاب ہوئے ہیں۔ (مرتّب)

KASHANA-I- HAIDARI
LAWRENCE RD,
17th AUG 1949.

MINISTER FOR EDUCATION
BAHAWALPUR GOVERNMENT

(کاشانۂ حیدری - لارنس روڈ)
۱۷/ اگست ۱۹۴۹ء

محترمی مکرمی جناب حضرت مولانا صاحب

السّلام علیکم۔ جناب کی خدمات سے مستفید ہو کر بہت خوش ہوا ہوں اور میری دلی دُعا ہے کہ باری تعالیٰ آپ کو تندرستی عطا فرمائے۔ آمین۔

میری حقیقی آرزو ہے کہ جامعہ عباسیہ بہاولپور کو اُونچے پیمانے پر لے جایا جائے تاکہ دینی تربیت کا مرکز بن سکے اور مسلمانان پاکستان اس سے حقیقی معنوں میں مستفید ہوں میرے خیال میں میرے خواب کی تعبیر آپ کی سرپرستی سے ہو سکے گی۔ لہٰذا اُمید کرتا ہوں کہ آپ جامعہ کی آنریری پرنسپل شپ قبول فرما کر مجھے مسرّت حاصل کرنے کا موقع دیں گے۔ آپ کو زیادہ تکلیف نہیں کرنی پڑے گی۔ صرف سال میں دو تین مرتبہ جامعہ کے معائنے کے لئے بہاولپور تشریف لانا ہوگا۔ اور ضروری اُمور پر رائے کا اظہار کرنا ہوگا۔ اُمید ہے آپ اس سے ہرگز گریز نہ کریں گے۔ چونکہ اسلام کی بہترین خدمت کے لئے مَیں یہ

قدم اُٹھا رہا ہُوں لہٰذا مَیں اس امر کی اہمیّت کو خُوب سمجھتا ہوں کہ آپ کا کراچی میں رہنا اشد ضروری ہے اور آپ مسلمانوں، دین اور ملک کی بہترین خدمت فرما رہے ہیں۔ کیا مَیں اُمید کر سکتا ہوں کہ آپ بواپسی اپنی رضامندی کا اظہار فرما دیں گے۔ مَیں اور باشندگان بہاولپُور بے حد مشکور ہوں گے۔

خاکسار
سیّد حسن محمُود گیلانی

(۹۷) علاّمہ کا مکتوب بجواب سیّد حسن محمود صاحب گیلانی وزیر تعلیم بہاولپور

بخدمت گرامی محترم المقام عالیجناب وزیر تعلیم بہاولپور اسٹیٹ دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ ۱۷ اگست ۱۹۴۹ء وصول ہُوا۔

پاکستان کی سب سے بڑی ریاست بہاول پُور ہمیشہ سے اسلامی علوم کی خدمت میں نمایاں حصّہ لیتی رہی ہے۔ اس سلسلے کا ایک اہم اور نمایاں کارنامہ جامعہ عباسیہ ہے۔ اب جبکہ بڑے اور نہایت اہم اسلامی ادارے ہندوستان میں رہ گئے اس لئے بڑی ضرورت ہے کہ پاکستان میں مذہبی علوم کا کوئی بڑا معیاری ادارہ ہو۔

جامعہ عباسیہ کو ترقی دینے اور اعلیٰ پیمانے پر لے جانے کی جس آرزُو کا آپ نے اظہار اپنے گرامی نامہ میں فرمایا ہے۔ وہ نہایت مبارک ہے۔ مجھے آپ کے اس ارادے اور عزم سے بڑی خُوشی ہوئی اور مَیں دُعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ آپکے تمام نیک عزائم کو پُورا اور کامیاب فرمائے۔

اس سلسلے میں میری جن خدمات کی ضرورت ہو۔ مَیں آنریری طور پر اس کے لئے اپنی خدمات کو دستور ساز اسمبلی پاکستان کی مشغولیتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے پیش کرتا ہوں اور آپ کی دعوت پر لبیک کہتا ہوں۔ میری تمنّا ہے کہ جامعہ عباسیہ ہمارے دینی علوم کا مرکز بن جائے۔

شبّیر احمد عثمانی

اگست ۱۹۴۹ء (مطابق ۱۳۶۸ھ)

(۸۰) مکتوب عثمانی اہل علم و فضل کے نام

تعارف:- علامہ عثمانی کی زندگی پاکستان بننے کے بعد نہایت ہی مصروف زندگی تھی۔ ایک طرف مہاجرین کی آبادکاری میں حکومت سے جاجا کر سفارش کرنا، تجویزیں بتانا، قانون ساز اسمبلی میں پاکستان کی فلاح پر تجویزیں پیش کرنا، حیدرآباد پر حملے کی صورت حال سے دوچار ہونا، کشمیر کا غم اور اس کا مداوی کرنا، پاکستان کے لئے آئین اسلام کی تجویزیں پیش کرنا اور اس کو پاس کرانا۔ نیز پاکستان میں کوئی اعلیٰ معیاً کا دارالعلوم قائم کرنا۔ حسب ذیل مکتوب ایسے ہی کسی دارالعلوم کے قیام کے لئے ملک کی اہل علم و فضل اور ممتاز شخصیتوں کے نام ہے کہ باہم مل کر مشورے سے کوئی اسلامی ادارہ قائم کیا جائے۔ آخر میں اہل شوریٰ کے نام درج ہیں۔

کراچی۔

مورخہ ۹ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ

(مطابق یکم نومبر ۱۹۴۹ء)

محترم گرامی قدر! زیدت مکرمتکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!!

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جبکہ فرنگیوں کے غاصبانہ تسلّط اور مسیحیت کے بڑھتے ہوئے اقتدار نے اسلامیان ہند کی ٹمٹماتی ہوئی شمع سیادت کو بجھا دیا تھا اور رفتہ رفتہ ملحدانہ تہذیب و تمدن کی ایسی داغ بیل ڈالی تھی کہ مذہبی احساسات اور ملی خصوصیات کو فنا کر کے کچھ ہی عرصہ میں مسلمانوں کے دل و دماغ کو فرنگی سانچے میں ڈھال دیا جائے۔ اقتدارِ حکمرانی کے ہاتھوں ظاہر ہے کہ یہ بیل آسانی سے منڈھے چڑھ سکتی تھی۔ خصوصاً جبکہ مسلمانوں کی روحانی و ایمانی قوتیں پہلے ہی سے مضمحل ہو چکی تھیں جس کے نتیجے میں عین قانونِ انقلاب الٰہی کے مطابق دنیاوی عظمت و شوکت سے انہیں محروم ہونا پڑا! وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ بغرض طوفان باطل کا بڑھتا ہوا دور تھا اور ارباب فراست نورِ ایمانی سے مشاہدہ کر رہے تھے اور اسلام کے متعلق مستقبل کا نقشہ نظر کے سامنے تھا۔ حکمائے ملت اور مفکرین اسلام خداوند قدوس کی عطا کردہ

دولتِ ایمان کی حفاظت میں سراسیمہ اور ہمہ تن اضطراب تھی۔ مفتوح قوم کے سامنے تصادم اور ٹکراؤ کا خیال نہ آسکتا تھا اور نہ اس کا کوئی امکان باقی رہ گیا تھا۔ دین کے عطا فرمانے والے نے خود ہی اپنے دین کی حفاظت کے لئے چند برگزیدہ اور نفوس زکیہ کو اس کام کے لئے منتخب کیا اور ان کے دل میں لگن بھی پیدا کی اور تدابیر حق بھی القاء فرمائیں ؎

ہم بدلہامی نساید خویش را ہم بدوزد خرقۂ درویش را

اس بیچارگی کے وقت میں حق تعالیٰ نے ایک تدبیر القاء فرمائی بلکہ تمام فروعی امراض کے بارے میں اُمّ الامراض کا پتہ بتایا کہ اب تک جو کچھ مسلمان کھو چکے ہیں یا آئندہ کے متعلق خطرات ہیں ان سب کا مبنیٰ اس کا اپنا ایمانی ضعف اور گوہر ایمانی سے ناواقفیت اور ناقدر شناسی ہے۔ عظمت رفتہ اور متاعِ گم گشتہ کو واپس لانے کے لئے ہو یا رہی سہی پونجی کی حفاظت و بقاء کے لئے ہو راستہ دونوں کا ایک ہی ہے اور وہ صرف اسلام کی پیدا کی ہوئی بیداری اور اعتصام بحبل اللہ ہے جس کے بعد راستہ صاف ہے اور کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ .. .. وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّ كُمْ كَيْدُ هُمْ شَيْئًا ط

چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اور آپ کے دیگر رفقاء نے جو آپ زمانہ کے حکماء امت میں سے تھے اپنے تمام فروعی مشاغل کو ترک کر کے صرف ایک نصب العین کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا اور یہ تہیہ کیا کہ حق کی خود اپنی طاقت اتنی بڑی ہے کہ اگر اس کا وجود عملی زندگی میں قائم ہو جائے تو دنیا کی بڑی سے بڑی کوئی طاقت اس کو مغلوب اور سرنگوں نہیں کر سکتی۔ اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے ایک مدرسہ کی بنا ڈالی جہاں صرف کتاب و سنت کی رسمی تعلیم ہی نہ دی جائے بلکہ اہل اللہ اور صاحب نسبت اُستادوں کی تربیت میں علماء کی ایسی صالح جماعت تیار کی جائے جو اسلام کی سچی تڑپ لے کر اُٹھے اور دُنیاوی و عرفی اعزاز سے مُنہ موڑ کر گھر گھر اور قریہ قریہ اسلام کے پھیلانے ہی کو اپنا مقصدِ زندگی قرار دے۔ تاریخ شاہد ہے کہ فرنگی کے دورِ اقتدار میں اس مُلحدانہ سیلاب اور بے دینی کی بڑھتی ہوئی رَو کو روک دینے کی کامیابی صرف ان آہنی بندھنوں اور مضبوط چٹانوں کی مرہونِ منت ہے جو مدارس دینیہ کے نام سے مختلف مقامات پر قائم تھے اور ان میں اہل علم، اہل تقویٰ، اہل سیاست اور ہر طرح کی باکمال شخصیتیں موجود تھیں۔ غرض اسی مُبارک تدبیر کا نتیجہ ہے کہ آج روئے زمین

پر اسلام کی سب سے زیادہ صحیح اور محفوظ ترین صورت صرف ہندوستان کے مسلمانوں میں نظر آتی ہے
وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

اب جبکہ ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے نتیجہ میں سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان وجود میں آگئی اور حق تعالیٰ نے اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور تمکین دین کے لئے پھر ایک آزمائشی مہلت عطا فرما دی تو علمائے اُمت اور ارباب فکر کی ذمہ داریاں پہلے سے زیادہ نازک اور دوچند ہوگئیں۔ اب تک ہماری پوری جدوجہد عام طور پر ایک مدافعانہ محاذ کے انداز میں تھیں۔ اور موفق حقیقی کا شکر ہے کہ اُس نے خاطر خواہ اس میں کامیابی عطا فرمائی۔ تاہم ابھی بہت کچھ اندرونی فتنوں کے خطرات درپیش ہیں۔ اور ہماری ذرا سی غفلت بڑے بڑے مہلک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ اس سلبی پہلو کے علاوہ آج مکنت واقتدار کے تقاضوں میں سے سب سے بڑا بنیادی تقاضا یہ ایجابی پہلو بھی ہے کہ دُنیا کی تمام قومیں اپنے خود ساختہ انفرادی اور اجتماعی نظامہائے حیات سے بالکل عاجز آچکی ہیں اور انتہائی بیزار ہیں۔ خداوند قدوس کے فطری و قدرتی ضابطۂ حیات کی نامعلوم جستجو ان کے دلوں میں گھر کر چکی ہے۔ اس کی ضرورت ہے۔ کہ وقت کے اہم تقاضوں اور مکنت واستطاعت، دونوں کے پیش نظر اسلام کی عالمگیر ہدایت کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ ۔۔۔ اسلام کے صحیح تعارف کے لئے شاید ہی ایسی کوئی مہلت میسر آئے جیسی آج ہے۔ غرض انہی دو جامع مقاصد کے پیش نظر آج بھی صرف وہی ایک راہ ہے کہ ملک میں ایک ایسا دینی علوم کا مرکزی دارالعلوم قائم کیا جائے جو قدیم طرز کے علمائے ربانی کا گروہ پیدا کر سکے۔ اور ملک کے طول وعرض کے باقی مدارس دینیہ کا الحاق اسی دارالعلوم سے قائم کیا جائے۔ ابھی چند ایسے نفوس موجود ہیں جن کی تعلیم و تربیت سے علماء کا گروہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ اگر اس معاملہ میں زیادہ غفلت اور تاخیر سے کام لیا گیا تو ایسے افراد کا ملنا ناممکن ہو جائے گا اور یہ تاریخ کا بہت بڑا حادثہ ہوگا۔

اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے یہ تمہیدی اقدام کیا گیا ہے۔ کہ مجوزہ مرکزی دارالعلوم کے لئے سب سے پہلے ایک اہل علم اور ارباب رائے پر مشتمل مجلس شوریٰ تشکیل دی گئی ہے۔ جس کی فہرست ہم رشتہ ہے۔

باقی آئندہ کے تمام اقدامات انہی حضرات کے باہمی مشورہ اور رائے سے طے ہوں گے۔ ان حضرات کو مجتمع کرنے کے لئے ۲۰ نومبر ۱۹۴۹ء کی تاریخ (اتوار) تجویز کی گئی ہے۔ شوریٰ کا اجتماع تقریباً دو روز رہے گا

قیام کا مناسب انتظام کیا گیا ہے۔ اور منظوری آنے پر مصارف سفر پیش کر دئے جائیں گے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ اپنے قیمتی اوقات میں سے اس کام کے لئے تھوڑی سی فرصت نکال کر اس فریضہ کی تکمیل فرمائیں گے

والسلام۔ شبیر احمد عثمانی

اراکین مجلس شوریٰ

۱۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

۲۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

۳۔ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی

۴۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری

۵۔ مولانا خیر محمد صاحب

۶۔ مولانا محمد حسن صاحب لاہور

۷۔ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی

۸۔ مولانا اطہر علی صاحب ڈھاکہ

۹۔ پیر ہاشم جان صاحب مجددی

۱۰۔ مولانا بدر عالم

۱۱۔ مولانا شمس الحق صاحب قلات

۱۲۔ ڈی۔ ایم ملک صاحب

۱۳۔ محمد یوسف صاحب سیٹھی

۱۴۔ محمد شفیع صاحب کراچی

۱۵۔ حاجی وجیہ الدین صاحب

۱۶۔ ڈاکٹر عبدالحق صاحب سندھ

۱۷۔ حاجی موسیٰ میاں افریقہ

۱۸۔ حاجی نور الٰہی صاحب پشاور

۱۹۔ شاہ فخرالدین صاحب گھوٹکی

۲۰۔ محمد شفیع صاحب۔ (۲۱) حاجی عبدالجبار صاحب

مکتوب مولانا خیر محمد صاحب بنام علامہ عثمانی

بگرامی خدمت سیدنا و مولانا حضرت سرپرست صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حسب تجویز سابق مجلس شوریٰ (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری۔ مولانا محمد عبدالجبار صاحب ابوہری۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب سلیم پوری۔ مولانا عبدالعزیز صاحب رائپوری) خدمت عالیہ میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ سرپرستی مدرسہ خیر المدارس ملتان کو قبول فرما کر اُمور بالا کی تصدیق اور مستقبل کے متعلق ہدایات مفیدہ سے سرفراز فرمایا جاوے۔ فقط

احقر خیر محمد مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس۔ ملتان شہر۔ مورخہ ۲۶ محرم ۱۳۶۹ھ

(۸۱) مکتوب علامہ عثمانی بنام مولانا خیر محمد صاحب

جناب محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

چونکہ پاکستان میں اس قسم کے مدارس دینیہ کی ضرورت واہمیت کو میں پوری طرح محسوس کرتا ہوں۔ اور امکانی خدمت کے لئے تیار ہوں۔ اس لئے مجلس شوریٰ کی تجویز کو مسترد کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ لیکن آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میرے مشاغل بہت مختلف ومتنوع ہیں اور صحت بھی زیادہ اچھی نہیں۔ اس لئے عملی خدمت حسب دلخواہ نہیں کر سکوں گا۔ بہر حال آپ حضرات کے ارشاد کی تعمیل کو موجب برکت تصور کرتا ہوں۔

شبیر احمد عثمانی

کراچی۔ ۲۸ محرم ۱۳۶۹ھ

(۸۲) بنام منشی عبد الرحمن ملتانی

کراچی۔ ۷، دسمبر ۱۹۴۹ء

برادر مکرم زید مجدہ

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ ملا۔ خوشی ہوئی۔ آپ کے اخلاص اور محبت کا یقین رکھتا ہوں اور آپ کے حق میں دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ دارین میں فائز المرام اور خوش رکھے میں ۸ دسمبر کو بہاولپور جا رہا ہوں۔ ۹، دسمبر کو وہاں پہنچوں گا۔ اور غالباً ۸-۱۰ روز قیام رہے گا۔ اطلاعاً تحریر ہے۔

عزیزم مولوی محمد یحییٰ سلمہ کی طرف سے سلام مسنون۔ عزیزان محمد یعیش ومحمد سہیل سلام عرض کرتے ہیں۔ والسلام۔

شبیر احمد عثمانی (صفر ۱۳۶۹ھ)

(نوٹ) علامہ عثمانی نے ۷، دسمبر ۱۹۴۹ء کو ایک خط تو انہی منشی صاحب کو تحریر فرمایا ہے۔ اور دوسرا مکتوب مفتی سیاح الدین صاحب مدرس مدرسہ اشاعت العلوم لائل پور کو لکھا ہے جو آئندہ آرہا ہے۔

(۸۳) مکتوب عثمانی بخط غیر و بدستخط خود بنام مفتی سیاح الدین صاحب فاضل دیوبند ساکن کاکاخیل سرحد و حال مدرس مدرسہ اشاعۃ العلوم جامع مسجد لائل پور بسلسلۂ تنظیم مدارس

غالباً یہ مکتوب علامہ کا آخری مکتوب ہو کہ ۷ر دسمبر کو لکھا گیا ہے۔ بعد ازاں حضرت علامہ ۸ر دسمبر کو کراچی سے روانہ ہو کر بہاولپور میں ۱۳ر دسمبر کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مفتی سیاح الدین صاحب پاکستانی علماء میں اپنے علم و فضل کے اعتبار سے مخصوص مقام رکھتے ہیں اور فتویٰ نویسی میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں:

برادر مکرم زید مجدہ

بعد سلام مسنون آنکہ آپ کا خط ملا۔ اس سے قبل کوئی خط مجھے نہیں ملا۔ پچھلے دنوں علالت بھی بہت ممتد اور شدید رہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے عافیت بخشی۔ آپ نے تنظیم مدارس کا جو کام شروع کیا ہے۔ وہ بہت اچھا ہے۔ مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالےٰ کامیاب فرمائے۔ آپ کا مرسلہ نصاب پہنچ گیا۔ چند روز بعد غور کر کے اس کے متعلق کچھ لکھوں گا۔

یہاں قیام مدرسہ کے سلسلہ میں کچھ گفتگوئیں ہوئیں لیکن ابھی عملاً کوئی چیز سامنے نہیں آئی۔ تنظیم مدارس کے سلسلے میں آپ اپنی مساعی جاری رکھئے۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی
کراچی
۷ر دسمبر ۱۹۴۹ء
(موصولہ ۱۱ر دسمبر ۱۹۴۹ء)

پتہ: مکرم مولوی سیاح الدین صاحب کاکاخیل
مدرسہ عربیہ اشاعۃ العلوم
جامع مسجد۔ شہر لائل پور
(مغربی پنجاب)

(نوٹ) یہ وہ آخری خط ہے جو علامہ دین نے ایک عالم دین کو لکھا ہے اور اس کے بعد ان کے قلم کو کسی کی طرف قدرت نے خط لکھنے کا موقع نہیں دیا۔ انہیں کیا خبر تھی کہ یہ آخری خط ہو گا۔

حضرت علامہ عثمانیؒ کا مکتوب بنام مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور اس کا تعارف[لہ]

مخدومی و استاذی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کی پوری زندگی ایک علمی زندگی ہے اس کے مختلف گوشوں اور شعبوں پر مکمل کلام کیا جائے تو ہر ایک کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ مگر یہاں ہم ان کا ایک گرامی نامہ نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کے متعلق پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے اس کا پس منظر پیش کرنا ضروری ہے۔

نماز میں آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کے استعمال کی ممانعت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب کا فتویٰ

۱۳۵۸ھ میں سیدی حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کا ایک فتویٰ اس موضوع پر النور میں شائع ہوا جس میں حضرت ممدوح نے آلہ مکبر الصوت سے دور تک آواز پہنچنے کی کیفیت ان لوگوں سے دریافت فرمائی جو موجودہ سائنس کے جاننے والے اس وقت میسر آئے۔ ان کی رائوں میں اختلاف رہا۔ کسی نے کہا کہ اس آلہ کے ذریعہ بولنے والے کی اصل آواز کی لہریں ہی قوی ہو کر دور تک پہنچ جاتی ہیں۔ کسی نے لکھا کہ متکلم کی آواز کو یہ آلہ اپنے اندر لے کر دوسری طرف قوت کے ساتھ پھینکتا ہے جس سے دوسرے سامعین کو متکلم کی آواز کی بالکل مشابہ سنائی دیتی ہے۔ اصل آواز دور تک نہیں پہنچتی۔ حضرت والا (تھانوی رحمتہ اللہ علیہ) نے اس اختلاف کی بنا پر احتیاطی پہلو اختیار فرمایا اور اس آلہ کی آواز پر نقل و حرکت کرنے والے مقتدیوں کی نماز کو فاسد قرار دیا۔ کیونکہ وہ ایک ایسی چیز کی اقتدا کر رہے ہیں جو شریک نماز نہیں حالانکہ باتفاق فقہا مقتدی کے لئے کسی ایسے شخص کی آواز کی اقتدا جائز نہیں جو شریک نماز نہ ہو۔

حضرت حکیم الامت کا یہ فتویٰ ایک خط کے جواب میں تھا۔ تصنیف کی صورت میں نہ تھا۔ اس لئے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے ایما پر احقر نے اس مسئلہ کو ایک مستقل رسالہ کی صورت میں تحریر کیا۔

اس رسالہ میں آلہ مکبر الصوت کے نماز میں استعمال کو ممنوع قرار دینے کے لئے مذکورۃ الصدر وجہ فساد کے علاوہ کچھ اور مویدات بھی احقر نے اضافہ کئے۔

لہ حضرت مفتی صاحب کے نام یہ خطوط بعد میں درج کرنے یاد آئے۔ اس لئے مکتوبات کی تاریخی ترتیب میں قدرے گڑبڑ ہو گئی۔ لہٰذا آخر میں درج کئے جاتے ہیں۔ (مرتب)

رسالہ طبع ہونے کے بعد اس کا ایک نسخہ اپنے اُستاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ اس وقت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ آپ نے اپنی قدیم شفقت کی بنا پر میرے رسالہ کو پُورا ملاحظہ فرمایا۔ اور اس پر ایک ناقدانہ بصیرت افروز خط تحریر فرمایا جس میں فساد نماز کے حکم سے اختلاف فرمایا۔ یہ خط سطور ذیل کے اختتام پر بعینہ نقل کیا جائے گا۔

احقر نے یہ خط حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب مولانا عثمانی اس طرف تشریف لائیں گے۔ اس وقت ان کے سامنے ہی اس پر غور کیا جائے گا۔ مگر پیہم ایسے اتفاقات پیش آتے رہے کہ تھانہ بھون میں حضرت ممدوح اور احقر کا اجتماع کسی اطمینان کے موقع پر نہ ہو سکا۔ تا آنکہ ۲۶ رجب ۱۳۶۲ھ کو حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی وفات ہوگئی اور یہ کام اسی طرح تشنۂ تکمیل رہا۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۷ھ میں احقر ہجرت کر کے پاکستان کراچی آیا اور اس مسئلہ کے متعلق سوالات آتے رہے۔ لیکن حضرت الاستاذ علامہ شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول فتاویٰ کے بارہ میں اپنے غایت تقویٰ اور احتیاط کی بنا پر دیوبند میں بھی یہی تھا اور پاکستان میں بھی یہی رہا۔ کہ فتاوے سب اس ناکارہ کے حوالے فرماتے تھے۔ اور کوئی خود لکھنے پر اصرار بھی کرتا تو عذر فرما دیتے تھے اور غایت تواضع سے فرماتے تھے کہ مجھے کبھی فتوے کے کام میں اشتغال کا اتفاق نہیں ہوا اس لئے احتیاط کرتا ہوں۔ حالانکہ یہ امر بدیہی تھا کہ اس ناکارہ کو اگر کوئی علم کا کوئی حرف آتا تھا تو وہ سب انہی اساتذہ کرام کی کفش برداری کے ذریعہ سے تھا اور خود احقر کو جب جہات فتاویٰ میں اشکال پیش آتا۔ تو پاکستان آنے کے بعد حضرت مرحوم ہی کی طرف رجوع کرتا اور ان کے محققانہ ارشادات سے استفادہ کرتا تھا۔ حق تعالیٰ نے جہاں آپ کو کمالات علمی میں اعلیٰ پایہ عطا فرمایا تھا وہیں اخلاق فاضلہ اور تواضع میں بھی بلند مقام سے سرفراز فرمایا تھا۔ اسی کا یہ نتیجہ رہا کہ اس مسئلہ میں باوجودیکہ حضرت مرحوم کو احقر کی رائے اور فتوے سے اتفاق نہ تھا لیکن عملاً ہمیشہ موافقت فرماتے اور اختلاف کا اظہار بھی نہ فرماتے تھے یہانتک کہ جب حرمین محترمین میں نماز میں آلہ مکبر الصوت برتے جانے لگیں اور اطراف ہند و پاکستان سے سوالات کی بھرمار ہوئی اور لوگوں کی پریشانی کے باعث اس طرف توجہ ہوئی کہ اب مسئلہ کی تنقیح کر کے کوئی متفقہ فتویٰ دیا جائے تو اس کام کے لئے دو مرتبہ خود حضرت مولانا عثمانی تکلیف فرما کر احقر کے مکان پر تشریف لائے۔ کتابوں کی مراجعت اور مسئلہ

کے مختلف پہلوؤں پر ناقدانہ بحث ہوتی رہی۔ میرا رجحان کچھ حضرت مولانا کی تحقیق کی طرف ہونے لگا۔ مگر ہنوز کسی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچے تھے کہ حضرت ممدوح پر فالج کا ابتدائی دورہ ہوا اور پھر سلسلۂ امراض نے مہلت نہ دی یہانتک کہ ۱۲ صفر ۱۳۶۹ھ کو یہ بقیۃ السلف بھی اپنے اسلاف کے ساتھ جا ملے۔ وللہ الامر من قبل و من بعد (اوّل و آخر امر اللہ ہی کے لئے ہے)

مسئلہ پھر تشنۂ تکمیل رہا۔ حضرت ممدوح کی وفات کے بعد احقر نے آلۂ مکبر الصوت کے ذریعہ آواز دُور تک پہنچنے کی فلسفیانہ تحقیق پر از سر نو غور و تفتیش شروع کی۔ کراچی میں ماہرین سائنس اور خاص محکمۂ آواز کے ماہرین سے تحقیق اور بار بار مراجعت کی۔ یہاں سب کا اس پر اتفاق معلوم ہوا کہ اس آلہ کے ذریعہ متکلم کی آواز بعینہٖ دُور تک پہنچ جاتی ہے۔ اور صورت یہ ہوتی ہے کہ آواز کی لہریں جو اوّل ہوا میں پیدا ہوتی اور ہوا کی رفتار سے چلتی ہیں۔ اس آلہ کے ذریعہ وہ ہوا بجلی کی رَو میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اور بجلی کی رفتار پر چلنے لگتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ آواز کی لہریں فنا ہونے سے پہلے دُور تک پہنچ کر دُور کے سننے والوں کو اسی طرح آواز پہنچا دیتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آواز جو ہوا میں پیدا شدہ مخصوص لہروں کا نام ہے اس میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے خط میں ایک اہم فقہی اُصول کی طرف بھی اشارہ تھا کہ فلسفیانہ تدقیق پر احکام شرعیہ دائر بھی نہیں ہوتے۔ رویت ہلال، سمت قبلہ کی تعیین میں حضرات فقہا کے ارشادات واضح ہیں کہ ان میں فنون ریاضیہ، آلات رصدیہ، اصطرلاب وغیرہ پر مدار احکام نہیں بلکہ جس سطح پر عوام سمجھ سکیں وہ کافی ہے۔" اس مجموعہ پر نظر و فکر کے بعد احقر کا پورا اطمینان حضرت مولانا عثمانی کی تحقیق کی موافقت میں ہو گیا اور احقر نے بھی فساد نماز کے فتوے سے رجوع کر لیا۔ لیکن خود حضرت استاذ مولانا عثمانی کی تحقیق کے آخری جملے یہ ہیں:-

"بس مقصود اتنا ہے کہ مکبر الصوت (مائیکروفون) کے حکم میں شرح صدر نہیں اور ما باحث کی طرف قلب کا میلان ہے۔"

پھر لکھا ہے:-

"اس وقت ایک قول شیخ ابوبکر بن الفورک کا یاد آ گیا کہ کل موضع تری فیہ اجتہادا دلیس علیہ نور فانہ بدعۃ خفیۃ (ہر وہ مقام جہاں اجتہاد کی ضرورت ہو اور اس میں نور نہ ہو تو وہ پوشیدہ بدعت ہے) بیشک یہاں بھی نور تو محسوس نہیں ہوتا۔"

اس لئے حضرت استاذ علامہ عثمانی قدس سرہ کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ آلہ مکبر الصوت کا نماز میں استعمال پسندیدہ تو نہیں لیکن اگر کر لیا گیا تو فساد نماز کا حکم نہ کیا جائے اور اب یہی احقر کا فتویٰ ہے۔ اب حضرت استاذ قدس سرہ کا مکتوب (خط) جس کا حوالہ شروع میں دیا گیا ہے۔ بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے امید ہے کہ اہل علم اس سے محظوظ ہوں گے۔ کیونکہ اس میں اصل مسئلہ کے علاوہ بہت سے ضمنی علمی فوائد بھی بہت قابل قدر ہیں۔ لہٰذا علامہ عثمانی کا مکتوب حسب ذیل ہے:۔ (محمد شفیع از کراچی)

لاؤڈ اسپیکر پر نماز کی تحقیق

مکتوب فقیہی علامہ عثمانی بنام مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مفتی اعظم پاکستان

برادر مکرم جناب مفتی محمد شفیع صاحب دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ رسالہ المفتی محرم ۱۳۵۸ھ میں سے آلہ مکبر الصوت والا مضمون میں نے پورا پڑھا۔ ماشاء اللہ بہت محنت اور سلیقہ سے لکھا گیا ہے۔ مگر بعض اجزا پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

۱۔ بے شک دین یا عبادت میں غلو وتعمق (بہت زیادہ مبالغہ اور گہرائی) ممنوع ہے۔ لیکن اس کی علت کی طرف خود احادیث میں اشارات کردئے گئے ہیں۔ مثلاً

(ا) لمن یشاء الدین الا غلبہ۔ یا

(ب) فان اللہ لا یمل حتی تملوا ونحو ذالک من الاعراض عن السنۃ او تقاللها وغیرهما۔

یہی وجہ ہے کہ کبار علماء (بڑے بڑے علماء) خصوصاً ان حضرات کے احوال میں جو عرفاً مشائخ صوفیہ سے ملقب ہیں۔ اکثار عبادت نفلیہ (نفل عبادت کی کثرت) کی بے شمار نظائر پائی جاتی ہیں جن کو یقیناً مذموم نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ بحمد اللہ وہ ان مضار (مضرتوں) سے مامون تھے۔ اور ان کا منشا صحیح تھا۔

۲۔ طہارت ونجاست کے باب میں محض شبہات واوہام یا احتمالات پر بنا کرنا یا زیادہ خوض اور تکلف سے کام لینا بے شک ناپسندیدہ ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ محرمات (حرام کی گئیں چیزیں) دو قسم کے ہوتے ہیں۔ محرم لوصفہٖ اور محرم لکسبہٖ (وصف اور کسب کے اعتبار سے) اول میں اس طرح کا تعمق وغلو وسواس ہے اور ثانی

میں شبہات واحتمالات سے بچنا احتیاط وتقویٰ ہے۔ کمابینہ الحافظ ابن تیمیہ فی فتاواہ جلد۵ (جیساکہ حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ جلد۵ میں بیان کیا ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث ہے الحلال بین والحرام بین وبینھما متشابھات الی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن رای حول الحمی یوشک ان یواقعہ (حلال بھی ظاہر اور حرام بھی اور ان دونوں کے درمیان متشابہات ہیں آنحضور کے قول تک اور جس شخص نے قبیلہ کے اردگرد پر نظر ڈالی قریب ہے کہ وہ اس میں گر جائے) ورنہ جو دقائق تقویٰ ائمہ اور مشائخ کبار سے منقول ہیں بے معنی توہمات قرار پائیں گے۔ یہ چیز کتاب وسنّت اور مسائل فقہ کے تتبع سے صاف ظاہر ہے کہ نجاست وطہارت کے باب میں شریعت مطہرہ جو توسع اور اغماض روا رکھتی ہے اسکا ربوٰ (سود) وغیرہ کے مسائل میں اصلا مساغ (دخل) نہیں۔ بہرحال اس مقدمہ میں کچھ قیود اور احتراسات کی ضرورت ہے۔

۳۔ جب احادیث وفقہیات کی بنا پر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اذان، خطبہ، تراوت وغیرہ میں استماع (کان لگانا) مخاطبین ومقتدیین کی بنا پر رفع صوت مطلوب ہے اور شریعت نے ایک حد تک اس کا اہتمام کیا ہے تو رفع صوت یا یوں کہئے کہ ابلاغ صوت کی کسی جدید صورت کو جو فی حد ذاتہ مباح بلکہ بعض صورتوں میں مستحسن تسلیم کر لی گئی اباحت وجواز کی حد سے نکالنا کس اُصول پر مبنی ہوگا؟ آخر کسی اَمر کے متعلق شریعت کے اہتمام کی تحدید محض اس اُصول پر تو نہیں کی جا سکتی کہ یہ چیز اس وقت موجود نہ تھی جیساکہ آپ خود تسلیم کر رہے ہیں۔ اذان الجوق (کئی آدمیوں کا اکٹھا اذان دینا) کو بدعت حسنہ کہ کر ائمہ فقہا نے قبول کر لیا جو جنگ رائج ہے اور فی الحقیقت یہ بنو امیہ کی بدعت نہیں جیساکہ شامی نے نقل کیا ہے بلکہ فاروق اعظم نے جو آخری خطبۂ جمعہ دیا ہے اس کے متعلق صحیح میں فلما قعد علی المنبر وسکت المؤذنون (جب وہ منبر پر بیٹھ گئے اور مؤذن لوگ خاموش ہو گئے) کے الفاظ موجود ہیں جس کو دیکھ کر شیخ ابوالحسن سندھی نے اس مسئلہ پر تنبیہ کی ہے:۔

وفی العدۃ عن ابن القاسم عن مالک اذا جلس الامام علی المنبر واخذ المؤذنون فی الاذان حرم البیع فذکر المؤذنون بلفظ الجماعۃ ویشھد لھذا حدیث الزھری

اور عدۃ میں ابن قاسم سے اور وہ مالک سے روایت کرتے ہیں کہ جب امام منبر پر بیٹھ گیا اور مؤذنوں نے اذان دینی شروع کر دی تو بیع حرام ہے۔ پس مؤذنوں کا جماعت کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس پر زہری کی حدیث ابی مالک قرظی سے

عن ابن ابی مالك القرظبی انهم كانوا فی زمن عمر بن الخطابؓ یصلون الجمعة حتی یخرج عمر وجلس علی المنبر واذن المؤذنون الحدیث وهكذا عن ابی حنیفة واصحابه (عمدة القاری صفہ ۲۱۱ ج ۱۶)

گواہ ہے کہ وہ عمر بن خطاب کے زمانہ میں تھے لوگ نماز جمعہ پڑھ رہے تھے کہ عمر آئے اور منبر پر بیٹھے اور مؤذنوں نے اذان دی (آخر حدیث تک) اور اسی طرح سے امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب سے روایت ہے جیسا کہ عمدۃ القاری صفہ ۲۱۱ جلد ۱۶ میں ہے۔

تکبیر کی تبلیغ (پہنچانے) کے لئے مرض الموت کے قصہ میں صدیق اکبر کا واقعہ موجود ہے۔ بیشک خیلل ہو سکتا ہے کہ پھر خطبہ اور قراءت صلوٰۃ میں یہ تبلیغ (آواز پہنچانے) کا عمل کیوں نہ کیا گیا۔ مگر ادنیٰ تأمل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہاں ایسا عمل اختیار کرنے سے دوسرے اہم مقاصد و مصالح فوت ہوتے ہیں مثلاً اگر کئی شخص علی وجہ الاجتماع (مجموعہ طور پر) خطبہ یا قرآن پڑھیں تو استماع و انصات للامام (امام پر کان لگا دینا اور خموش رہنا) فوت ہو جاتا ہے۔ اور تنازع و تصادم اصوات کا ایسا منظر سامنے آتا ہے جو صلوٰۃ اور خطبہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور علی وجہ التعاقب تو ایک قرارت کی کئی قرارتیں یا ایک خطبہ کے کئی خطبے بن کر تخفیف علی المصلین اور قصر خطبہ کی غرض نظر انداز ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی معمولی چیز نہیں۔ من[۱] ام منکم فلیخفف اور ان[۲] منکم منفرین او فتان انت یا معاذ کے ساتھ جس فرط غضب کا اظہار ایسے مواقع میں ہوا ہے۔ وہ کسی اہل علم پر مخفی نہیں۔ آلہ مکبر الصوت میں ان مفاسد کا کوئی احتمال نہیں بلکہ ابلاغ صوت (آواز پہنچانے) کا مقصد بہت پُرسکون طریقہ سے حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ مجالس وعظ وغیرہ میں عموماً تجربہ ہو رہا ہے۔ رہی یہ چیز کہ بظاہر ایک لعب کی سی صورت پیدا ہو جاتی ہے یہ فی الحقیقت اس پر مبنی ہے کہ ہر نئی چیز ابتدا میں اپنی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اب یہ چیز رفتہ رفتہ عام ہوتی جا رہی ہے۔ عام ہونے کے بعد کسی کو التفات بھی نہ رہے گا کہ ہم یہ آواز آلہ سے سُن رہے ہیں۔

۴۔ یہ تحقیق کہ آلہ سے جو صوت مسموع ہو رہی ہے وہ عین صوت قاری (پڑھنے والے کی آواز) ہے یا اُس کی نقل اور نقش ثانی ہے (اس کا کوئی فیصلہ ہنوز نہ ہو سکا اس لئے اجتناب کو احوط تو کہہ سکتے ہیں ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ اور احوط بھی کہنا اس جزئیہ کی بنا پر اقتدا بمن لم یدخل فی الصلوٰۃ (اس شخص کی اقتدا جو نماز میں داخل نہیں) لازم آتی ہے۔ مگر مجھے اس مسئلہ میں شفا نہیں۔ مبلّغ کی آواز سے امام کے انتقالات پر استدلال کرنا حقیقتاً مبلّغ کی اقتدائے شرعی نہیں۔ محض لغوی اعتبار سے توسعاً اہتمام یا اقتدا کا اطلاق

۱ تم میں سے جو امام ہو تو تخفیف سے نماز پڑھائے۔ ۲ تم میں سے

ہوتا ہے۔ محض اتنی بات سے اس پر استدلال کرنا کہ مکبر کی آواز کا وجود و عدم عام مقتدیوں کی نماز کے فساد و صحت پر اثر انداز ہے میری سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ غرض نہیں کہ جزئیہ فقہ میں موجود نہیں۔ بلاشبہ موجود ہے مگر میں اپنے عدم فہم کا اظہار کر رہا ہوں۔ اس کا ذکر استطراداً کیا ہے۔ مقصود یہ نہیں کہ اپنے عدم فہم کو حجت قرار دوں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ میں کیا اور میرا فہم کیا۔ بس مقصود اتنا ہے۔ کہ مکبر الصوت کے حکم میں شرح صدر نہیں اور اباحت مرجوحہ کی طرف قلب کا میلان ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

اس وقت ایک قول شیخ ابوبکر ابن الفورک کا یاد آگیا کل موضع تری فیہ اجتہاداً و لیس علیہ نورہا فانہ بدعۃ خفیۃ۔ بے شک یہاں بھی نور تو محسوس نہیں ہوتا لیکن یہ اہل مجاہدہ مجمع اور نور بصیرت رکھنے والوں کا حق ہے کہ نور کے وجود و عدم کا فیصلہ کریں۔ ما و شما کا منصب نہیں آپ نے اصرار کیا تھا اس لئے یہ چند سطور لکھی گئیں۔

شبیر احمد عثمانی

از ڈابھیل ۲۷ رصفر ۱۳۵۸ھ

بنام مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی پاکستان

برادر مکرم جناب مفتی محمد شفیع صاحب دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون۔ تقلید شخصی کے متعلق جو اہل حدیث صاحبان کو شبہات ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو صحابہ میں بھی تقلید شخصی کی نظیریں ملتی ہیں۔ اس سلسلے میں اہل مدینہ کا تعامل اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید شخصی کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان اھل المدینۃ سألوا ابن عباس رض عن امراۃ طافت ثم حاضت قال لھم تنفر قالوا لا نأخذ بقولک وندع قول زید (بخاری باب اذا حاضت المرأۃ بعد ما افاضت کتاب الحج۔

اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رض اس عورت کے بارہ میں سوال کیا جو طواف فرض کے بعد حائضہ ہوگئی ہو کہ وہ طواف وداع کے لئے پاک ہونے تک انتظار کرے یا طواف اُس سے ساقط ہو جائے گا اور اُس کو چلا جانا جائز ہوگا۔ ابن عباس رض نے فرمایا کہ وہ جا سکتی ہے۔ اہل مدینہ نے کہا کہ ہم آپ کے قول پر زید بن ثابت کے قول کے خلاف عمل نہیں کریں گے۔

اور فتح الباری میں بحوالہ ثقفی اسی واقعہ میں اہل مدینہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:۔

افتیتنا او لم تفتنا زید بن ثابت یقول لا تنفر۔	آپ فتویٰ دیں یا نہ دیں حضرت زید بن ثابت تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عورت (بغیر طواف) واپس نہیں جا سکتی۔

نیز فتح الباری میں بحوالہ مسند ابی داؤد طیالسی بروایت قتادہؓ اسی واقعہ کے یہ الفاظ منقول ہیں:۔

فقالت الانصار لا نتابعك یا ابن عباس وانت تخالف زیدا فقال سلوا صاحبتکم ام سلیم (فتح الباری صفہ ۴۶۳ ج ۳)	انصار نے کہا کہ ہم زید بن ثابت کے خلاف قول میں آپ کا اتباع نہ کریں گے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ لوگ ام سلیمؓ سے دریافت کریں (کہ مسئلہ یہی صحیح ہے جو میں نے بتلایا)۔

اس واقعہ میں انصار مدینہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی گفتگو کے الفاظ مذکورہ سے دو چیزیں بوضاحت ثابت ہو گئیں۔ اول تو یہ کہ یہ انصار مدینہ حضرت زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی کرتے تھے اُنکے قول کے مقابل کسی کے فتوے پر عمل نہ کرتے تھے۔ دوم یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی ان لوگوں پر یہ اعتراض نہیں فرمایا جو ہمارے زمانہ کے مدعیان عمل بالحدیث مقلدین پر کرتے ہیں کہ تقلید شخصی تو شرک فی النبوۃ ہے حرام ہے ناجائز ہے۔ بلکہ اُن کو مسئلہ کی تحقیق اور حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف دوبارہ مراجعت کے لئے ارشاد فرمایا:۔

چنانچہ فتح الباری ہی میں ہے کہ یہ حضرات مدینہ طیبہ پہنچے۔ تو انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے ارشاد کے موافق حضرت ام سلیمؓ سے واقعہ کی تحقیق کی اور حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف مراجعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے مکرر حدیث کی تحقیق فرما کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو قبول فرما لیا اور اپنے سابق فتوے سے رجوع کر لیا (کما صرح بہ فی الفتح ص ۴۶۴ ج ۲)

الغرض اس واقعہ سے اتنی بات پر انصار مدینہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اتفاق معلوم ہوا کہ جو لوگ شان اجتہاد اور کافی علم نہیں رکھتے۔ وہ کسی امام معین کی تقلید کو اپنے اوپر لازم کر لیں تو بلاشبہ جائز ہے؛

اس واقعہ سے قرن اول اور حضرات صحابہ کے تعامل سے تقلید شخصی کا ثبوت وجواز ثابت ہوا پھر قرون متاخرہ میں اُس کو واجب ولازم قرار دینے کا سبب یہ ہوا کہ بغیر اس کے اتباع ہویٰ سے محفوظ رہنا عادۃً محال ہو گیا۔ (شبیر احمد عثمانی)

وفات علامہ عثمانی

مکتوب مولانا محمد یحییٰ بنام مولانا خیر محمد صاحب

مکرم و محترم حضرت مولانا خیر محمد صاحب دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ صادر ہوا۔ اس حادثہ جانکاہ سے دل و دماغ متاثر ہیں۔ آپ کے تسلی آمیز کلمات سے سکون ہوا۔

حضرت (مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی) رحمۃ اللہ علیہ کی تقریباً ویسی ہی حالت تھی جیسی کہ چند روز قبل آپ نے یہاں دارالعلوم کے جلسے کے موقع پر دیکھی تھی یعنی عام صحت پہلے سے بہتر ہی تھی۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور کی تعمیر جدید کا سنگ بنیاد رکھنے اور نصاب وغیرہ کے سلسلے میں مشورہ کے لئے ۸ ر دسمبر کو بہاولپور کے لئے روانہ ہوئے ۱۲ کو رات بالکل اچھے تھے۔ ۱۳ ر کی شب میں بخار ہوا اور سینہ میں کچھ تکلیف رہی۔ صبح کو طبیعت ٹھیک ہو گئی تھی۔ ۹ بجے پھر سینہ میں تکلیف ہوئی سانس میں رکاوٹ اور گھٹن محسوس ہوئی۔ علاج اور تدبیر بے سود رہی اور گیارہ بج کر چالیس منٹ پر واصل بحق ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ ان کے مدارج بلند فرمائے اور ہم کو جنت الفردوس میں ان کے ساتھ جمع کرے۔ آپ حضرات کی محبت اور ہمدردی کے لئے ہم سب وابستگان خاندان بدل شکر گذار ہیں۔ والسلام۔

محمد یحییٰ۔ کراچی

۲۰ ر دسمبر ۱۹۴۹ء

(نوٹ) علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات وزیر تعلیم بہاولپور اسٹیٹ کی کوٹھی پر واقع ہوئی۔ مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ متوفی اکتوبر ۱۹۶۵ء بمقام مدینہ منورہ نے جو اس وقت بہاولپور میں مقیم تھے مولانا عثمانی کو غسل دیا۔ پھر آپ کی میت کو لکڑی کے تابوت میں بند کر کے کراچی لایا گیا۔ جہاں بے شمار

مسلمانوں نے نمازِ جنازہ پڑھی اور مفتی محمد شفیع صاحب نے نماز پڑھائی اور آپ کا جسدِ خاکی اسلامیہ کالج جمشید روڈ کراچی میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اسلامیہ کالج تو بعد میں بنا جو دراصل اسلامک ایجوکیشنل سوسائٹی کے ماتحت کھولا گیا ہے۔ علامہ اس سوسائٹی کے صدر تھے میں کئی بار مزار پُر انوار پہ حاضر ہو کر فاتحہ خوانی کرتا رہا ہوں اور مزار کا گرد و غبار بھی بعض اوقات صاف کیا ہے۔ برابر میں جناب مولانا سید سلیمان ندوی کا مزار ہے جو اس وقت زمین میں دھنس گیا تھا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ؎

شیخ الاسلام حضرت مولانا عثمانی کی زندگی کے آخری لمحے

منشی محمد فاضل صاحب کا بیان

افغانی سفارت خانہ دہلی کے سابق سیکرٹری منشی محمد فاضل ایم۔ اے کو بہاولپور میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی زندگی کے آخری دن آپ کے حضور میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ جس کی کیفیت درج ذیل ہے:۔

قرن ہا باید کہ تا یک عالمے از لطفِ طبع   می شود شبیر احمد فاضلے صاحب سخن

سالہا باید کہ تا یک سنگِ اصلی ز آفتاب   لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

صدق و اخلاص درستنت باید و عمر دراز   تا قرینِ حق شود صاحب قرانے در قرن

راقم الحروف لاہور سے روانہ ہو کر اپنی زمینوں پر جو والہ ریاست بہاول پور میں دیکھ بھال کے لئے جا رہا تھا۔ تو راستہ میں حسب معمول حضرت افسر الاطبا حکیم عبدالرشید صاحب کے ہاں بہاول پور میں مقیم ہوا۔ اتنے میں معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی جناب مخدوم زادہ حسن محمود صاحب وزیر بہاولپور کے ہاں جامعہ عباسیہ کے افتتاح کے لئے تشریف فرما ہیں۔ چونکہ حضرت مولانا مدت سے بیمار چلے آتے تھے۔ اس لئے آپ کی عیادت کے لئے حضرت مولانا فاروق احمد شیخ التفسیر جامعہ عباسیہ اور رئیس الاطبا حکیم عبدالرشید بھی تشریف لے گئے۔ بندہ بھی اُن کے ہمراہ تھا۔

جب ہم حضرت العلامہ کے حضور میں حاضر ہوئے تو مولانا فاروق احمد کی استدعا پر مرحوم نے حکیم صاحب کو نبض دکھائی۔ اور بیماری کی ہسٹری بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا میری قوتِ ہضم نے جواب

دے دیا تھا۔ میں جو کچھ کھاتا وہ بغیر ہضم ہوئے اسہال وغیرہ سے خارج ہو جاتا۔ متعدد ڈاکٹروں اور طبیبوں کا علاج کرانے کے بعد میں تبدیلی آب و ہوا کے لئے کوئٹہ اور قلات گیا۔ اس تبدیلی کا اثر بہت اچھا ہوا اور قوت ہضم بحال ہونے لگی۔

حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا۔ میں علاج وغیرہ چھوڑ چکا تھا۔ لیکن مسٹر لیاقت علی خان کے اصرار پر ڈاکٹر ایم شاہ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ جو کراچی کے چیف میڈیکل افسر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے کئی قسم کے ٹیکے لگائے اور گولیاں کھلائیں لیکن اُن سے کچھ زیادہ فائدہ نہ ہوا۔ اتنے میں جامعہ عباسیہ بہاول پور سے دعوت نامہ پہنچا۔ میں نے عام تقریبوں میں شریک ہونا ترک کر رکھا تھا لیکن بعض احباب نے پورے وثوق سے رائے دی کہ بہاول کی آب و ہوا اچھی ہے۔ اس کا اثر آپ کی طبیعت پر ضرور پڑے گا۔ اس لئے آپ ضرور تشریف لے جائیں۔

ان احباب کی رائے کا احترام کرتے ہوئے میں بہاول پور چلا آیا۔ مخدوم غلام میراں شاہ کے ساتھ میرے دیرینہ اور مخلصانہ تعلقات تھے۔ اور مخدوم زادہ حسن محمود میرے بچوں کی مانند ہیں۔ چنانچہ میں انہی کے ہاں قیام پذیر ہوں۔ ڈاکٹروں نے مجھے مطالعہ ترک کر دینے کا مشورہ دیا ہے۔ لیکن میں اس ہدایت کی تعمیل سے قاصر ہوں۔ مطالعہ ہی وہ چیز ہے جس سے مجھے تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔

حکیم عبدالرشید صاحب کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے شیخ الاسلام نے فرمایا۔ روانگی کے وقت ڈاکٹر شاہ صاحب نے ایک ٹیکہ لگایا تھا۔ اور چند گولیاں بھی دی تھیں۔ اور کہا تھا کہ یہ ٹیکہ چھ ہفتوں کے لئے کافی ہوگا۔ میں اس کا کچھ اثر محسوس نہیں کرتا۔ بلکہ اس علاج سے مایوس ہو رہا ہوں۔ کیونکہ ضعف میں اضافہ ہو رہا ہے۔ میں اس وقت آپ سے باتیں تو کر رہا ہوں۔ مگر زبان پر جبر کر کے بول رہا ہوں۔ آپ کے متعلقین میں سے مولانا بدر عالمؒ نے فرمایا۔ حضرت آپ بہت دیر سے باتیں کر رہے ہیں۔ ذرا احتیاط لازم ہے ——

نبض دیکھنے کے بعد حکیم عبدالرشید نے یہ رائے قائم کی کہ نبض کمزوری کے علاوہ اور کسی نقص کی آئینہ داری تو نہیں کرتی۔ البتہ ملیریا کا اثر ابھی تک موجود ہے۔ نبض میں جو صلابت ہے وہ غالباً ٹیکے کا اثر ہے۔ سردست مقویات و مفرحات کی ضرورت ہے تاکہ طبیعت سنبھل جائے اور استوار ہو جائے اگر آپ کی اجازت ہو تو ٹیکہ کی مدت ختم ہوئے بغیر یونانی علاج شروع کر دیا جائے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا۔ مجھے آپ کی باتیں معقول معلوم ہوتی ہیں۔ آپ کل تشریف لائیے گا۔

اس قدر باتیں کرنے سے شیخ الاسلام کو کوفت محسوس ہونے لگی اور آپ چارپائی پر رضائی اوڑھ کر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اچانک آپ کی روح پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

(از روزنامہ اخبار زمیندار ۱۷ دسمبر ۱۹۴۹ء)

صبر آزما رحلت

اخبار احسان کے ایڈیٹر ابو سعید بزمی اپنے مقالہ اداریہ میں لکھتے ہیں:۔

کل شام یکایک کراچی سے یہ صبر آزما خبر موصول ہوئی ہے کہ مولانا شبیر احمد عثمانی رہگرائے عالم جاودانی ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

یہ صحیح ہے کہ اس دنیا میں جو بھی آیا ہے۔ کوچ کرنے کے لئے آیا ہے۔ کسی کا پیدا ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے۔ کہ ایک دن اسے موت سے ہمکنار ہونا ہے۔ آدمی ہر مصیبت سے بچنے کی آس باندھ سکتا ہے۔ لیکن موت کے چنگل سے بچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا:۔

ہر آنکہ زاد، بناچار بایدش نوشید زجام دہر مے کُلّ من علیہا فان

اس لئے مولانا شبیر احمد عثمانی کا سانحۂ ارتحال اس کارگاہِ عالم کی سُنّتِ جاریہ کی رُو سے تو کوئی ایسا حادثہ نہیں جس پر حیرت و استعجاب کا اظہار کیا جائے۔ لیکن مولانا کی ذات گرامی کو پاکستان کے ساتھ وابستگی تھی اور جن کی شخصیت قائد اعظم کی رحلت کے بعد ایک واحد مرکزی نقطے کے مانند تھی۔ ان کا یکایک ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانا ایک ایسا صبر آزما سانحہ ہے جس میں چشم ماتم گسار خدا جانے کب تک اشک بار رہے گی۔ علمائے کرام کی صف میں مولانا شبیر احمد عثمانی اپنی علمی فضیلت اور کردار کی بلندی دونوں اعتبار سے اتنا بلند مقام رکھتے تھے کہ پاکستان تو درکنار دنیائے اسلام میں بھی آپکے پائے کی ہستی کوئی نہ تھی۔ قائد اعظم کی رحلت کے بعد پاکستان کے لئے مولانا محترم جیسی ہستی ایک بہت بڑا ستون تھی جس پر عوام و خواص اعتماد کر سکتے تھے۔ دستور ساز اسمبلی میں اسلامی نکات کی توضیح و تشریح کرنے اور آئین و قوانین کی دفعات کو اسلامی احکام کے سانچے میں ڈھالنے کے معاملے میں ہمیں مولانائے محترم کی ذات ستودہ صفات پر زبردست اعتماد تھا۔ ہم مطمئن تھے کہ جب تک یہ برگزیدہ شخصیت موجود ہے۔ ہمیں یہ یقین رکھنا چاہئے کہ دستور کی عملی شکل اسلامی احکام کے عین مطابق ہو گی۔ لیکن وائے ناکامی کہ آپ کا سایہ عین اس وقت ہمارے سر سے اٹھا لیا گیا۔ جبکہ ہمیں اس سائے کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ (روزنامہ احسان ۱۴ دسمبر ۱۹۴۹ء)

علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات پر دنیائے اسلام میں کہرام

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے آج رحلت فرمائی ۔۔۔"

۱۳ ار دسمبر ۱۹۴۹ء کی شام کو کراچی مرکز سے ریڈیو پاکستان کی غمزدہ آواز نے یہ المناک اعلان سنایا اور سوگوار سکوت کے بعد مملکت پاکستان کی فضا تلاوت کلام پاک سے گونجنے لگی۔ کلام ربانی کے ساتھ ایصالِ ثواب کے بعد مولانا سید مخدوم ناصر جلالی نے علامہ مرحوم کے علمی و ذاتی فضائل و کمالات کا تذکرہ کیا۔ زاں بعد ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نائب وزیر داخلہ و نشریات نے پیغام تعزیت نشر فرمایا۔

اس طرح ریڈیو پاکستان نے علامہ بزرگ کی روح پر فتوح کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ اس سے قبل جس وقت یہ افسوسناک اطلاع دار السلطنت کراچی میں پہنچی ہے۔ ریڈیو پاکستان کراچی کی تیسری مجلس کے آغاز سے ہی خبروں کے نشر کے بعد مطبوعہ پروگرام میں مناسب تبدیلیاں کر دی گئیں۔ خدائے پاک علامہ مرحوم کے جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل مرحمت فرمائے۔" آہ وصالِ شبیر احمد عثمانیؒ"۔

۱۳۶۹ھ

نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا

اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا

پورے ملک میں یوم غم منایا جائے گا

بغداد الجدید۔ ۱۳ ار دسمبر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی آج صبح ۱۱ بج کر ۴ منٹ پر حرکتِ قلب بند ہو جانے سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حکومت پاکستان نے فیصلہ کیا ہے کہ کل بدھ کو اس غم میں پورے ملک میں یوم تعطیل منایا جائے۔ گورنر جنرل پاکستان خواجہ ناظم الدین نے اس الم ناک حادثے کی خبر سن کر اپنی سرگرمیاں ملتوی کر دی ہیں۔ ایڈمنسٹریٹر کراچی نے ایک اعلان میں بتایا ہے۔ کہ مولانا علیہ الرحمۃ کی میت کل صبح بغداد الجدید سے کراچی لائی جائے گی۔

شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ بہاولپور کے وزیر تعلیم کی دعوت پر کراچی سے جمعہ کے دن یہاں آئے تھے۔ انہیں کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کی طبیعت بگڑنے پر ہر ممکن طبی امداد کا انتظام کیا گیا۔ لیکن کوئی

کوشش کارگر نہ ہوئی۔ دوپہر کو ۱۱ بج کر ۴۰ منٹ پر وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مرتے دم تک انہیں ہوش رہا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ حال ہی میں وہ ملیریا سے اُٹھے تھے۔ اور ضعف کی شکایت کرتے تھے۔

حکومت پاکستان کی وزارتِ داخلہ کی طرف سے ایک پریس نوٹ جاری ہوا ہے۔ جس میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی وفات حسرت آیات پر غم و ملال کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ کل پوری مملکت میں اس واقعہ کے احترام کے طور پر سرکاری دفتر بند رہیں گے۔ یہ بھی اعلان کیا گیا ہے۔ کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا جلوس جنازہ دوپہر کو ان کی قیام گاہ سے روانہ ہو گا۔ اور پرانی عید گاہ کے میدان میں سابق گورنر سندھ غلام حسین ہدایت اللہ مرحوم کی قبر کے قریب انہیں دفن کیا جائے گا

محترم لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان نے مولانا شبیر احمد کی وفات کی خبر سن کر فرمایا۔ ہمارا نقصان عظیم ہے۔ مگر ایک مسلمان ہوتے ہوئے خدا کی مرضی کے آگے ہمیں سر تسلیم خم کر دینا چاہئے۔

سردار عبدالرب نشتر نے جو ملتان میں خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل پاکستان کے ساتھ دورے پر ہیں۔ فرمایا کہ مولانا کی موت کی خبر سن کر ہمیں بہت دکھ ہوا۔ (امروز لاہور ۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء)

شیخ الاسلام کے جنازہ کا ایک میل لمبا ماتمی جلوس

کراچی۔ ۱۵ دسمبر۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی نعش جنہوں نے کل بغداد الجدید میں انتقال کیا تھا۔ سپرد خاک کئے جانے کے لئے آج صبح کراچی لائی گئی۔ نماز جنازہ میں ۲۔ لاکھ سے زائد مسلمانوں نے شرکت کی۔ نعش کو ایک میل لمبے جلوس میں مرحوم کی آخری آرام گاہ میں پہنچایا گیا۔

نماز جنازہ میں دیگر لاتعداد فرزندان اسلام کی شرکت کے علاوہ حکومت پاکستان اور حکومت سندھ کے وزراء، حکام اور غیر ملکی نمائندے شامل تھے۔ آج مرحوم کے احترام کے طور پر طول و عرض پاکستان میں تمام سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر اور ادارات اور بینک بند رہے۔

جمخانہ گراؤنڈ میں نماز جنازہ کے لئے شرکت کرنے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی۔ کہ تل دھرنے کو جگہ باقی نہ رہی۔ اور جب مولانا مفتی محمد شفیع نماز جنازہ کی امامت کے لئے کھڑے ہوئے اور نماز شروع کی تو دو لاکھ سے زائد فرزندان اسلام نماز کی شرکت کے لئے جمع ہو چکے تھے۔ ان میں

گورنر سندھ مسٹر دین محمد، ہزایکسی لنسی محمد علوبہ پاشا ہمسٹر غلام محمد، چودھری نذیر احمد خان۔ سردار بہادر خان شامل تھے۔ وزیر اعظم پاکستان آنریبل ڈاکٹر خان لیاقت علی خان کی طرف سے اُن کے پولیٹیکل سیکرٹری نواب صدیق علی خان نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ پارسی فرقہ کی جانب سے اظہار تعزیت کے لئے مسٹر جمشید مہتہ موجود تھے۔ نماز جنازہ کے ختم ہونے پر نعش کو ایک میل لمبے جلوس میں آخری آرام گاہ پہنچایا گیا۔ اور ۴½ بجے شام سپرد خاک کر دیا گیا۔

خاتون پاکستان خاتون پاکستان مس فاطمہ جناح نے ایک بیان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی وفات حسرت آیات پر عمیق رنج والم کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے۔ مرحوم مسلم لیگ کے زبردست حامی تھے۔ آپ نے قیام پاکستان کے لئے عظیم القدر خدمات انجام دیں۔ میں مولانائے مرحوم کے پسماندگان سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہیں۔

سٹوڈنٹس فیڈریشن آل جموں وکشمیر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر نے اپنے ایک بیان میں جہاد کشمیر کے سلسلے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی عظیم القدر خدمات کا ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ مرحوم کی یہ خدمات مجاہدین کشمیر کے لئے مشعل راہ کا کام دیں گی۔ (روزنامہ "زمیندار" ۱۶ دسمبر ۱۹۴۹ء)

مسٹر حسین شہید سہروردی متحدہ بنگال کے آخری وزیر اعظم کا بیان

غیر منقسم بنگال کے آخری وزیر اعظم مسٹر حسین شہید سہروردی نے ایک بیان میں شیخ الاسلام کی وفات پر اظہار رنج والم کرتے ہوئے کہا۔ "مولانا شبیر احمد عثمانی کی رحلت ایک ایسا نقصان ہے جس کا الفاظ میں اظہار ممکن نہیں۔ مولانا کی شخصیت زہد وتقویٰ، علمی فضیلت اور سیاسی بصیرت کا اجتماع تھی۔ وہ علوم دینیہ اور قانون شرعیہ کے متبحر عالم تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں جدید رجحانات کا بدرجہ اتم احساس تھا۔ اور پاکستان میں واحد انسان تھے۔ جو موجودہ زمانہ کے تقاضوں اور اُلجھنوں کا اسلامی افکار کی روشنی میں حل بتا سکتے تھے۔ جمعیۃ علمائے اسلام کے پہلے صدر کی حیثیت سے انہیں خوش آمدید کہنے کی سعادت حاصل ہے۔ انہوں نے اسلامیان ہند کی جس انداز سے قیادت اور رہنمائی کی۔ اُسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان میں قوم نے انہیں شیخ الاسلام کا خطاب دے کر ان

کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کیا۔ قرارداد مقاصد کو پیش کرانے میں ان کا بڑا حصہ تھا۔ اور ان میں اس قرارداد کو جامۂ عمل پہنانے کی اہلیت بھی تھی۔

بجا طور پر آج قوم سوگوار ہے۔ خدائے تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔

ملک کے گوشہ گوشہ سے تعزیتی پیغامات

کراچی ۱۳ دسمبر۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی رحلت کے سلسلہ میں ملک کے گوشہ گوشہ سے پیغامات تعزیت موصول ہو رہے ہیں جن میں ان کی رحلت کو نہ صرف پاکستان بلکہ ملت اسلامیہ کے لئے ایک نقصان عظیم بتایا گیا ہے۔ اور ان کی ان خدمات کو سراہا گیا ہے۔ جو انہوں نے حصول پاکستان کے لئے اور قیام پاکستان کے بعد ملک کی تعمیر کے سلسلہ میں انجام دیں۔

حیدرآباد سندھ کا جامعہ عربیہ کے وائس چانسلر سید علی اکبر شاہ نے ایک بیان میں مولانا عثمانی کی رحلت کو نہ صرف پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام کے لئے نقصان عظیم بتایا ہے۔ انہوں نے اپنے بیان میں آگے چل کر کہا ہے کہ قرارداد مقاصد اور تعلیمات اسلامیہ کے بورڈ کی تشکیل کا سہرا مولانا عثمانی کے سر ہے۔ (روزنامہ امروز۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء)

ریڈیو پاکستان کراچی علامہ شبیر احمد عثمانی کے ماتم میں

عالیجناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نائب وزیر داخلہ و نشریات پاکستان اپنی تقریر میں فرماتے ہیں "حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی وفات تمام امت کے لئے ایک سانحہ عظیم ہے۔ اس سے نہ صرف پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام کو جو نقصان پہنچا ہے۔ اس کا اندازہ لگانا دشوار ہے۔ (مجھے بعض ملی مسائل پر غور و خوض کے سلسلہ میں ان کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ اور دستور بنانے کے سلسلہ میں بھی مجلس دستور ساز کے اندر اور اس کے باہر تبادلۂ خیالات کا موقع ملا جس سے مجھے معلوم ہوا۔ کہ مولانا نہ صرف علم دین اور علوم مشرقی میں تبحر رکھتے تھے بلکہ عام سیاسی مسائل کو بھی سمجھنے میں دقتِ نظر اور وسعتِ فکر کے حامل تھے) مولانا کے فضل و علم کی برابری اگر کوئی چیز کر سکتی تھی۔ تو وہ ان کا ذاتی تقویٰ تھا۔ اس زمانہ میں کیا، کسی دور میں بھی ایسے عالم باعمل بڑی مشکل سے پیدا ہوتے ہیں۔ پاکستان کی تعمیر میں مولانا نے جو خدمات انجام دیں وہ ان کے سیاسی شعور، اسلام کی حقیقت سے کما حقہٗ آگاہی، خلوص نیت اور جذبۂ جہاد کی آئینہ دار

تھیں۔ مولانا کی ذات ایک سرچشمۂ فیوض تھی، جس سے عالم اور اُمی یکساں رُشد و ہدایت حاصل کرتے تھے۔ مصالح ملکی اور اُمورِ دین کا وہ صحیح امتزاج جو اسلام کی خصوصیت ہے۔ مولانا کے قول و فکر میں نمایاں تھا۔ ایسے عالم کی ذات جس میں یہ خوبیاں ہوں۔ ہمارے لئے ایک نعمت تھی۔ اس کو دوبارہ اللہ کے سُپرد کرنے میں ہمارے انسانی قلوب اگرچہ مجروح ہوتے ہیں۔ لیکن پھر بھی تسلیم و رضا کے علاوہ چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے، ان کے اقربا اور تمام مسلمانوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور ہم سب کو راہِ راست پر چلنے کی توفیق مرحمت کرے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ (ریڈیو پاکستان۔ کراچی۔ براڈ کاسٹ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء)

(آہنگ کراچی۔ یکم جنوری ۱۹۵۰ء سے ۱۵ جنوری تک)

ڈھاکہ میں رنج و غم کا اظہار

ڈھاکہ ۱۳ دسمبر آج جب مشرقی بنگال اسمبلی کی لیگ پارٹی کے جلسہ میں مولانا شبّیر احمد صاحب عثمانی کی رحلت کی خبر سُنائی گئی تو تمام ممبران نے رنج و غم کا اظہار کیا اور مسٹر نور الامین وزیرِ اعظم مشرقی بنگال بے ہوش ہو گئے مشرقی بنگال مسلم لیگ کے صدر مولانا اکرم خان نے ایک تعزیتی پیغام میں مولانا کی رحلت کو ملک کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان بتایا ہے۔ اور کہا ہے کہ قوم ایک عالم باعمل اور مذہبی پیشوا سے محروم ہو گئی ہے۔ مشرقی پاکستان کی جمعیت العلمائے اسلام کے صدر مولانا ظفر احمد عثمانی نے کہا ہے کہ موت کے ظالم ہاتھوں نے ایک ایسی ہستی کو ہم سے جُدا کر دیا ہے جس سے ملک کے تمام مذہبی رہنما ہدایت حاصل کرتے تھے۔

پاکستان لیگ کے خازن کا پیغام

کراچی ۱۳ دسمبر پاکستان مسلم لیگ کے خازن مسٹر اے، ایم قریشی نے ایک تعزیتی بیان میں شیخ الاسلام علامہ شبّیر احمد صاحب عثمانی کی رحلت پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے اُسے ملّت کا نقصانِ عظیم بتایا ہے اُنہوں نے اپنے بیان میں باشندگانِ کراچی سے پُرزور اپیل کی ہے کہ وہ بُدھ کے روز مکمل ہڑتال کریں اور بڑی سے کثیر تعداد میں جنازہ کے جلوس میں شرکت کریں۔

مُفت بسوں کا انتظام

کراچی ۱۳ دسمبر۔ قریشی ٹرانسپورٹ کمپنی کے پریس نوٹ میں بتایا گیا ہے۔ کہ شیخ الاسلام علامہ شبّیر احمد صاحب عثمانی کی رحلت کے باعث

قریشی بس سروس ۱۴؍دسمبر کو بند رہے گی لیکن مسلمانوں کی سہولت کے لئے مفت بسیں ۸ بجے صبح سے حضرت علامہ کے مکان تک حسب ذیل راستوں سے جائیں گی۔ جنازہ ایک بجے اٹھے گا۔

(۱) سندھ مدرسہ، فریر روڈ، ایمپریس مارکیٹ، جیکب لائن، عامل کالونی نمبر ۲۔

(۲) بولٹن مارکیٹ، بندر روڈ، عامل کالونی نمبر 2

(۳) پیر الٰہی بخش کالونی، جمشید روڈ، عامل کالونی نمبر 2

(۴) لی مارکیٹ، نیپیر روڈ، لارنس روڈ، سولجر بازار، عامل کالونی نمبر 2

(روزنامہ امروز۔ کراچی۔ ۱۵؍دسمبر ۱۹۴۹ء)

کراچی ماتم کدہ تھا

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی وفات نے کراچی شہر کو ماتم کدہ میں تبدیل کر دیا۔ بچے، بوڑھے، جوان اور عورتیں اس عظیم قومی صدمہ کی تاب نہ لاکر رو رہے تھے۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں شیخ الاسلام کے جنازہ میں شرکت کرنے جمع ہو رہے تھے۔ (۱۶؍دسمبر ۱۹۴۹ء روزنامہ زمیندار)

دولت سعودیہ عربیہ کے سفیر متعینہ پاکستان کا بیان

کراچی۔ دولت سعودیہ عربیہ کے وزیر المفوض و سفیر فوق العادہ متعینہ پاکستان عبد الحمید الخطیب نے فرمایا:۔

مولانا شبیر احمد عثمانی کی موت نے مجھے رنج و غم کے سمندر میں غرق کر دیا ہے۔ مرحوم فی الحقیقت اس مشرقی علم و فضل کے صحیح ترجمان تھے جو اسلامی دنیا کے لئے باعث فخر و مباہات ہیں۔ آپ اسلامی علوم اور عقائد کے پیکر تھے۔ علم و فضل کے علاوہ غیرت اسلامی۔ جہاد اور اسلامی روایات کو زندہ رکھنے کا جو جذبہ اُن کے دل میں موجود تھا۔ اس کی وجہ سے اُن کی عظمت بہت بلند درجے تک پہنچ چکی تھی ان صفات کی وجہ سے آپ عہد حاضر میں قطعی طور پر بے نظیر تھے۔ اس حادثہ ارتحال نے صرف پاکستان ہی کو سوگوار نہیں بنایا۔ بلکہ مجھے توقع ہے کہ ساری اسلامی دنیا اُن کے شریک غم ہے۔

اس فاضل اجل اور عالم بے بدل نے اہل پاکستان کے لئے بلکہ آئندہ مسلمانوں کے لئے شاندار علمی ذخیرے چھوڑے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ مسلمان ان ذخیروں سے پوری طرح مستفید ہوتے رہیں گے۔ اسلامیات اور ضمنی علوم میں مولانا کی تصنیفات اس بات کی مستحق ہیں کہ مسلمان انہیں

بغور مطالعہ کریں اور توحید و صراط مستقیم کے متعلق جو رہنمائی اُنہوں نے کی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

میری دُعا ہے کہ اللہ عزّ و جل اہل پاکستان کو بالخصوص اور دُنیائے اسلام کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے صحیح جانشین پیدا ہوں۔ اللہ عزّ و جل مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ اور اُن کے پسماندوں کو توفیق صبر عطا فرمائے۔ آمین۔ (۱۶ دسمبر ۱۹۴۹ء۔ روزنامہ زمیندار)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی نماز جنازہ مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں نماز جمعہ کے بعد پڑھی گئی۔

کراچی ۱۹ دسمبر۔ حجاز مقدس سے یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ مکہ مکرمہ کی مسجد الحرام اور مدینہ منورہ کی مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔ کراچی کے سعودی سفارت خانے کو اس مضمون کا بحری تار موصول ہوا ہے۔ کہ جلالت الملک عبد العزیز (ابن سعود) نے ایک خاص فرمان صادر فرمایا ہے۔ کہ ان دونوں مساجد میں نماز جمعہ کے بعد غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھی جائے۔ اس پیغام میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ مملکتِ سعودیہ عربیہ میں عوام و حکام کو اس المناک خبر سے سخت صدمہ پہنچا ہے۔ (روزنامہ زمیندار ۲۱ دسمبر ۱۹۴۹ء۔ پی پی انڈیا)

صف ماتم لاہور میں

لاہور۔ آج حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی رحلت کی وجہ سے لاہور میں غم کی گھٹا چھائی ہوئی تھیں۔ بازار سنسان، دکانیں بند، کاروباری اداروں پر اُداسی، کالجوں اور سکولوں کی رونق مفقود، عدالتیں اور سرکاری دفاتر اور سینما مرکز حزن وملال بنے ہوئے تھے۔

ایک دوکاندار اپنی دکان کے پٹڑے پر گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا بھائی دکان کیوں بند ہے۔ بولا مولانا صاحب جنہوں نے صوبہ سرحد میں الیکشن جیتا تھا کل گزر گئے۔

لاہور میں شیخ الاسلام کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ شام کو اسلامیہ کالج کے میدان میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں مسلم لیگی رہنماؤں نے تقریریں کیں اور تعزیتی قرار دادیں منظور کیں۔

پاکستان کے طول و عرض میں شیخ الاسلام کا ماتم

جہلم:۔ (۱۸ دسمبر) ۱۷ دسمبر کو ٹریڈرز ایسوسی ایشن جہلم کی میٹنگ زیر صدارت حاجی محمد عمر صاحب سوداگر چوب منعقد ہوئی جس میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی وفات حسرت آیات

پر افسوس کا اظہار کیا گیا۔ اور ان کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کیا گیا۔

وزیرآباد (ڈاک سے) ۱۴ دسمبر کو مہاجر لیگ وزیرآباد کے زیرِ اہتمام مسلمانان وزیرآباد کا ایک عظیم الشان جلسہ زیرِ صدارت مولوی محمد رمضان صاحب خطیب جامعہ مسجد بازار کلاں میں منعقد ہوا۔ جس میں حسب ذیل قراردادیں پاس کی گئیں:۔

یہ جلسہ حضرت شیخ الاسلام مولانا بشیر احمد عثمانی کی وفات حسرت آیات کو تمام عالم اسلام کا ایک المناک حادثہ تصور کرتا ہے۔ اور مسلمانان پاکستان سے درخواست کرتا ہے۔ کہ وہ حضرت مولانا کی ان مساعی جمیلہ کو عملی جامہ پہنانے کی سرگرم کوشش کریں۔ جو قانون شریعت قائم کرنے کے سلسلہ میں مرحوم انجام دیتے رہے۔

علاوہ ازیں حسب ذیل مقامات پر مختلف انجمنوں اور اداروں کی طرف سے ماتمی جلسے منعقد کر کے تعزیت کی قراردادیں پاس کی گئیں۔ ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کی گئی۔ کاروبار بند رکھے گئے اور مساجد میں مغفرت کی دعائیں کی گئیں۔

اسلامیہ ہائی سکول منٹگمری، کریانہ مرچنٹس ایسوسی ایشن سرگودھا، ووکیشنل ٹریننگ سنٹر سیالکوٹ انجمن اصلاح المسلمین پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ۔ بلوکی ضلع لاہور۔ گوندل، دارالعلوم ثانیہ و مدرسہ اسلامیہ تعلیم القرآن اکوڑہ خٹک، مسلم لیگ نیشنل گارڈ لاہور چھاؤنی، مغل پورا (لاہور) سٹی مسلم لیگ پشاور انجمن اتحاد و ترقی رشی نگر لاہور۔ کوئٹہ (بلوچستان) نیشنل گارڈ بھکر ضلع میانوالی۔ انجمن اسلامیہ لاہور چھاؤنی پیس گڈز ایسوسی ایشن پشاور۔ حلقہ ادب اسلام کراچی۔ مومن کانفرنس خلاص پور ضلع جہلم چیمبر آف کامرس رحیم یار خان ریاست بہاولپور۔ ضلع جمعیت الانصار ملتان۔ جمعیۃ العلمائے اسلام فورٹ سنڈیمن (بلوچستان) جامعہ محمدی شریف محمدی ضلع جھنگ، مدرسہ عربیہ اسلامیہ منڈی بوریوالہ۔ انجمن مدرسہ اسلامیہ حلیمیہ چک نمبر ۶۰ ۵.۷ ضلع منٹگمری۔ اسلامیہ آئین ساز مجلس العلماء پرانی انارکلی لاہور۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان، گورنمنٹ ہائی سکول مرلودھا۔ جمعیۃ مجالس اطبائے پاکستان لاہور۔ ٹیچرز ایسوسی ایشن اسلامیہ ہائی سکول راولپنڈی۔ ہول سیل کلاتھ مارکیٹ سوسائٹی لاہور۔ بزم توحید میر پور خاص (سندھ) مسلم پنچایت کشمیر کمیٹی جمیس آباد (سندھ) سٹی مسلم لیگ مظفر گڑھ۔ ضلع مسلم نیشنل گارڈ مردان۔ انجمن ضیاء الاسلام فیض باغ لاہور، شیعہ اثنا عشری جماعت پشاور۔ مدرسہ عربیہ نعمانیہ و جمعیت المسلمین کہروڑ پکا ضلع ملتان۔

شجاع آباد، خاکوانی ضلع اٹک۔ ضلع وسٹی مسلم لیگ شیخوپورہ۔ حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ۔ موضع سفر ونہ۔ موضع گیا نکل۔ موضع چار باغ۔ موضع نواکلی۔ موضع شیخ جاز وغیرہ تحصیل صوابی ضلع مردان۔ مدرسہ عربیہ خفیہ ٹمپل روڈ لاہور۔ مزنگ لاہور۔ میچی ہمدرد سوسائٹی لاہور، قومی رضا کاران لاہور سٹی لیگ کونسل ویمنگ ورکرز ایسوسی ایشن جہلم۔ انجمن اساتذہ ایم۔ بی ہائی سکول منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات۔ نظامی آرٹ سوسائٹی بھکر ضلع میانوالی۔ مہاجر لیگ راولپنڈی۔ آڑھتی ایسوسی ایشن منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات۔ سٹی مسلم لیگ گجرات۔ انجمن تبلیغ الاسلام چونڈہ ضلع سیالکوٹ۔ چوہا سیدن شاہ ضلع جہلم۔ مسلم لیگ ریناله خورد ضلع منٹگمری۔ جماعت اسلامی ضلع مظفر گڑھ۔ مسلم لیگ ونگ پور رنگپور تحصیل خوشاب مسلم لیگ پنڈی گھیپ۔ جمعیۃ العلمائے پاکستان سلانوالی ضلع سرگودھا۔ گوگڑاں ضلع ملتان۔ چک $\frac{62}{E.B}$ ضلع منٹگمری۔ بوڑمیانہ ضلع اٹک۔ بہاؤ لنگر ضلع بہاولپور۔ پراونشل مسلم لیگ پشاور۔ پاکستان اجمل طبی ایسوسی ایشن راولپنڈی۔ ماڈل ٹاؤن پارہ چنار۔ انجمن اسلامیہ سیالکوٹ بالاکوٹ۔ حلقہ مسلم لیگ پشاور۔ حویلیاں ضلع ہزارہ۔ سنٹر کو آپریٹیو بنک لائل پور۔ مارکیٹ کمیٹی چوہڑ کانہ۔ منڈی چیچاوطنی برج والا۔ جماعت اسلامی رحیم یار خان ریاست بہاولپور۔ گڈمرچ ایسوسی ایشن پشاور۔ لالہ موسٰے پرائمری سکول شاہ پور۔ مہاجرین للیانی تحصیل قصور ضلع لاہور۔ سرحدی یتیم خانہ مردان، فرینڈز کلب ڈیرہ غازی خان۔ انجمن فروغ اردو نوشہرہ۔ ہاکرز یونین راولپنڈی۔ انجمن خدام المجاہدین راولپنڈی انجمن انصار و مہاجرین جمعیت نوجوانان اسلام، ڈسٹرکٹ انجمن مہاجرین مجلس منتظم جامع مسجد راولپنڈی

شیخ الاسلام کی وفات حسرت آیات پر حزن و ملال کا اظہار

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی رحلت کی خبر نے دنیائے اسلام کو ایک آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے۔ شام کو میں نے جب شہر کا چکر لگایا تو ہر چہرہ کو غم کی تصویر پایا۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب ہوٹلوں اور قہوہ خانوں میں لوگوں کی زبان پر ایک ہی بات تھی۔ وہ یہ کہ اب اسلامی تعلیمات کمیٹی کو قرآن کے رموز کون سمجھائے گا۔

(نامہ نگار روزنامہ زمیندار ۱۶ دسمبر ۱۹۴۹ء)

دار العلوم کی فضا رنج و غم میں ڈوب گئی، تمام دفاتر بند کر دیے گئے

مسلمانان ہند و پاکستان عموماً اور متوسلین دار العلوم

دیوبند کے حلقوں میں خصوصاً یہ خبر انتہائی رنج و غم کے ساتھ سنی گئی ہے کہ ۱۳؍ دسمبر ۱۹۴۹ء یوم سہ شنبہ کو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ہمیں داغ مفارقت دے کر رہگرائے عالم جاودانی ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ——— علامہ مرحوم بغداد الجدید (بہاولپور) میں وزیر تعلیمات ریاست کی دعوت پر تشریف لائے اور بغرض تبدیل آب و ہوا کچھ قیام کا ارادہ سے تشریف لائے مگر قیام کو تین ہی دن گذرے تھے کہ وقت مقدر آپہنچا۔

مولانا مدنی کی تقریر دار العلوم میں ۱۴؍ دسمبر کی شب میں یہ خبر موصول ہوتے ہی غم و اندوہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ علی الصباح نماز فجر کے بعد مسجد دار العلوم میں حضرت مولانا کے سانحہ ارتحال کا تذکرہ کر کے ختم کلمہ طیبہ، ختم قرآن مجید کا اعلان کیا جس میں تمام اساتذہ و طلبہ اور کارکنان دار العلوم شریک ہوئے۔ بعد ختم مہتمم کی درخواست پر حضرت مولانا مدنی نے چند کلمات مجمع کے سامنے علامہ مرحوم کی نسبت ارشاد فرمائے جس میں مولانا کے سانحہ ارتحال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مرحوم کی شخصیت بے مثال تھی۔ علم و فضل میں آپ کا پایہ بلند تھا اور ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے۔ مگر ہم میں سیاسی اختلافات ضرور پیدا ہوئے مگر وہ اپنی جگہ ہیں۔ مولانا مرحوم کے تبحر علم و فضل اور بلند پایہ شخصیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ یقیناً ان کی یہ دائمی مفارقت ہم سب کے لئے باعث صد رنج و ملال ہے مولانا مرحوم نے دار العلوم میں تعلیم پائی حضرت شیخ الہند اور بہت سے اکابر دار العلوم سے انہیں نسبتی تعلق تھا۔ اور علمی طور پر ان کی شخصیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ تقریر و تحریر کا خداداد ملکہ مولانا مرحوم کا حصہ تھا اور بہت سی خوبیوں کے حامل تھے ——— اس کے بعد طویل وقفہ تک دعاء مغفرت کی گئی۔ اور دار العلوم کو قرآن خوانی اور ختم ایصال ثواب کے سلسلہ میں ایک دن کی تعطیل دی گئی۔ دفاتر بند کر دیے گئے اور اس اعلان پر یہ مجلس ختم کی گئی کہ بعد ظہر دوسری مجلس قرآن خوانی کی پھر منعقد ہو گی۔ بعد ظہر پھر قرآن خوانی ہوئی اور کلمہ طیبہ کا ختم پڑھا گیا۔

مولانا محمد طیب صاحب کی تقریر احقر مہتمم نے ایک مفصل تقریر کی جس میں علامہ مرحوم کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات اور خصوصیات پر روشنی ڈالی اور بتلایا کہ جماعت علماء میں حضرت مرحوم نہ صرف ایک بہترین عالم فاضل ہی تھے بلکہ ایک صاحب الرائے مفکر بھی تھے۔ آپ کا فہم و فراست اور فقہ نفس بے نظیر تھا۔ آپ اس علمی ذوق کے امین تھے۔ جو اکابر دار العلوم سے بطور وراثت آپ کو ملا تھا حضرت قاسم العلوم والخیرات بانی دار العلوم دیوبند کے مخصوص علوم پر آپ کی گہری نظر تھی اور درسوں میں ان کے علوم کی بہترین تفہیم کے ساتھ تقریر فرماتے تھے۔ علوم میں نظر نہایت گہری اور عمیق تھی۔ علمی لائنوں میں آپ کا درس و تدریس اور مختلف مدارس۔ مدرسہ فتحپوری دہلی۔ دار العلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ہزارہا طلبہ کو یکے بعد دیگرے افادہ ایک امتیازی شان رکھتا تھا۔ تعطیلی

لائینوں میں آپ کی متعدد تصانیف اور قرآن حکیم کی تفسیر بصورت فوائد اور مسلم شریف کی عربی شرح یادگار زمانہ رہیں گی۔ جو پوری دُنیائے اسلام میں نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے۔ سیاسی لائن میں آپ نے تقسیم ملک سے پہلے اپنی مدبرانہ سیاسی قابلیت سے ریاست حیدر آباد کو ایسے وقت میں بعض مہلک مذہبی فتنوں سے بچانیکی سعی جمیل فرمائی۔ جبکہ اس کے معاملات بہت زیادہ خطرہ میں تھے۔ آزادی ملک کی جدوجہد میں آپنے کافی حصّہ لیا۔ اور آپ کی فصیح وبلیغ تقریروں سے لاکھوں باشندگان وطن آزادی وطن کی حقیقت سے آگاہ ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد آپنے پاکستان کو اپنا مستقل وطن بنالیا۔ اور کراچی میں مقیم رہ کر (پاکستان) کی بہت سی دینی وملی خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے ارباب حکومت پر آپ کی علمی اور سیاسی خدمات کا خاص اثر تھا اور وہاں کی گورنمنٹ کے بانی کما بعد میں آپ کی عالمانہ اور مفکرانہ حیثیت سے خاص عظمت حاصل تھی۔ آپ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے رکن اور مذہبی قانون کمیٹی کے صدر تھے بلاشبہ وہاں کی حکومت نے آپ کے ساتھ حیات اور ممات کا معاملہ کیا جو ایک قدر شناس حکومت کو اپنے ایک مخلص خیرخواہ اور ملک کے ایک ممتاز عالم دین کے ساتھ کرنا چاہیئے۔

علامہ کی ان چند در چند فضیلتوں اور پھر ان مخصوص نسبتوں سے کہ اولاً آپ دارالعلوم کے ایک مایہ ناز فرزند تھے پھر اس کے قابل قدر مدرس بنے اور آخر کار ادارہ کے صدر مہتمم ہوئے ان کے حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم بطور ادائے حق نہیں بلکہ بطور ادائے فرض ان کے لئے دُعائے مغفرت اور ایصال ثواب کریں اور نہ صرف آج ہی بلکہ آئندہ بھی برابر کرتے رہیں۔

طلبار اور علمار کے بھرے مجمع نے دُعائے مغفرت اور ایصال ثواب کے لئے ہاتھ اُٹھائیے اور کافی وقت تک لوگ خضوع وخشوع کے ساتھ دعا وتضرع میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ یہ مجلس برخاست ہوگئی۔

مہتمم دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کی جانب سے تعزیت کے تار مولانا مرحوم کے اہل بیت اور حکومت پاکستان کے گورنر جنرل اور وزیر اعظم اور ایسوسی ایٹڈ پریس پاکستان کو روانہ کئے گئے جن کی عبارت حسب ذیل ہے:-

گورنر جنرل اور وزیر اعظم پاکستان کے نام تار

علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلامی کا ایک شدید حادثہ ہے۔ میں خود اور تمام جماعت دارالعلوم آپ سب کے غم میں شریک ہیں اور تعزیت پیش کرتے ہیں۔ دارالعلوم کو تعطیل دی گئی۔ اور ختم قرآن کرایا گیا۔

(مہتمم دارالعلوم دیوبند)

حضرت شیخ الاسلام کے سنگ مزار پر حسب ذیل تاریخی عبارتیں اس طرح کے نقش کے ساتھ کندہ ہیں:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

تاریخ الوصال

۶۹ ھ ۱۳

مفسّر و محدّث اعظم

۴۹ ۹ ۱۹

قدسی اساس شیخ الاسلام

۶۹ ھ ۱۳

زاہد پاک فقیہ ملک جامع علوم مولانا شبیر احمد عثمانی

۴۹ ۹ ۱۹

امام العلماء المتقین رحمۃ اللہ علیہ

۶۹ ھ ۱۳

۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء

روز سہ شنبہ بمقام بغداد الجدید بہاولپور۔

مراثی بر وفات حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی

آہ! مولانا شبّیر احمد عثمانیؒ

۱۳۶۹ھ

(از جناب اسد ملتانی)

حادثہ ایسا ہے مولانائے عثمانی کی موت
دل کو جس پر صبر آسانی سے آ سکتا نہیں

جسکی تقریروں سے ہل جاتے تھے دُنیا بھر دل
سامنے حکمِ قضا کے لب ہلا سکتا نہیں

گم ہُوا وہ بے بہا گوہر بہاول پور میں
جو کسی قیمت پہ بھی اب ہاتھ آ سکتا نہیں

وُہ خطیب زندہ دل وُہ عالم صاحب نظر
جس کا ثانی عالم اسلام پا سکتا نہیں

ایسا دل، ایسی نظر، ایسی زباں، ایسا دماغ
اتنا جو ہر ایک ہیکر میں سما سکتا نہیں

صدق پر ثابت قدم رہ کر یہ ثابت کر دیا
کوئی بھی اہل یقین کو ورغلا سکتا نہیں

طبع کی نرمی میں پنہاں پختگی ایمان کی
جیسے دب کر پنبہ دانے کو دبا سکتا نہیں

خلوت و جلوت میں اک ملبوس، اک طرزِ بیاں
آج کوئی ایسی یک رنگی دکھا سکتا نہیں

سب پہ کر دیتا عیاں اس کی خطابت کا خلوص
دل کا وہ جذبہ جو لفظوں میں سما سکتا نہیں

آسماں نے جسم خاکی کو ملایا خاک میں
لیکن اس کے نقش عظمت کو مٹا سکتا نہیں

رکھ گیا ایسی بنا آئین پاکستان کی
جس سے ہٹ کر اب کوئی دیوار اٹھا سکتا نہیں

نام عثمانی کو بھی مانند اقبال و جناح
ملک پاکستان قیامت تک بھلا سکتا نہیں

وصال شیخ الاسلامؒ

مکمل ہوتا جاتا ہے زوال آدم خاکی
ممات کرۂ ارضی مسلم ہوتی جاتی ہے

حیات اپنے قدم کیونکر جمائے فرش گیتی پر
اجل تو مدعی نظم عالم ہوتی جاتی ہے

زمانہ جس قدر تاریکیوں میں کھوتا جاتا ہے
اسی نسبت سے دیں کی شمع مدھم ہوتی جاتی ہے
چراغِ علم و عرفانِ سیاست بجھتے جاتے ہیں
یہ محفل اور ویراں اور برہم ہوتی جاتی ہے
تقاضے جیسے جیسے بڑھتے جاتے ہیں تبسم کے
مری آنکھ اور گریاں اور پُرنم ہوتی جاتی ہے
سنواروں تو سنواروں کس طرح گیسوئے دوراں کو
سنورتی جاتی ہے یہ زلف برہم ہوتی جاتی ہے
وصالِ شیخ الاسلام آہ یہ باور کراتا ہے
کہ ہستی کفر کی ہر لحظہ محکم ہوتی جاتی ہے
وہ عالم وہ فقیہہ دیں وہ خضر جادۂ عرفاں
وہ علم و فضل کا دریا عمل کا بحر بے پایاں
وہ جس نے قولِ پیغمبر کا مطلب ہم کو سمجھایا
کئے ملت پہ جس نے آشکارا معنیٔ قرآں
نکل کر آ گیا ملت کی خاطر کنج عزلت سے
حقیقت بن گیا اسکی بدولت خواب پاکستان
خدا کا خوف رکھتا تھا خدائی کا فدائی تھا
ادھر شیدائی یزداں ادھر سودائی انسان
اُسے چھینا ہے ہم سے موت کے بے رحم ہاتھوں نے
رہا جاتا ہے یہ ظلمات غم بے چشمۂ حیواں
مگر اے موت یہ سن لے ہمارا دین ہے اُمید
مسلماں کو شکار یاس کر لینا نہیں آساں
اُفق کے اُس طرف سے یہ صدا آتی ہے کانوں میں
یقین اے مرد مومن عزم محکم اے مسلماناں

(اخبار امروز ۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی

شجاع احمد زیبا

تقدیر پہ شکوہ نہ فلک پر الزام
ہے موت ہی دراصل بشر کا انجام
کیا کم تھا غم وفات قائد زیبا
اب ہم سے جدا ہو گئے شیخ الاسلام

۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء (امروز اخبار لاہور)

آہ! شبّیر

(شریف فاروق)

ناموسِ مصطفےٰؐ کا نگہبان چل بسا
سرمایہ دارِ حاصلِ قرآن چل بسا

سر پیٹتی ہے دیکھ وہ ملّت کی تیرگی
ہم بیکسوں کا مایۂ عرفان چل بسا

تاریکیوں کا دَور ہے غمناک ہے فضا
ملّت کا دردمند نگہبان چل بسا

شعلہ بھڑک اٹھا ہے قلب و جگر میں آج
وہ پیکرِ جلیل و ھُدیٰ خوان چل بسا

تاکا ہے آج موت نے کیوں میر گھر حضور
وہ شیخ دین و صاحبِ ایمان چل بسا

آہ! علّامہ شبّیر احمد عثمانی

(از راز یوسفی)

کیوں نہ سکوں ہو درہم برہم
موت العالم، موت العالم

کوچہ بہ کوچہ، خانہ بہ خانہ
برپا ہے شبّیرؒ کا ماتم

ملّتِ بیضا تیری قسمت
آہ و بکا اور نالہ پیہم

ٹوٹ پڑا ہے کوہِ الم اک
قلب ہے بھاری آنکھیں پُرنم

چرخِ ستمگر تیرا بُرا ہو
چھین لیا اسلام کا ضیغم

آپ تھے پیکرِ فہم و ذکا کے
اور پیمبر دینِ ہُدیٰ کے

چشمِ فلک نے کم دیکھے ہیں
ماننے والے ایسے خدا کے

شمعِ رسالت کے پروانے
اور دلدادہ اہلِ وفا کے

علم و عمل کے سچّے پیکر
ایک نمونہ صدق و صفا کے

مکر و ریا سے پاک تھا سینہ
سرچشمہ تھے جود و سخا کے

تو ہی بتا اے چرخ ستمگر — اس کی تلافی ہو گی کیوں کر
کس دنیا سے ڈھونڈھ کے لائیں؟ — آپ سے بڑھ کر آپ سے بہتر
ہے کیا تیری نظر میں کوئی؟ — آپ کا ثانی آپ کا ہمسر
کیوں کر وہ خاموش رہے گا — پھوٹ گیا ہو جس کا مقدر

اس کشتی کا اللہ حافظ
ٹوٹ چکا ہو جس کا لنگر

عاطر

آہ! شبیر احمدؒ

شد ہویدا قیامت صغریٰ — یعنی بگذشت از جہاں شبیرؒ
عاطر ارکانِ عرش می گویند — حیف زیر زمین مہرِ منیر

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

سرزمینِ پاک کا ہے آج ہر ذرہ اداس — آج پہنا ہے فضاؤں نے بھی ماتم کا لباس
آج روتی پھر رہی ہے آرزوئے پختہ کام — آج محوِ رنج و غم ہے عقل و دانش کا مقام
آج ہے ہنگامِ درد و نالہ و آہ و فغاں — آج ہے چشمِ تصور سے بھی جوئے خوں رواں
ہو رہا ہے خلوتوں میں صرصرِ غم کا گذر — آج ہے کھوئی ہوئی سی زیبِ آغوشِ نظر
چھا چکا ہے مطلعِ منطق پہ آج ابرِ ملال — سوچتا ہے فلسفہ اپنی تمنا کا مآل
آہ کے ہاتھوں ہے سینہ کوبیِ لیل و نہار — علم و حکمت کی نگاہوں میں ہیں اشکِ سوگوار
بیخودی کے دوش پر ہے نالہ و شیون کا زور — ضبط کی دنیا پہ قابض ہو چکا ہے آج شور

غمزدہ ارماں، اُمیدیں آج محوِ اضطراب — کھا رہی ہیں فکر کی گہرائیاں بھی پیچ و تاب
طائرانِ خوش نوا مبہوت ہیں خاموش ہیں — گلستاں کے گلستاں مغموم ہیں بیہوش ہیں
سنسناہٹ کر رہی ہے محفلِ عرفاں پہ راج — ولولے پہنے ہوئے ہیں سر پہ ویرانی کا تاج

سوچ میں ہیں کوہ و دشت و بحر و بر یہ کیا ہوا؟
کون آخر اس جہاں سے کوچ یکدم کر گیا؟

کون آخر دے گیا داغِ جدائی قوم کو؟ — کس نے آخر پا لیا ہے جاودانی "نوم" کو؟
کس کے غم میں ہے نشاطِ دو جہاں اندوہناک؟ — کس کا ماتم کر رہی ہے آج رُوحِ ارضِ پاک؟

آج بس اتنا ہی سمجھا دے ہمیں ربِّ غفور!
کون تھا وہ؟ آج کیوں بیتاب ہیں عقل و شعور

دفعتاً آئی ندا! اے رہروانِ جستجو! — ہم بتائے دیتے ہیں تم کو ولیکن فاصبروا!
تم جسے شبّیر عثمانی کہا کرتے رہے — آج ہم نے لے لیا آغوشِ رحمت میں اسے

کُلُّ نفسٍ ذائقۃ[۱] سے آشنا تم بھی تو ہو
رحمتوں کا لینے والے آسرا تم بھی تو ہو

وفاتِ امامِ ملّت رحمہ اللہ

(صوفی شیدا کاشمیری)

امیرِ قوم وہ شبّیر احمدؒ عاملِ قرآں — فروغِ ملّتِ بیضا! چراغِ محفلِ عرفاں
رموزِ دیں کا ماہر، عزم و استقلال کا پیکر — جو پاکستان میں تھا عالمانِ دین کا سلطاں
منوّر جس کے فیضِ علم سے تھی شمعِ ایمانی! — گنہ گارانِ ملّت میں تھا بیشک صاحبِ ایماں
وہ آغوشِ اجل میں سو رہا ہے وائے ناکامی — غلامِ خواجۂ یثرب ندیمِ قومِ پاکستاں
ذہانت میں فطانت میں بصیرت میں لیاقت میں — نہ ہمسر اس کا پیدا کر سکے گی گردشِ دوراں

۱؎ کُلُّ نفسٍ ذائقۃُ الموت۔

ہے قانونِ الٰہی گرچہ کلُّ من علیہا فان
فنا ہوتا نہیں لیکن نشانِ بندۂ یزداں

غمِ شبّیر رح

(حکیم ناظر حسین شاہ زنجانی)

جادہ نوردِ منزلِ عرفاں، چلا گیا — آئینِ مصطفٰے کا نگہباں چلا گیا
محمود[1] کے چمن سے نسیم سحر گئی — لالہ طراز بزمِ گلستاں چلا گیا
اس بزم میں تھا قائدِ اعظم رح کا ہمنشیں — یارب کہاں وہ مردِ مسلماں چلا گیا

تربت پہ اس کے رحمتِ ربِّ قدیر ہے
حلقہ بگوش خواجۂ گیہاں چلا گیا

رحلتِ شبّیر

(حافظ امرتسری)

ایک چکر فلک نے اور دیا
موت کی زد میں آ گئے شبّیر
خون روتے ہوئے ستاروں کے
منہ سے نکلا کہ مسلم دلگیر
بجھ گیا تیری انجمن کا چراغ
اٹھ گیا ایک اور عالی دماغ

---

[1] شیخ الہند محمود الحسن رح

برہان جنوری ۱۹۵۰ء

علامۃ العصر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ کی یاد میں

از جناب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری شیخ الحدیث جامع اسلامیہ ڈابھیل

ہمارے فاضل رفیق مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نہ صرف یہ کہ حضرت علامہ مرحوم کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں بلکہ سالہاسال تک انہیں مرحوم کی معیت و رفاقت کا شرف حاصل رہا ہے اُن دنوں آپ ہی مرحوم کی جگہ جامعہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث اور اب جامعہ اسلامیہ کراچی نیوٹاؤن میں شیخ الحدیث ہیں۔

یا عین جودی بعقد الدمع کالدرر ... جودی بدمع فلا تبقی ولا تذری

جودی بدمع غزیر هامر هطل ... یذری بمزن همی من صیّب المطر

جودی بدمع شجیّ هائم قلق ... جودی بفتح شئون غیر مدّخر

أحری العیون بأن تذری مدامعها ... عین بکت خطبها من غیر مصطبر

أنعی إلیك إماما عالما فطنا ... شیخا کبیرا فرید المثل فی العصر

إنعی إلیك وحید الدهر عالمه ... بحر المحیط ملیئ القعر بالدرر

شبیر أحمد شیخ القوم قد وتهم ... دعاه رب کریم واسع القدر

لبّی إلٰهاً کریما إذ دعاه ضحی ... ضیفاً نزیلاً غنیا بارا ح فی سفر

محدث بارع مفسّر ندس ... حبر کبیر دقیق الفکر والنظر

علامة ذکی فهامة لبسٌ ... روض انیق جمیل النور والزهر

محقق العصر فی علم وفی حکم ... محنّك الدهر فی مستشکل عسر

فی قلبه علم قرآن وحکمته ... یبدی معارفه فی کل مختصر

کم من مشاکل علم غاص لجتها ... وحلها بدقیق الفکر غیر مقتصر

کم من دقائق بحث قام یکشفها ... کم من حقائق أبدت دقة النظر

إذا ارتقى فى أعالى الرأى لاح لـه … ما فى الغيوب هنا من كل مستتر
تريك نور الذكا سيماء غرتـه … إذا تبلج فى مستصعب الخبر
مفكر طالما أشجت بدر أنعمه … أولى النهى ببديع الرأى كالزهر
مدبر طالما أزهت محاسنه … فى كل معترك من كل مستعر
حلم وقار أناة تزينه … خطابة منطق كاللؤلؤ النثر
غور وفكر وتحليل لمعضلة … خطابه فى الندى عقد من الدرر
أضحت لخطبته الألباب حائرة … ترى سكارى رحيق النطق من سكر
يموج موجاً كموج البحر ملتطما … إذ قام حبراً خطيباً ناشر الحبر
أضحت عبارته من حسن عارضة … تجلو الغياهب والأوهام كالقمر
بالفضل متسم بالنيل مرتسم … بالصدق معتصم فى كل مشتجر
بالعلم متزر بالفهم مستتر … بالحزم مشتمل فى كل معتمر
جلا الظلام بنور راق منظره … بفتح ملهمه فى خدمة الأثر
فاحت بلاد لعرف من فوائده … جاءت كدر يتيم غالى الدرر
تجلو غياهب ذى ذلج إذا فاهت … بحسن فكر وطبع صافى الكدر
حاز المفاخر والعلياء مرتديا … بثوب غر فنح طيب عطر
له المفاخر فى الأعيان ناطقة … له المآثر هو وفى نفسر
له البدائع فى الأفكار بادية … له الروائع تترى عند ذى النظر
سل أرض هند فستدر من مفاخره … جاءتك ناطقة من كل مفتخر
سل دولة فى بسيط السند قائمة … ينبيك دستورها بالمدين فاعتبر
هو المشير فى تأييد مقصده … حتى تأكد منه العقد بالبصر
خطب ألم على الإسلام حين قضى … نجا وأمر الورى لم يقض من وطر
فالقلب فى غمد والروح فى كمد … والنفس فى كبد والعين فى همر
هذا الذى ملأ الآفاق سمعته … در ساوتا أليف كتب خير مدخر

ن فى الكل

ن كان المشير تكميل لغيبة حتى تكمل فيها النهى بالنطق

ترثیه جامعة تبکیه عاصمة — جدیدة کمدا فی صیب العبر

ترثیه اقلام علم ثم محبرة — مدارس کتب مکاتب الزبر

یرثیه منبرهم یبکیه جامعهم — ترثیه حفلتهم فی البدو والحضر

یا قلب مه هذه دنیا ونعمتها — تفنی سریعا وقد جاء تک بالعبر

یبقی الاله ولا یبقی بریته — فاصبر بصبر جمیل وارض بالقدر

وکل حی من الدنیا مفارقها — وکل جاء غریب جاء للسفر

یارب أنزل علیه مزن رحمة — یسقی ثراه هنا من فائض المطر

وارفعه عندک فی الفردوس منزلة — یأوی الی کنف فی غایة الحضر

وطفاء دیمتک المدرار فائضة — تزجی لمحل من الغبراء مفتقر

ثم الصلوة علی خیر الوری ابدا

من جاء بالنور فی الظلماء للبشر

تاریخ وفات

(از علامہ سیماب اکبرآبادی)

افسوس کہ علامہ شبیر احمد — دریہا لیبور کرد از دہر خرام

بست و یکم از صفر کہ بد سہ شنبہ — از بزم جہاں رفت علیم علام

آں عالم دین و مفتی پاکستان — در خلد گزید بعد تا ئید آرام

خاکش بہ کراچی چو سپردند بخاک — از خلق بلند شد صدائے کہرام

سیماب بسال رحلتش تعجیلا

گفتم قدسی اساس شیخ الاسلام

۱۳ ۶۹ ھ

تاریخہائے وفات مولانا شبیر احمد عثمانی

امام المتقین شبیر احمد عثمانی

۱۹۴۹ء

(حفیظ ہوشیارپوری)

(۱)

رخت ہستی از جہاں بربست آں عالی مقام
جانب مالک بقا از عالم فانی برفت
او بہ جنت آرمیدہ ما بہ دنیا سوگوار
اشک غم در چشم و برلب "علامۂ عثمانی" برفت

۱۳۶۹ھ

(۲)

شیخ الاسلام از جہاں رفت
کز خلد بریں رسید پیغام
رضواں او را چو دید گفتا
شیخ الاسلام خلد آرام

۱۹۴۹ء

(امروز کراچی۔ جمعرات ۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء)

(حفیظ ہوشیارپوری)

آہ وصال شبیر احمد عثمانی
آہ وصال علامہ روزگار شبیر احمد عثمانی
وائے شیخ الاسلام شبیر احمد مرحوم

۱۹ ء ۴۹

(روزنامہ امروز کراچی جمعرات ۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء)

تاریخ الوصال

۶۹ھ ۱۳

علّامۂ دہر قبلۂ طالباں مولانا شبّیر احمد عثمانی

۴۹ ـــ ع ـــ ۱۹

شیخ الاسلام والاقدس پاکستان

۴۹ ـــ ۶ ـــ ۱۹

ادخلہ اللہ المحی فی الجنۃ

۶۹ ـــ ھ ـــ ۱۳

از خامہ سیّد حبیب احمد افق کاظمی

۴۹ ـــ ۶ ـــ ۱۹

فاضلے جامعہ اسلامیہ شہر امروہہ

۴۹ ـــ ۶ ـــ ۱۹

مولانا شبّیر احمدِ عثمانی! ... علّامۂ خوش نصیب اسلام گزشت
شیخ المتکلمین و رازیِ زمان ... دانشمندِ لبیب اسلام گزشت
بے مثل امام فقہ و تفسیر و حدیث ... اہل قلم و خطیب اسلام گزشت
امراض قلوب را دمش بود مسیح ... آں رُوحانی طبیب اسلام گزشت

تاریخ وصال او ہمیں است اُفق
"شیخ الاسلام" ادیب اسلام گزشت

۴۹ ـــ ع ۱۹

(روزنامہ زمیندار ۲۹ دسمبر ۱۹۴۹ء)

تاریخ وفات حضرت شیخ الاسلام

(از ریاض محمود صاحب بخاری)

دریغ روپوش گشت از چشم لولوئے آب و تاب ملّت
مزید کرد نار حیف باب غم دگر در کتاب ملّت
چو سوز غم داد وقتِ فرصت برائے تاریخ و سال رحلت
ریاض محمود! گفت حکمت "نہاں شدہ آفتاب ملّت"

۱۳۶۹ھ

(روزنامہ زمیندار ۲۱ دسمبر ۱۹۴۹ء)

تاریخ الوصال

۱۳۶۹ھ

صاحب جاہ رُکن محترم دستور ساز اسمبلی

۱۹۴۹ء

نور اللہ تربتہم

۱۳۶۹ھ

شیخ الاسلام و شیخ پاکستان — آہ دنیا سے ہو گئے رخصت
وائے قسمت لکھے تھے قسمت میں — یاس و حرماں غم و الم حسرت
مہر دینِ متین غروب ہوا — سارے عالم پہ چھا گئی ظلمت
موت عالم ہے "موت عالم کی" — ہر زباں پر ہے یہ بصد حسرت
زندگی بے ثبات ہے لیکن — جاودانی ہے یہ غم فرقت
اُٹھ گئے ایک باکمال بزرگ — حیف آئے نامرادی قسمت

ان پہ ہو خاص سایۂ رحمت ہے دُعائے عزیز محشر میں
میرِ حسرتؔ سے کہئے سالِ وفات
"شیخ الاسلام گر گئے ہجرت"
۱۳۶۹ھ

مادۂ تاریخ وفات حسرت آیات

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

از نتیجۂ فکر جناب مولانا محمد ادریس صاحب مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی

علم و عمل، بذل و بحث، حکمت، کلام و اتقا
دستِ قضا نے آہ سب کو بے سر و پا کر دیا

ل	=	۳۰۰
م	=	۴۰
ذ	=	۷۰
ح	=	۸
کم	=	۶۰
لا	=	۳۱
تق	=	۵۰۰
		۱۳۶۹ھ

تاریخ وفات حضرت شیخ الاسلام

(از مضطر نظامی بی۔اے)

جس کی شمع علم سے پُر نور کل تک بزم تھی　　بزم میں اس صاحب تنویر کا ماتم ہے آج
آہ اب صدق و یقین کی راہ دکھلائے گا کون؟　　سالکوں میں ایک مرد پیر کا ماتم ہے آج
کون اب کوثر لٹائے گا ہمارے واسطے　　مردِ مومن، عالم تفسیر کا ماتم ہے آج
اب دلوں کی کھیتیاں سرسبز ہو جانیکو نہیں　　ابرِ رحمت بار کی تاثیر کا ماتم ہے آج
از سرِ حیف و بلا لکھ اے نظامی سالِ داغ　　سارے پاکستان میں شبیرؒ کا ماتم ہے آج

۱۹۳۹ + ۱۰ = ۱۹۴۹ء

تاریخ وفات

(از قریشی احمد حسین احمد قلعداری)

بر وفات حضرت شبیر احمد پاک زاد!　　نالہ ہا افتاد۔ در دل رنج و غمہا شد مکیں
آہ رفت از ما امام و افتخار عالماں　　خادم شرع متیں و رونق دُنیا و دیں
چوں برائے سال عام الحزن کردم جستجو　　بر وفات فخر ملت بادل اندوہگیں
باحساب ابجد۔ ایں با من سروش غیب گفت
۸۱

"آسماں راحق بُود گر خُوں ببارد بر زمیں"
۱۸۶۸ + ۸۱　　۱۹۴۹ء

دریغا کہ شبیر فرخ نہاد　　زباغ جہاں رخت خود چوں بہ بست
ز دردش سن اوست۔ آشوب سخت　　دگر از "امام بلند اختر" است
۱۳۶۹　　۱۳۶۹

رفت چوں از دہر مولانائے ما ۔ با فروشان و شکوہ و تمکنت
چوں زتخت سلطنت برداشت پا ۔ سالِ او بشمر "زتخت سلطنت"
۱۳۶۹ھ

رفت بفردوس امام زماں ۔ یعنی کہ از بزم جہاں خوش بخفت
دید بفردوس چو رضواں اورا ۔ "خسروِ فرخندہ قدم" سال گفت
۱۹۴۹ھ

آہ چو رفت از جہاں شاہ و امام عارفاں ۔ تاج سراں عالماں از سردہر خوش بخفت
دوش بگوش ہوش من کرد چو فکر عقل کل
"فخر انام فخر دین" سال وصال او بگفت
۱۹۴۹ء

قطعۂ تاریخ وفات حضرت شیخ الاسلام

(از پیر غلام دستگیر صاحب نامی)

مرتحل شد چو شیخ عثمانی
دل ما شد زتیغِ غم دو نیم
گفت نامی بسالِ رحلت او
شیخ الاسلام قدوۂ اقلیم
۱۳۶۹ھ